طلوع اسلام

جلد نمبر ۸
شمارہ ۲۲

کراچی: ہفتہ - ۲ - جولائی ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنہ
سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

جو لوگ اپنے اپنے فرقوں کے ساتھ متمسک رہتے ہیں - قرآن کے ساتھ ان کی نفرت اور دشمنی اور اپنے اپنے بزرگوں کے ساتھ ان کی عقیدت سے رفتہ رفتہ ان کی حالات یہ ہوجاتی ہے کہ ان کے اور قرآن کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل ہوجاتا ہے جو آنکھوں سے تو نظر نہیں آتا لیکن دل اور دماغ پر بری طرح سے چھا جاتا ہے - واذا قرآت القرآن جعلنا بینک و بین الذین لا یومنون بالاخرۃ حجاباً مستوراً - یہ پردہ ان کے دلوں سے سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت سلب کرلیتا ہے - و جعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ - اور ان کے کانوں میں ایسے ڈاٹ لگا دیتا ہے کہ وہ بات تک نہیں سن سکتے - وفی اذانھم وقرا (۴۵/۱۷) - اور اس طرح قرآن سے ان کی نفرت دن بدن بڑھتی جاتی ہے - وما یزیدھم الا نفورا (۴۱/۱۷) -

یہ ہے وجہ جو فرقہ پرستی مٹتی نہیں -

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. تنہا عقلِ انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اس طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوعِ انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔
3. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو گی صحیح ہو گی جو اس کے خلاف ہو گی غلط ہے۔
4. حضور نبی کریم انسانیت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن بعض سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر رکھی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا محکم معیار خود قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. ایسے عالمگیر نظامِ زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں۔ (انہیں قانونِ شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد و معاشرہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عالمین یعنی تمام نوعِ انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
8. ربوبیت عالمین کے مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظامِ ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

اب پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ مستقل اقدارِ خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی ذاتی اور مضمر صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ نئی مجلس دستور ساز ★ کشمیر ★ افغانستان کی بد عہدی ★ غیر ذمہ دارانہ بیان ★ اسلام کی سرگزشت
★ تاریخی شواہد ★ عورت کا قرآن ★ تورات ★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی جائزہ

As. -/4/-

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا -

قرآن کیا کہتا ہے؟ اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال - پرویز - سے سنئے -

صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

سلیم کے نام خطوط

کمیونزم ہمارے دور کا سب سے اہم مسئلہ ہے -

یہ عین اسلام ہے؟ یا یہ اسلام کا نقیض ہے؟

نوجوانوں کے دلوں میں یہ سوالات اٹھتے ہیں - لیکن ان کا جواب؟

یہ ''سلیم کے نام'' میں دیکھئے -

صفحات ۳۰۸ قیمت چھ روپے

ابلیس و آدم

انسان کی زندگی حیوانی زندگی نہیں - نہ یہ سلسلہ ارتقاء کی آخری کڑی ہے - یہ پیش خیمہ ہے آنے والی زندگی کا -

ارتقائے طبعی کیا ہے اور ارتقائے نفسی کیا؟ سائنس کے اکتشافات کیا کہتے ہیں؟ اور قرآن کیا کہتا ہے؟

ضخامت ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اسباب زوال امت

قیمت -/۱/۸ روپیہ

اسلامی نظام

قیمت -/-/۲ روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۴۱۳۷ - کراچی-۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
ہفتہ وار
طلوعِ اسلام
جلد ۸ | ۲؍جولائی ۱۹۵۵ء | نمبر ۲۲

جدید مجلس دستور ساز

سابقہ مجلس دستور ساز کی تحلیل کے ٹھیک آٹھ ماہ بعد پاکستان میں ایک جدید مجلس آئین ساز وجود پذیر ہو گئی ہے۔ یہ مجلس جن آراکین پر مشتمل ہوگی۔ ان کی فہرست شائع ہو چکی ہے۔ آپ اس فہرست پر نگاہ ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان افراد میں جو اب منتخب ہو کر آئے ہیں اور ان میں جو مرحوم مجلس کے اراکین تھے دل و دماغ اور فکر و کردار کے اعتبار سے کوئی نمایاں فرق نہیں۔ لہٰذا جہاں تک آئین سازی کا تعلق ہے (ایک اسلامی مملکت کی آئین سازی کو تو چھوڑیئے، عام مملکتوں کی آئین سازی کے نقطۂ نگاہ سے بھی) ان حضرات سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرنا، اپنے آپ کو دھوکہ میں رکھنا اور آخر الامر خواہ مخواہ مایوس ہونا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو اس کا تھوڑا سا بھی علم ہے کہ انتخاب کے موقعہ پر مختلف افراد اور مختلف پارٹیوں کے پیش نظر کیا کیا مصالح و مقاصد ہوتے ہیں، وہ اس باب میں اپنے آپ کو کبھی دھوکے میں نہیں رکھ سکتے۔ انتخاب میں حصہ لینے والے افراد کے پیش نظر (خواہ وہ امیدوار ہوں یا رائے دہندگان یا بالواسطہ و بلاواسطہ کسی کی کامیابی کے لئے کوشاں) اپنا اپنا مفاد اور اپنی اپنی منفعت ہوتی ہے۔ مالی منفعت، حصولِ عزّ و جاہ کی منفعت، یا قوت و اقتدار کی منفعت۔ اور ہر پارٹی کے پیش نظر اپنی اکثریت یا کسی نہ کسی پہلو سے بساطِ سیاست پر موثر ہونے کا جذبہ۔ ان میں سے کسی کے دل میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اس مجلس میں ایسے لوگوں کو بھیجنا چاہیئے جو آئین سازی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آئین سازی اور جہاں بانی جیسے اہم فریضہ کی سرانجام دہی کے لئے ایسے افراد منتخب ہو کر آ جاتے ہیں جو شاید اپنا نام بھی لکھنا نہ جانتے ہوں۔ اپنی اپنی پارٹی کی عصبیت کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے سامنے کسی ایسے شخص کو پیش بھی کر دیا جائے۔ جس کی فکر و استعداد کے وہ معترف و مداح بھی ہوں۔ تو بھی وہ کسی طرح اس کی حمایت پر آمادہ نہیں ہوتے جب تک وہ اپنے اصولوں کو چھوڑ کر ان کی پارٹی میں شامل نہ ہو جائے...........

حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم اس قدر بانجھ نہیں ہو چکی کہ اس میں صاحبانِ فکر و کردار کے پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہو۔ قوم میں اچھے اچھے ذی استعداد لوگ موجود ہیں۔ لیکن پارٹی بازی کی میکیاولی اہلیت ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ بہر حال ہمارے ملک کی اس وقت یہی حالت ہے۔ اور جب تک یہاں فکری تبدیلی اور سیاسی شعور کی بیداری نہیں ہو جاتی۔ آپ جتنے انتخابات بھی چاہے کر لیجئے۔ نتیجہ ایک جیسا رہے گا۔ لہٰذا اس میں کوئی بات سینہ کوبی اور خوں فشانی، شکوہ سنجی اور گلہ طرازی، آزردگی اور تاسف انگیزی کی نہیں کہ نئی مجلس دستور ساز میں بھی اسی قسم کے افراد آئے ہیں۔ جیسے پہلے تھے۔ اس لئے ان سے بھی کیا خوشگوار امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

ہمارے نزدیک (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) سابقہ اسمبلی اور نو مولود میں اس کے اراکین کی صلاحیتوں کے اعتبار سے چنداں فرق نہیں۔ البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اس اسمبلی کی صورت میں گورنر جنرل نے بعض ایسے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں جن کے پیش نظر (پہلی اسمبلی کی طرح) اس کے خارِ دامن یا ناقۂ بے زمام بن جانے کے امکان کم ہیں۔ "خارِ دامن" سے مراد یہ ہے کہ اسمبلی آئین سازی کے کام کے سلسلہ میں نہ خود کچھ کرے۔ نہ کسی اور کو اپنی جگہ آنے دے۔ اور خواہ مخواہ قوم کا راستہ روک کر کھڑی ہو جائے (جس طرح سابقہ اسمبلی نے کامل سات سال تک کیا۔ اور ملک اس کا منہ دیکھا کیا) اور "ناقۂ بے زمام" سے مفہوم یہ ہے کہ اب یہ نہیں ہوگا کہ جس پارٹی نے کسی نہ کسی طرح اکثریت کے ووٹ حاصل کر لئے۔ اس نے جو چاہا قانون بنا دیا۔ اب ہر قانون کے لئے گورنر جنرل کے استصواب کی ضرورت ہوگی۔

مندرجہ صدر تلخ حقائق کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جدید اسمبلی میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں (جس طرح سابقہ اسمبلی میں بھی کچھ لوگ ایسے ضرور تھے) جو اگر دیگر مفاد و مصالح کو بالائے طاق رکھ کر آئین سازی کے کام کو سنجیدگی سے اپنے ہاتھ میں لیں۔ اور اپنی ساری توجہات اسی پر مرکوز اور اپنی تمام مساعی اسی کے لئے صرف کر دیں۔ تو وہ تھوڑی سی مدت میں دنیا کی عام مملکتوں کا سا آئین مرتب کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ اربابِ بصیرت کو بھی اپنے مشوروں میں شریک کر لیں جو (اگرچہ اسمبلی کے اندر نہیں لیکن) اسلامی آئین کا نکھرا ہوا تصور اپنے ذہن میں رکھتے ہیں۔ تو وہ اس مملکت کے لئے ایسا آئین بھی مدون کر سکتے ہیں جسے بنیادی طور پر اسلامی کہا جا سکے۔ لیکن جو چیز ان حضرات کے راستے میں حائل ہو جائے گی وہ ان کے اپنے یا ان کی پارٹی کے سیاسی مصالح ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اس مجلس آئین ساز نے مملکت کی مقننہ (LEGISLATURE) کے فرائض بھی سرانجام دینے ہیں۔ اور چونکہ مرکزی وزارت کا بننا اور بگاڑنا مقننہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لئے مجلس آئین ساز کے اراکین کا زیادہ وقت اور توانائی بساطِ سیاست کی اسی مہرہ بازی کی نذر ہو جائے گا چنانچہ اس قسم کے جوڑ توڑ ابھی سے شروع ہو گئے ہیں۔ اگر اس مجلس کو سیاست گری اور وزارت سازی سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ اور اس کا کام صرف آئین کی ترتیب ہوتا تو یہ حضرات اپنی تمام توجہات اسی نقطہ پر مرکوز رکھتے اور (برا بھلا) آئین کم از کم وقت میں مرتب ہو جاتا۔

اس کے باوجود ہماری ان حضرات سے (جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) پر زور درخواست ہے (اور یہ درخواست ہمارے قلب کی گہرائیوں سے ابھر کر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے صفحۂ قرطاس تک آئی ہے) کہ آپ کچھ وقت کے لئے خالی الذہن ہو کر سوچیں کہ وہ کس قدر اہم عظیم اور گرانقدر فریضہ ہے جسے آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس وسیع و عریض مملکت کے استحکام و بقا اور اس میں بسنے والے ساڑھے آٹھ کروڑ نفوس کی زندگی اور سرفرازی کا مدار اس آئین پر ہے۔ جس کی ترتیب و تدوین کا بارِ گراں آپ نے از خود اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے اگر آپ نے اپنی اس ذمہ داری کا صحیح صحیح احساس کیا۔ تو اس سے نہ صرف ملتِ پاکستانیہ کی موجودہ نسل ہی آپ کی زیر بارِ احسان رہے گی بلکہ آنے والی نسلیں بھی جو آپ کے لگائے ہوئے شجرِ طیب کے سایہ تلے بیٹھ کر آرام کریں گی اور اس کے حسین و شاداب پھل کھائیں گی۔ آپ کو ہمیشہ ہمیشہ دعائیں دیتی رہیں گی۔

اس کے ساتھ ہی ہم اپنی قوم سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ ان آئین ساز حضرات کی کارگزاری پر بے شک سخت احتساب کی نگاہ رکھیں۔ اس پر کڑی سے کڑی تنقید کریں۔ لیکن ان کے کام میں محض اس لئے روڑے نہ اٹکائیں کہ جس انداز کا آئین بنا رہے ہیں۔ وہ آپ کے حسب پسند نہیں۔ آپ ان کی غلطیاں ان پر واضح کریں۔ اپنے مفید مشوروں سے ان کی تقویت کا باعث بنیں۔ اپنی بصیرت کو ان کے لئے چراغِ راہ بنائیں۔ لیکن محض اس لئے تخریب کے درپے نہ ہو جائیں کہ آئین سازی کا کام ان کے سپرد کیوں ہوا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کیوں نہیں دیا گیا۔ یہ لوگ

جس قسم کا آئین بھی بنا سکتے ہیں آپ سے ایک دفعہ بن جانے دیں۔ ہر آئین میں ترمیم کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور آنے والی اسمبلیاں سابقہ واضعین کی غلطیوں اور خامیوں کی اصلاح کرتی رہتی ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ مملکت کا آئین پختگی اور بلندی اختیار کرتا جاتا ہے۔ آپ یہی کچھ یہاں بھی ہونے دیں۔ جہاں تک طلوعِ اسلام کا تعلق ہے یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اس کی منزلِ مقصود قرآنی نظامِ ربوبیت کا نفاذ ہے۔ ابتداءً پاکستان میں اور پھر ساری دنیا میں۔ وہ اس کے لئے مسلسل اور متواتر جدوجہد کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ لیکن وہ اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کرتا کہ اس منزل تک پہلے ہی قدم میں نہیں پہنچا جا سکتا اس تک بتدریج پہنچا جائے گا۔ اب رہا عبوری دور سو اس میں جس قسم کے حالات ہوں گے اسی کے مطابق نظام کی تشکیل ہوگی اس تمام عرصہ میں اس بنیادی حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ کسی ملک کے نظام کا آئین کے مطابق چلنا، خواہ وہ آئین ناقص ہی کیوں نہ ہو بہرحال بے آئینی اور بے نظمی کی حالت سے بہتر ہوتا ہے۔ اس بنیادی اصول کے پیشِ نظر ہماری کوشش یہی ہے کہ کاروانِ ملت کا رخ بے آئینی سے آئین پرستی کی طرف موڑتے رہیں۔ اور افرادِ کارواں میں ایسی فکری تبدیلی پیدا کرتے جائیں جس سے وہ ایک دن قرآنی نظامِ ربوبیت کی نورانی منزل تک پہنچ جائیں۔ ان تمام مایوسیوں کے باوجود جو ناساعد حالات قدم قدم پر پیدا کرتی جارہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

کس قدر سہانی ہوگی وہ صبح جس دن سورج کی کرنیں اس آسمانی انقلاب کا زندگی بخش پیغام لے آئیں گی اور زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔۔

کشمیر

معاصر "وائس آف کشمیر" دہلی اس اطلاع کا ذمہ دار ہے کہ مقبوضہ کشمیر کی نام نہاد اسمبلی نے کشمیری شہریت کا قانون بدل دیا ہے۔ اب تک ریاستی شہری ان کو سمجھا جاتا تھا جو ۱۸۸۵ء سے پہلے ریاست میں آباد تھے اور اس وقت سے باقاعدہ آباد چلے آ رہے تھے۔ لیکن آئندہ ہر وہ شخص جو دس سال تک ریاست میں رہا ہے اور جائداد غیر منقولہ بنالے ریاست کا شہری تصور ہوگا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے معاصر موصوف لکھتا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بیشمار ہندوستانی ریاست میں جائدادیں بنالیں گے اور کشمیری کہلانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ ہندوستانیوں کا کشمیر میں سکونت اختیار کرنا مطلقاً حیران کن نہیں کیونکہ ایک تو صحت بخش علاقہ ہے دوسرے ہندو فرقہ پرست ریاست کو ہندو ریاست میں بدلنے کے شدید متمنی ہیں۔ وہ ۱۹۴۷ء سے یہ خواب دیکھتے چلے آ رہے ہیں اور اب جبکہ قانون شہریت بدل دیا گیا ہے تو ان کے خواب کی عملی تعبیر آسان ہو جائیگی۔

یہ اقدام ایک سلسلہ اقدامات کی کڑی ہے۔ جب سے کشمیر میں جنگ کا التواء ہوا ہے اور ہندوستان کو امن و اطمینان میسر آیا ہے وہ مسلسل ریاست کو اپنا حصہ بناتا چلا جا رہا ہے۔ کشمیر کے ہندوستان میں مدغم کرنے کی صورت یہ ہوگئی تھی کہ شیخ عبداللہ جیسے پنڈت نہرو کے دوست کو بھی اس کے خلاف احتجاج کرنا پڑا۔ انہی حالات سے متاثر ہو کر انہوں نے کشمیر کی آزادی کا تصور پیش کیا لیکن ہندوستان کشمیر کو ہضم کرنے پر اس حد تک کمربستہ ہو چکا تھا کہ اس نے بڑی ڈھٹائی سے شیخ صاحب کو معزول کر کے جیل میں ٹھونس دیا اور بخشی جیسے کٹھ پتلی کو گدی پر بٹھا دیا۔ بخشی ہندوستان کے لئے ہلالِ یتیم کی پتلی ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے آنے کے بعد ہندوستان کا اثر و دخل کشمیر میں اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ اب کشمیر ہندوستان کا حصہ کہلا سکتا ہے۔ تازہ فیصلے سے کشمیر مکمل طور پر ہندوستانی ہی نہیں ہو جائیگا بلکہ آہستہ آہستہ ہندو ریاست بن جائیگا۔ یہ خدشہ بے بنیاد نہیں کیونکہ کشمیر کے ہندو بنانے کا عمل ایک عرصہ سے جاری ہے۔ جموں کی مثال ہمارے سامنے ہے اس صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن اب وہاں ڈھونڈے سے بھی کوئی مسلمان نہیں ملیگا۔ تقسیم کے بعد ہندوؤں نے جموں میں بھی فسادات کا سلسلہ شروع کیا اور مسلمانوں کو بیدردی سے قتل کیا۔ اور جو ان کی تلوار سے بچے وہ بھاگ کر پاکستان آ گئے۔ جو کچھ جموں میں تلوار کے زور پر ہوا وہ اب وادیٔ کشمیر میں قانون کے نام پر کیا جائیگا۔

ہندوستان کشمیر میں تو یہ کچھ کر رہا ہے لیکن پاکستان کو حیلوں بہانوں سے ٹال رہا ہے۔ یہ فیصلہ کہ کشمیر کا مستقبل استصواب کے ذریعے طے ہوگا ۱۹۴۸ء میں کیا گیا تھا لیکن ہندوستان نے سات سال تک اس پر عمل درآمد نہیں ہونے دیا۔ اب بھی کوئی توقع نہیں کہ عمل درآمد کی کوئی صورت پیدا ہوگی بلکہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان استصواب کو خارج از بحث سمجھتا ہے۔ تو گویا ہندوستان نہ محض کشمیر سے متعلق متفقہ فیصلہ پر عمل درآمد کیلئے تیار نہیں بلکہ اس مسلمان ریاست کو باقاعدہ طور پر ہندو ریاست بنا رہا ہے۔ چند سال اسی طرح پاکستان کو ٹرخا کر وہ کہدیگا کہ کشمیر ایک ہندو ریاست ہے لہذا اس کے پاکستان میں شامل ہونیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسوقت وہ خود استصواب کی پیشکش کر کے پاکستان کو لاجواب کر سکتا ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ حکومت پاکستان نے اس خطرے کو نہیں بھانپا اور وہ کشمیر کے مذاکرات کو اس بیفکری سے چلا رہی ہے جیسے کشمیر میں کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے۔ وزیر اعظم محمد علی صاحب جب ۲ سال قبل برسرِ اقتدار آئے تھے تو انہیں پنڈت نہرو سے براہ راست ملاقات کرنے کی ایسی دھن سمائی تھی کہ آج تک اس سراب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر سابقہ تجربے کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہی کم نہیں کہ گذشتہ دو سال میں پنڈت نہرو نے مفاہمت پسندی کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ پاکستان کیوں اس فریبِ مفاہمت کا شکار ہو۔ ابھی وزیر اعظم پھر پنڈت جی سے مل کر آئے ہیں لیکن اس کا نتیجہ اس سے زیادہ کچھ نہیں نکلا کہ پنڈت جی پھر ان سے ملاقات کریں گے۔ یہ ملاقات کہیں اگست میں جا کر ہوگی۔ ہمیں اس ملاقات کے نتیجے سے متعلق کوئی حسنِ ظن نہیں ہمیں یقین ہے کہ ہمارے وزیر اعظم صاحب کو اس حد تک ذاتی تجربہ ضرور ہو چکا ہے کہ انہیں بھی اس سے کوئی حسنِ ظن نہیں ہوگا۔ جب صورت یہ ہے تو کیوں نہ اس طلسم کو توڑا جائے۔ اور یہ طلسم جتنا جلدی ٹوٹے بہتر ہے کشمیر کے معاملے میں مجرمانہ حد تک غفلت شعاری کا ثبوت دیا گیا ہے اگر یہ صورت برقرار رہی تو کشمیر سے ہمیں ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اور کشمیر سے ہاتھ دھونے کا مطلب ہوگا کہ ہم اپنی شاہ رگ ہندوستان کے چنگل میں دیدینگے۔

پاکستان اس خودکشی کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا منہ دیکھتے رہنے کی بجائے اس معاملہ کو جلد از جلد اقوامِ متحدہ کے سپرد کر دینا چاہئے اور اس سے یہ ضمانت لینی چاہئے کہ جب تک کشمیر کا تصفیہ نہیں ہو جاتا وہاں کی آبادی کا تناسب برقرار رہیگا اور اس قسم کے قوانین ساقط العمل سمجھے جائیں گے جو اس تناسب کو بدلنے میں منتج ہو سکتے ہیں۔ اگر اس قسم کی ضمانت نہ لی گئی تو مذاکرات مفاہمت کے ساتھ ہی کشمیر ہندو بن جائیگا اور اس سے مقدمہ کشمیر کی بنیاد بدل جائیگی اور پاکستان کا استحقاق ختم ہو جائیگا۔۔۔ یہ کام جلد از جلد کرنے کا ہے۔

نہری پانی کی تقسیم

دریاؤں کے پانیوں کی تقسیم کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو تقسیم کی وجہ سے پیدا ہوئے اور جنہیں ہندوستان ایک حربے کے طور پر پاکستان کے خلاف استعمال کرتا چلا آیا ہے اگر انگریز اور ہندو کی سازش سے پنجاب کی تقسیم نہ ہوتا اور کشمیر پر ہندوستان دھاندلی سے قابض نہ ہو جاتا تو آج اس مسئلہ کی نوعیت بالکل مختلف ہوتی۔ بہرکیف چونکہ ہندوستان کے تصرف میں پانی کے سرچشمے تھے اس لئے اس نے ازراہ قساوتِ قلبی و پاکستان دشمنی جا و بے جا پانیوں کے بہاؤ میں مداخلت کی اور ہمیں ان سے محروم کر کے ہمارے سرسبز علاقوں کو صحراؤں میں تبدیل کر دینے کی طرح ڈالی۔ اس مقصد کے لئے اس نے تقسیمِ آب سے متعلق کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں ہونے دیا۔ ۱۹۴۸ء میں ہندوستان نے پہلا ابلیسی وار کیا اور دریاؤں کا پانی عین اس وقت روک دیا جبکہ فصلوں کی سیرابی کیلئے پاکستان کو اس کی اشد ضرورت تھی۔ اس کا اثر پاکستان کی معیشت پر ایسا پڑا تھا کہ غذائی قحط پڑ گیا تھا اور پاکستان کو دوسرے ممالک کا دست نگر ہونا پڑا تھا۔ اس کے بعد گو ہندوستان نے ویسا انتہائی اقدام نہیں کیا لیکن دریاؤں کا بہاؤ قدرتی نہیں رہا اور وہ اس میں ضرور دخل دیتا رہا۔ اس سلسلہ میں قابلِ ذکر کوشش اس نے پچھلے سال بھاکڑہ ننگل نہر جاری کر کے کی۔ اس نے ہرچند عالمی بنک سے وعدہ کر رکھا تھا کہ جب تک آبی تقسیم سے متعلق کوئی سمجھوتہ نہیں ہو جاتا وہ پانی کے بہاؤ میں دخل نہیں دیگا۔ اس نے پوری ڈھٹائی سے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اور اس خلاف ورزی کو جائز

قرار دیتے ہوئے دریائے ستلج کا پانی اس نہر میں منتقل کر دیا۔ یہ اقدام پاکستان کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔

اس کے ساتھ ہندوستان نے یہ کوشش بھی کی کہ عالمی بنک کی وساطت سے جو مذاکرات ۱۹۵۲ء سے جاری تھے انھیں ختم کر دیا جائے اور معاملہ یونہی معلق رہنے دیا جائے۔ اتفاق سے یہ ممکن نہ ہو سکا اور بات پھر عالمی بنک تک پہنچ گئی۔ عالمی بنک کی وساطت سے جو مذاکرات پاکستان اور ہندوستان کے مابین ہو رہے ہیں ان کی حیثیت بھی عجیب ہے۔ ہندوستان مصر ہے کہ جو برتری اسے حاصل ہے اس میں سرِمو فرق نہ آئے وہ پاکستانی دریاؤں کے پانی اپنے تصرف میں رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کم و بیش تین سال سے کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس پاکستانی نمائندے اپنے تغافل کا ثبوت دیتے رہے جس سے پاکستان کا مقدمہ پوری طرح سامنے نہیں آ سکا۔ اسکی بدولت ہندوستان کا پلڑا بھاری رہا۔ چنانچہ گذشتہ سال جب عالمی بنک نے یہ تجویز پیش کی کہ تین مشرقی دریاؤں یعنی ستلج، بیاس اور راوی کا پانی کلیتہً ہندوستان استعمال کرے اور چناب جہلم اور سندھ پاکستان کے حصے میں آئیں تو وزیر اعظم نے شکایت کی تھی کہ عالمی بنک نے نامکمل معلومات کی بنا پر فیصلہ دیا ہے گو انھوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تاہم اس کی ذمہ داری ہمارے اپنے نمائندوں پر عاید ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ صحیح اور مکمل طور پر مقدمہ پیش کرنے سے قاصر رہے۔ گو ان مذاکرات کا ابھی تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ تاہم غنیمت ہے کہ ایک عارضی سمجھوتہ طے پا گیا ہے۔ یہ سمجھوتہ یکم اپریل سے ۳۰ ستمبر تک کے عرصہ میں نافذ العمل رہے گا۔ اور اس کے خاتمے پر مکمل سمجھوتہ نہ ہو سکا تو اس میں توسیع کر دی جائے گی۔ اس سمجھوتہ کا مقصد یہ ہے کہ قطعی معاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کی ضرورت نظر انداز نہ ہو جائے۔ اور اسے فصل خریف کے لئے مناسب مقدار میں پانی میسر آ جائے۔ اس سمجھوتے کی نگرانی کے لئے پاکستان اور ہندوستان میں کمشنر (اور ضرورت ہوئی تو نائب کمشنر بھی) متعین ہوں گے۔ جو آپس میں تبادلۂ خیالات و مطالعہ احوال کرتے رہیں گے۔ اگر وہ معاہدہ پر عمل درآمد سے قاصر رہے تو معاملہ واشنگٹن میں دونوں ممالک کے سفیروں تک پہنچا دیا جائے گا۔ اور فریقین میں سے کوئی بھی اس معاملہ کو عالمی بنک تک پہنچا سکتا ہے۔ گویا سمجھوتے کا ایک اچھا پہلو یہ ہے کہ آخری تصفیہ تک پاکستان کی ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔ اور دوسرا یہ کہ اگر بالفرض اس پر عمل درآمد کسی وجہ سے نہ ہو سکا۔ تو معاملہ عالمی بنک تک پہنچایا جا سکیگا جس سے یہ توقع وابستہ کی جا سکتی ہے کہ وہ اسے سنبھالے گا اصولاً یہ طریق قابل اعتراض نہیں لیکن اس کے مفید ثابت ہونے کی واحد صورت یہی ہے کہ اگر خدانخواستہ اس پر عمل درآمد میں کوئی دقت پیش آئے۔ تو اسے بروقت حل کر لیا جائے۔ کیونکہ وقت کا سوال بڑا اہم ہے۔ پاکستان کو فصل خریف کے لئے بروقت پانی نہ ملا تو سارا سمجھوتہ بے کار ہو جائے گا۔

یہ تو خیر عارضی سمجھوتہ ہے جس کی افادیت وقتی ہے۔ اصلی سوال مستقل تصفیہ کا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کب طے ہو سکیگا اور اس کی آخری شکل کیا ہوگی؟ ہماری پوزیشن بالکل واضح ہے۔ ہمارا نہری نظام ان دریاؤں کا محتاج ہے۔ جن کے سرچشمے پاکستان سے باہر ہیں لہٰذا ان دریاؤں کا جس قدر پانی ہندوستان کے استعمال میں آئے گا۔ اس کا مضر اثر ہمارے اس نظام پر پڑے گا۔ لہٰذا ایک ضرورت تو یہ ہے کہ پانی کی مقدار اس قدر کم نہ کر دی جائے کہ یہ نظام معطل ہو جائے۔ اور دوسری یہ کہ پاکستان کو مستقل متبادل ذرائع آبپاشی مہیا کرنے میں مدد دی جائے۔ تاکہ پانی کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ یہ آسان کام نہیں۔ اور پاکستان اس کے لئے مطلوبہ سرمایہ مہیا نہیں کر سکتا۔ اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عالمی بنک نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہندوستان اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کچھ کروڑ روپے پاکستان کو دے۔ یہ تجویز درست تھی کہ سابقہ تجربے کی بنا پر ہم ہندوستان کے وعدے پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ اس قسم کے معاوضہ کی ذمہ داری عالمی بنک پر ہونی چاہیئے اور پاکستان کو زرِ نقد دینا چاہیئے کہ یہ ادائیگی بنک کی وساطت سے ہو۔ تاکہ کم از کم وقت میں اور اطمینان سے ضروری انتظامات ہو سکیں۔

ہم نے اس موقعہ پر ذرا تفصیل سے بات کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی ہے کہ پانی کا مسئلہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اس سے ذرا سی لاپرواہی اپنی زندگی سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہم حکومت پر ایک بار پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم کوئی ایسا معاہدہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ جو ہماری فوری اور مستقل ضروریات کو پورا کرنے کا ضامن نہ ہو۔ یا لفظاً خوش آئند ہو اور عملاً اسے ناکارہ بنا دیا جا سکے۔ اگر کوئی ایسا بے خردانہ معاہدہ منظور کر بھی لیا گیا تو ملک اپنے عزم نامۂ قتل پر دستخط کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوگا۔ اور اسے سرمایۂ افتخار سے ٹھکرا کر اپنی راہِ عمل خود تلاش کرے گا۔

افغانستان کی بدعہدی

افغانی حکومت نے جس شقاوت اور قساوت سے پاکستانی پرچم کی توہین کی اور پاکستانی سفارت خانوں پر حملے کر کے نقصان پہنچایا ہے۔ وہ مہذب اقوام کی صف میں اپنی مثال آپ ہے حکومتی غنڈہ گردی کی اس سے بدتر مثال شاید ہی کوئی پیش کی جا سکے لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ اس کا دوسرا رخ کچھ کم قابل نفرت نہیں۔ پاکستان نے جب بین الاقوامی قواعد کے مطابق اس کی تلافی کا مطالبہ کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد جب پہلے عربی شہزادہ مساعد بن عبدالرحمٰن اور بعد میں وہ اور مصری وزیر کرنل سادات مصالحت کے لئے ساعی ہوئے تو ان حکمرانوں نے بدعہدی کی مثال قائم کی۔ وہ کئی بار شرائط تسلیم کرنے کے بعد پھر گئے۔ چنانچہ اس وقت تک کوئی تین مرتبہ مفاہمت کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ لیکن ہر اعلان کے بعد یہ خبر آ جاتی ہے کہ کابلی فریق نے ایک نیا شوشہ کھڑا کر دیا ہے۔ ۱۹/ جون کو جب پھر اعلان ہوا تو اخباری اطلاعات سے معلوم ہوتا تھا کہ مندرجہ ذیل امور پر سمجھوتہ ہو گیا ہے۔

۱۔ پاکستانی پرچم شہزادہ مساعد لہرائیں گے۔ اور افغانی کابینہ کے وزیر اور فوج کے ایک سو سپاہی وہاں موجود ہوں گے۔

۲۔ کابل میں دیگر ممالک کے سفیر بھی موقعہ پر موجود ہونگے

۳۔ اس موقعہ پر جو اعلامیہ شائع ہوگا اس میں پشاور کا ذکر نہیں ہوگا۔

۴۔ جو پنج قومی کمیشن پشاور کے جنہ واقعہ کی تحقیقات کریگا وہ فی الفور نہیں بلکہ مناسب مدت میں کام شروع کریگا

یہ مفاہمت بین الاقوامی قواعد کے مقابلے میں بڑی نرم تھی کیونکہ پاکستان نے تصفیہ کو چکانے کے خیال سے افغانستان کو کئی رعایتیں دے دی تھیں۔ لیکن حسب عادت افغانستان اس عہد سے بھی پھر گیا۔ چنانچہ ۲۳ جون کی اطلاع ہے کہ اس کے بدعہد حکمرانوں نے ایک اور مطالبہ پیش کر دیا ہے۔ یہ مطالبہ اس سے پہلے دو بار پیش ہو کر مسترد ہو چکا تھا اور افغانستان نے اسے ختم کر دیا تھا۔ اب معاملہ کابینہ پاکستان کے زیر غور ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کابینہ کو مصالحت کرانے والے کیا مشورہ دیں گے۔ اور کابینہ کس فیصلے پر پہنچے گی لیکن ساعی مفاہمت سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو گئی ہے کہ افغانستان نے غنڈہ گردی بھی کی۔ اور اب وہ اس کی تلافی کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ ان حالات میں آزمائے ہوئے کو مزید آزمانا دانشمندی نہیں ہم سمجھتے ہیں کہ افغانستانی حکمرانوں کی مسلسل بدعہدی نے ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں چھوڑا کہ ہم اس الٹی میٹم پر عمل کریں جو مئی میں انھیں دیا گیا تھا۔ پاکستان نے افغانستان کو ۵ا مئی تک کی مہلت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر اس تاریخ تک تلافی نہ کی گئی تو اس کا معاشی بمقاطعہ کر دیا جائے گا۔ ہمیں توقع ہے کہ اب ہم اس پر عمل کریں گے تو ہمیں دنیائے اسلام کی ہمدردیاں بھی حاصل ہوں گی۔ کیونکہ سعودی عربیہ اور مصر کے نمائندوں نے تجربے سے دیکھ لیا ہے کہ افغانستان کے عزائم کیا ہیں۔

اس تصفیہ نامرضیہ میں ممالک اسلامیہ کے لئے درس عبرت ہے۔ یہ اتحاد باہمی کے فقدان کا نتیجہ ہے کہ وہ کسی ایک ملک کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ مسلمان ممالک کے معاملہ میں ہمسائیگی کا خیال رکھے اور مسلمانوں کے مجموعی مفاد کو خطرے میں نہ ڈالے۔ جب تک اس کمی کو پورا نہیں کیا جاتا۔ افغانستان کی بد دماغی اور بدعہدی کا کوئی موثر علاج ممکن نہیں ہوگا اگر سعودی عربیہ، مصر اور پاکستان یہ سبق سیکھ لیں اور اس کے مطابق باہمی تعاون سے کام کرنا شروع کر دیں، تو افغانی تصفیہ آیۂ رحمت ثابت ہو سکے گا۔

غیر ذمہ دارانہ بیان

یوں تو ہندوستان میں پاکستان سے متعلق ہی یہ آس لگائے بیٹھا ہے کہ یہ ملک تا دیر برقرار نہیں رہ سکے گا۔ لیکن مشرقی پاکستان کو خصوصیت سے اس سلسلہ کی کمزور کڑی سمجھا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس کمزور کڑی کو کمزور تر کرنے کے لئے کئی کوششیں ہو چکی ہیں۔ للہ الحمد کہ وہ ناکام و نامراد ثابت ہوئیں۔ اس ناکامی سے ہندوستان کے حیلوں میں تبدیلی آ گئی۔ اور اس کا زیادہ اعتماد اعصابی جنگ پر ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروپیگنڈہ کا کوئی موقعہ ضائع نہیں کیا جاتا۔ کچھ عرصہ سے ہندوستان میں شور مچ رہا ہے کہ مشرقی پاکستان سے ہندو بھاگ بھاگ کر آ رہے ہیں۔ اس پروپیگنڈہ کی حقیقت کیا ہے اور ہندوستان کا اس سے مقصد کیا ہے۔ اس پر طلوع اسلام

ہیں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ یہ قابل ذکر ہے کہ اتنا شور مچانے کے باوجود بڑے سے بڑا پروپیگنڈہ کرنے والا بھی مشرقی پاکستان پر یہ الزام نہ لگا سکا کہ وہاں ہندوؤں سے ناجائز و ناانصافانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان میں معاشی حالات اچھے نہیں۔ اس لئے وہاں سے ہندو ترک وطن کر کے آ رہے ہیں۔ خود پنڈت جی نے ایسے ہی خیال کا اظہار کیا تھا۔ گو یہ دلیل بالکل لچر ہے کیونکہ معاشی تنگی امر واقعہ ہو تو وہ ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے یکساں ہونی چاہیئے۔ لیکن اس سے بہر حال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہندوؤں کو یہ شکایت نہیں کہ ان سے امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ سے یہ موضوع مدھم سا ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن ہندوستان کے نئے ہائی کمشنر مسٹر ڈیسائی نے اسے ازسرِ نو تازہ کیا ہے۔ آپ نے مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کے بعد کلکتہ میں ۲۲ر جون کو جو بیان دیا ہے وہ غیر ذمہ دارانہ فلہٰذا افسوسناک ہے۔ اگر مسٹر ڈیسائی جیسے ذمہ دار حضرات بھی اس قبیل کی باتیں کر سکتے ہیں تو جنہیں فرقہ پرست ہندو کہا جاتا ہے وہ پاکستان کے خلاف جو بھی کہیں قابل فہم ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ چوٹی کے آدمی تو نہیں چاہتے کہ اقلیتیں ہندوستان جائیں لیکن نیچے کے حکام کا اس ذہنیت سے متاثر ہونا وقت طلب ہے۔ صحیح تر الفاظ میں اس کا مطلب ہے کہ صوبے کے چند چوٹی کے آدمی چھوڑ کر ساری کی ساری انتظامی مشینری اقلیتوں کے خلاف ہے۔ یہ وہ الزام ہے جس کی مسٹر ڈیسائی کے علاوہ کوئی اور ہندو جرأت نہ کر سکا۔ آپ نے اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ پاکستان میں ہندوستان کے لئے بڑے مخلصانہ جذبات ہیں لیکن ان کی ایک حد تک وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے بہت سے لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان بتدریج ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اور بین الاقوامی میدان میں شہرت اور عزت حاصل کرتا جا رہا ہے گویا

مسٹر ڈیسائی کے نزدیک پاکستان کے جذبات خیر سگالی ہندوستانی مرعوبیت بڑھتی ہوئی عزت اور عظمت سے مرعوبیت کا نتیجہ ہیں نہ کہ قلبی صداقت کا آئینہ۔ ہم اس موقعہ پر پاکستان کے جذبات کا ہندوستان کے جذبات سے تقابل کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ البتہ حکومت پاکستان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا کسی ملک کے نمائندے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہماری نیت پر اس طرح شبہ کرے؟ اس کے ساتھ ہم مسٹر ڈیسائی سے یہ گذارش کریں گے کہ اگر انھوں نے بیانات کا یہ انداز اور سلسلہ جاری رکھا تو وہ دونوں ممالک میں ایک خلیج حائل کرنے کی قابل رشک شہرت حاصل کر لیں گے، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کا مقصد یہی ہے؟

وحدت مغرب

مجلس دستورساز کے انتخابات نے شخصی اور گروہی تصادم مفادات کا جو نیا دور شروع کر دیا ہے۔ وہ اس اعتبار سے بالخصوص افسوسناک ہے کہ اس کا اثر ان امور مہم پر پڑے گا۔ جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مجلس معرض وجود میں لائی گئی۔ ان میں سے ایک اہم مسئلہ وحدت مغرب کا ہے۔ اس وحدت کی اہمیت و افادیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس وقت اس بحث کی ضرورت نہیں اس اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس تجویز پر ملک میں عمومی اتفاق پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ مغربی پاکستان کی صوبائی مجالس مقننہ نے اور صوبائی اور ملکی سیاست کے قابل ذکر افراد نے اس پر صاد کیا۔ اس عمومی اتفاق کے باوجود انتخابات کی فضا میں بعض حلقوں میں وحدت کے خلاف سرگوشیاں شروع ہو گئیں اور یہ اثر پیدا کرنے کی مذموم کوشش ہونے لگی کہ مجلس میں اس متفقہ تجویز کو پھر سے زیر بحث لایا جائے۔ تاکہ اسے ناکام بنایا جا سکے۔ یہ ذہنیت مکروہ ہی سہی۔ لیکن قابل فہم ہے کیونکہ سیاست کے وہ مہرے یقیناً وحدت کے حق میں نہیں ہو سکتے۔ جنہیں اس کی وجہ سے ہٹ جانے کا یقین ہے۔

ان حالات میں ڈاکٹر خانصاحب کی وحدت مغرب سے متعلق نشری تقریر بڑی برمحل ہے۔ اسے بجا طور پر واضعین آئین کے لئے یاد دہانی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کو بروقت یاد دلایا گیا ہے کہ جو فرائض ان کے ذمہ ہیں۔ ان میں اہم ترین فریضہ وحدت مغرب ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ صوبوں کے خاتمے کی تجویز کو ملک کے گوشے گوشے میں پسند کیا گیا ہے۔ چنانچہ انھیں اطراف و جوانب سے ہزاروں پیغامات تائید و تحسین موصول ہو چکے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ مجلس دستورساز کی ہیئت ترکیبی میں کوئی ایسا عنصر شامل نہیں جس نے وحدت کی علانیہ حمایت نہ کی ہو۔ لہٰذا مجلس سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اولین فرصت میں اس تجویز کو منظور کر دے گی۔ تاکہ انتظامی کونسل نے اس کا جو نقشہ تیار کر رکھا ہے۔ اس کے مطابق جلد از جلد کارروائی شروع ہو جائے۔

ڈاکٹر خان صاحب نے فرمایا ہے:۔

"جو لاکھوں افراد گزشتہ نصف صدی کے دوران میں جنگ آزادی لڑتے رہے۔ اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دیتے رہے۔ وہ ایک نصب العین کے حصول کے متمنی تھے۔ وہ ایسے وطن کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جس کے مالک وہ خود ہوں گے جہاں عمرانی ناانصافی نہیں ہو گی۔ جہاں تمام فرزندانِ وطن کو پورے پورے مواقع حاصل ہوں گے۔ جہاں وہ ایسی حکومت متشکل کریں گے جو ان پر حکمران نہیں ہو گی بلکہ ان کی بہبود کا ذریعہ ہو گی"۔

گذشتہ آٹھ سال میں اس خواب کی تعبیر میں کوئی قابل ذکر صورت پیدا نہیں ہو سکی۔ البتہ اب جو حالات نے پلٹا کھایا ہے اس سے امیدیں بیدار ہو گئی ہیں لیکن یہ امیدیں کہاں تک پوری ہوں گی۔ اس کا جواب مستقبل دے گا۔ ڈاکٹر خانصاحب ایسے جنگ آزادی کے سپاہی سے توقع ہے کہ وہ اس راہ میں کام آنے والوں کی روحوں کی پکار سنیں گے۔ اور اس پر لبیک کہتے ہوئے "حکومت" کو صحیح معنوں میں رفاہ عام کا ذریعہ بنائیں گے۔ اگر یہ تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ تو خارج میں وہ انقلاب برپا نہیں ہو سکیگا۔ جس کے پیدا کرنے کی توقع وحدت سے وابستہ کی جا رہی ہے۔ ایک یونٹ کا قیام مقصد نہیں حصول مقصد کا ذریعہ ہے۔

"مہذب بمباری"

۱۴ر جون کو نوآبادیاتی انڈر سکریٹری لارڈ لائڈ نے برطانوی ایوان امرا میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ

> حکومت کی رائے میں باغی قبائلیوں کی ہوائی بمباری سے تباہی اجتماعی جرمانہ ادا کرنے والوں کے لئے سزا کا سب سے زیادہ انسانی طریقہ ہے... چونکہ انھیں کافی پہلے متنبہ کر دیا جاتا ہے اس لئے جانی نقصان کا احتمال کم ہو جاتا ہے۔

یہ بمباری رائل ایئر فورس نے ۲۰ر مئی کو عدن کے ان قبائل پر کی تھی۔ جن پر الزام یہ تھا کہ وہ ممانعت کے باوجود خوراک کے کاروان حضرموت کی طرف لئے جا رہے تھے۔ اس بمباری سے بغاوت فرو نہیں ہو گئی بلکہ اس کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ چنانچہ ۱۵ر جون کو قبائلیوں نے ایک خونریز تصادم میں دو انگریز افسروں اور آٹھ کو اور ہلاک کر دیا۔ بعض اطلاعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قبائلیوں نے کوئی پانچ برطانوی سپاہیوں کو نرغہ میں لے لیا ہے یہ معلوم نہیں کہ تازہ ترین صورت حال کیا ہے کیونکہ ان علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے مواصلات کی کمی کی وجہ سے اس کی کم سے کم خبریں آتی ہیں۔

انگریز نے "مہذب بمباری" کی اصطلاح پہلی مرتبہ استعمال نہیں کی۔ اس کی تاریخ استعماریت ایسے غیر انسانی اعمال سے پٹی پڑی ہے۔ آج بیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی اگر وہ ان متروک اصطلاحوں کو استعمال کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا واسطہ ایک ایسی پسماندہ قوم سے پڑا ہے جو ذہنی اعتبار سے تاریخ کے اس دور میں بس رہی ہے جس میں یہ اصطلاحیں مروج تھیں۔ لیکن آج اس کے باب کا آخری ورق بھی الٹا جا چکا ہے کیا یہ انتہائی حیرت اور افسوس کا مقام نہیں کہ اس دور میں بھی یہی انسانیت سوز حرکتوں کا تختۂ مشق مسلمان ہیں! اور ایسا ہو کیوں نہ ممالک اسلامیہ میں ایسی نفسا نفسی مچی ہے کہ نہ ان میں ایک دوسرے کے مصائب کا کما حقہ احساس ہے نہ وہ مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ جب تک عدم توجہی کا یہ عالم ہے صلاح احوال کی توقع عبث ہے۔

ذاتی ملکیت

کا اصول

ملّا کے نزدیک بڑا مقدس ہے

لیکن

اس بارے میں قرآن کا حکم کیا ہے؟

اس کی تفصیل

"نظام ربوبیت"

میں دیکھئے

تاریخی شواہد

(۲۱)

مذکرۂ صدر نصائح پر ایک مرتبہ پھر غور کیجئے اور دیکھئے کہ ان چند ٹکڑوں میں تطہیر فکر و نظر، منصب حکومت اور اصلاح معاشرت کے مختلف گوشوں کو کس طرح جامع طور پر یکجا کر دیا گیا ہے! جناب لقمان کا ذکر چونکہ سلسلہ انبیائے عظامؑ میں نہیں کیا گیا۔ اس لئے ہم انہیں رسول قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن اس تعلیم کے متعلق واضح ہے کہ شمع نبوت سے اکتساب ضیاء کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہودؑ کی تعلیم اس وقت تک ہنوز اپنی اصلی شکل میں موجود تھی۔ اور جب اس تعلیم کو قرآن کریم کی بھی سند مل جائے۔ تو اس کی صحت و عظمت میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

یہ ہیں وہ لقمان جو جامع حکمت و دانائی اور دانش و بینش میں زبان زد خلائق ہیں۔ جب کسی کے پاس آسمانی قندیل ہو تو اس کے نور بصیرت کی کرنیں کیوں نہ دنیا بھر میں پھیل جائیں؟

گرچہ خوردیم نسبت ایست بزرگ   ذرۂ آفتاب تابانیم

قوم عاد کے سلسلہ میں قرآن کریم نے ایک مرد دانشمند و نیک سیرت (لقمان) کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت ہودؑ کی شریعت کے متبع تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے جو نصیحتیں کی ہیں چونکہ وہ ابدی حقائق پر مبنی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے انھیں اپنے آغوش حفاظت میں جگہ دے کر بقائے دوام عطا کر دی ہے۔ لقمان (حکیم) کی تاریخی حیثیت ابھی تک تیقن کے ساتھ متعین نہیں ہوگی (آنے والے زمانہ کے انکشافات اس فریضہ کو بھی ادا کر دیں گے) ہم نے ان کا جو زمانہ متعین کیا ہے۔ وہ قیاسی ہے۔ اور بعض ایسی روایات پر مبنی ؛ جو دوسری روایات سے زیادہ قابل اعتماد معلوم ہوتی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت ایوب کے بھانجے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور ایک ہزار سال تک زندہ رہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ایک حبشی غلام تھے۔ مستشرقین بھی اس باب میں کوئی متیقن رائے نہیں رکھتے۔ سیل کا خیال ہے کہ یہ یونانی ایساپ (AESOP) سے الگ کوئی اور شخصیت نہیں (DR. SPRANGER) کا خیال ہے کہ یہ ایونسکے الکسائی (ELXAI) ہی کا دوسرا نام ہے۔ (HITTI) اپنی تاریخ عرب میں اسی خیال کا حامل نظر آتا ہے۔ توراۃ کی کتاب الامثال میں یاقہ کے بیٹے اجور (امثال ۳۰/۱) اور لموایل بادشاہ (امثال ۳۱/۱) کی حکمت کی باتیں، عرب کے لقمان کی نصائح سے ملتی جلتی ہیں۔ اس قیاس کے مطابق جناب لقمان کو بنی اسمٰعیل میں سے ہونا چاہیئے۔ غرضیکہ کثرت تعبیر سے یہ خواب ابھی تک پریشان ہے۔ اور جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کا حل آنیوالے زمانہ کے انکشافات کا منتظر، قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں۔ اس لئے اس نے لقمان کی تذکیر و موعظت سے بحث کی ہے حسب و نسب اور مقام و زمان سے نہیں۔ اور یہیں تک ہمیں بھی اپنے آپ کو محدود رکھنا چاہیئے۔

قوم نوحؑ کی بربادی کے بعد، بنی سام کی پہلی ترقی قوم عاد سے ہوئی جن کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا۔ اس قوم کو قوت و حشمت اور دولت و ثروت کی فراوانی عطا ہوئی تھی۔ انہی کو عاد ارم یا ذات العماد بھی کہتے ہیں۔ یہ پہاڑوں کے اوپر بڑے بڑے شیش قلعے اور اونچے اونچے نشانات تعمیر کرتے تھے دولت و حشمت کے ساتھ انھیں دانش و بینش بھی عطا ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں ضابطۂ خداوندی کے تابع نہ تھیں۔ اس لئے ان کے نتائج امن و اصلاح کے بجائے ظلم و فساد کی صورت میں سامنے آتے تھے۔ ان کے نظام زندگی کو صحیح خطوط پر متشکل کرنے کے لئے ان کی طرف حضرت ہودؑ مبعوث ہوئے۔ انھوں نے آکر وہی انقلاب انگیز دعوت پیش کی، جو وحی آسمانی کا مقصد اولیں ہوتا ہے یعنی سرکش و متکبر طاغوتی نمائندوں کے ہاتھوں سے قوت و اقتدار، اور رزق کے سرچشمے چھین کر تمام انسانوں کو خدا کے نظام ربوبیت کے تابع لے آنا۔ ظاہر ہے کہ اس سے ایک طرف سرداران قوم کے غلبہ و استیلا پر زد پڑتی تھی۔ اور دوسری طرف دنیائے مذہب کے ارباب من دون اللہ کی تقدس و عقیدت کی مسندیں چھنتی تھیں۔ اس لئے ان دونوں کی طرف سے مخالفت یقینی تھی۔ ارباب حکومت نے تمسخر و استہزاء، اور ترہیب و تخویف سے کام لیا۔ اور مذہب کے خود ساختہ علم برداروں نے یہ کہہ کر عوام کو مشتعل کیا کہ دیکھو! یہ نئی تعلیم تمہارے آباؤ اجداد کے مسلک کے یکسر خلاف ہے۔ اور اس داعیِ انقلاب کا مقصد یہ ہے کہ تمھیں تمہارے اسلاف کی روش سے بیگانہ بنا دے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے یہ لوگ علم و عقل بھی رکھتے تھے لیکن جب علم و عقل جذبات کے تابع ہو جائیں تو نہ وہ علم رہتا ہے اور نہ وہ عقل و عقل۔ بلکہ اس وقت ان دونوں کا فریضہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ جذباتی مقاصد کے بروئے کار لانے کے ذرائع بن جائیں۔ چنانچہ یہی اس قوم کے ساتھ ہوا۔ انھوں نے عقل و ہوش سے سوچا ہی نہیں کہ ہمیں ہلاکت و بربادی کے کیسے عمیق و مہیب جہنم سے بچا کر امن و عافیت کی جنت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ انھوں نے مخالفت کی اور جی بھر کر مخالفت کی۔ حضرت ہودؑ نے امکان بھر کوشش کی کہ وہ اپنے نظام حیات کو نظام خداوندی کی صحیح خطوط پر لے آئیں۔ لیکن چونکہ اس سے ان کی ہوس خون آشامی کی تسکین نہیں ہو سکتی تھی اس لئے انھوں نے اس دعوت کی طرف کان ہی نہ دھرا۔ چنانچہ ان کے جرائم سنگین سے سنگین تر ہوتے گئے۔ اور جب قانون مکافات نے اندازہ کر لیا کہ ان کا ناسور لاعلاج ہو چکا ہے اور اس کا زہر جسد انسانیت کے صالح حصہ کے لئے ہلاکت آفریں بنتا جا رہا ہے۔ تو اس اٹل قانون کے مطابق یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اس زہر آلود حصہ کو کاٹ کر الگ پھینک دینا ہی ضروری ہے۔ چنانچہ ان پر تباہی کا عذاب آیا۔ اور آندھی کے ایک قیامت خیز طوفان نے ان کی بستیوں کو مدفن بنا دیا۔ اور اس کے بعد دنیا میں صرف ان کے افسانے باقی رہ گئے۔

اُمم سامیہ میں سے جن قبائل نے اندرون عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ (بلکہ قوم) ثمود کا تھا۔ ان کی ترقی کا زمانہ عاد اولیٰ کے بعد کا ہے۔ یہ قوم عرب کے شمال مغربی حصہ پر حکمران تھی۔ جسے وادیِ قریٰ کہتے تھے حجران کا دارالحکومت تھا۔ جو اس قدیم راستہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔ وادی قریٰ کے گرد و پیش کا میدان بظاہر سبز و شاداب ہے۔ لیکن آتش فشاں مادے سے لبریز۔ قرآن کریم نے اس قوم کو عاد کا جانشین بتایا ہے۔

وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ
فِى ٱلْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ
ٱلْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَٱذْكُرُوٓا ءَالَآءَ ٱللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى ٱلْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ ۝ (۷/۷۴)

اور وہ وقت یاد کرو جب کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا، اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو۔ پس اللہ کی قدرتوں کو یاد کرو اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ۔

حضرت موسیٰ کے زمانہ سے پیشتر ان کی تباہی ہو چکی تھی۔ کیونکہ دربار فرعون کا مرد مومن اپنی قوم سے کہتا ہے کہ:

وَقَالَ ٱلَّذِىٓ ءَامَنَ يَٰقَوْمِ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ ٱلْأَحْزَابِ ۝
مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَٱلَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِمْ ۚ
وَمَا ٱللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيَٰقَوْمِ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ
يَوْمَ ٱلتَّنَادِ ۝ (۴۰/۳۰-۳۲)

اور دربار فرعون کے) مرد مومن نے کہا کہ اے میری قوم (کے لوگو)! اگر تم اپنے اس انکار اور بدعملی سے باز نہ آئے تو) مجھے تمہارے متعلق (بھی) اور دوسری قوموں جیسے روز بد کا اندیشہ ہے (مثلاً) جیسے قوم نوح، اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کی قوموں (مثلاً قوم لوط وغیرہ) کا حال ہوا ہے (کہ وہ تباہ کر دی گئیں اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان ہی مٹا دیا گیا۔ یہ سب کچھ ان کی ہی کی بداعمالیوں کے نتائج تھے۔ ورنہ) خدا تو (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کرتا۔ اے میری قوم! میں تمہارے متعلق چیخ پکار کے دن (یوم مجازات عمل) سے ڈرتا ہوں۔

عورت اور قرآن

(۱۸)

انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بھدی العمی عن ضللتھم ان تسمع الا من یؤمن بایتنا فھم مسلمون (نمل ۶)

یہ قرآن تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ تم اندھوں کو ان کے گمراہی کے راستے دکھلانے والے ہو تم تو صرف ان ہی کو سنا سکتے ہو، جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ ملتے بھی ہیں۔

فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (حج ۶)

بات یہ ہے کہ آنکھیں تو واقعی اندھی ہو نہیں جاتیں۔ بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں وہی اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

تلک ایت الکتب وقرآن مبین (حجر ۱)

یہ آیتیں ہیں ایک کامل کتاب اور قرآن مبین کی۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین ۰ یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلم ویخرجھم من الظلمت الی النور (مائدہ ۳)

بلاشبہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے۔ اور کتاب مبین کہ اس کے ذریعے سے اللہ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں، سلامتی کی راہیں دکھلاتا ہے۔ اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون (حجر ۱)

بیشک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار بھی ہیں۔

باب اوّل

مسائل نسواں

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں
(اقبال)

(الف) نکاح و مہر

ومن ایتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ۰ ومن ایتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون (روم ۳)

اللہ تعالیٰ کی بیشمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تھوڑے ہی دنوں[1] کے بعد تم آدمی بن کر پھیلنے لگے۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں۔ تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے۔ اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں فکر کرنے والوں کے لئے سبق ہے۔

(۱) ولا تنکحوا المشرکت حتی یؤمن ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنۃ والمغفرۃ باذنہ ویبین ایتہ للناس لعلھم یتذکرون (بقرہ ۲۷)

مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں نکاح نہ کرو۔ ایک مشرک عورت سے خواہ تمہیں کتنی ہی پسند آئے مومن عورت کہیں بہتر ہے۔ چاہے وہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اسی طرح مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں مومن عورتیں ان کے نکاح میں نہ دی جائیں۔ چاہے وہ کتنے ہی بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ یقیناً خدا کا ایک مومن بندہ ایک مشرک مرد سے کہیں بہتر ہے۔ چاہے غلام ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مشرکین تمہیں دین حق سے برگشتہ النار کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمہیں جنت و مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ اور اللہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنی آیتیں واضح بیان کرتا ہے۔ تاکہ لوگ متنبہ ہوں اور نصیحت پکڑیں۔

(۲) الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المؤمنین (نور ۱)

زانی، نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اسی طرح زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔ اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

یایھا الذین امنوا اذا جاءکم المؤمنت مھجرت فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مؤمنت فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن واتوھم ما انفقوا ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن اجورھن ولا تمسکوا بعصم الکوافر واسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا ذلکم حکم اللہ یحکم بینکم واللہ علیم حکیم ۰ وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون (ممتحنہ ۲)

اے مسلمانو! ہجرت کر کے جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس آویں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو۔ ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے پھر اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو۔ نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ اور کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ تم ان کے مہر ان کو دیدو۔ اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا ہو وہ مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ بھی مانگ لیں یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور بڑا علیم و حکیم ہے۔ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آئے پھر تمہاری نوبت آئے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا۔ ان کے برابر تم ان کو دیدو۔ اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ ڈرتے رہو۔

---

[1] یوم کا لفظ عربی زبان میں صرف "دن" کیلئے نہیں آتا بلکہ عہد، زمانہ (PERIOD) کے لئے بھی آتا ہے لہٰذا یہاں اس آیت میں تھوڑے دن سے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ اور ہمیں اس کو اپنے یہاں کے دن اور سال کے حساب سے دیکھنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا "تھوڑے دن" ہمارے یہاں کا سا "تھوڑے دن" نہیں۔ قیامت کے ذکر میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (حج ۶) اور تمہارے پروردگار کا ایک دن تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ ایسا ہی سورۂ سجدہ کے پہلے رکوع میں کہا گیا ہے اور روز قیامت "اتنا بڑا ہوگا جو تمہارے حساب سے پچاس ہزار برس ہوگا۔ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (معارج ۱) ایسے عرصہ میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔" اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قیامت کو "کل" کہہ کے یاد کیا ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد (حشر ۳) اے مسلمانو! خدا سے ڈرو اور ہر فرد دل میں سوچ کر کل کے لئے تم نے کیا بھیجا ہے۔ [2] مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کی عورت نہ آ سکی۔ وہیں رہ گئی اور کافر اس عورت کے مسلمان شوہر کا خرچ کیا ہوا مال بھی نہیں بھرتے تو نہ دو۔ اگر کوئی کافر عورت تمہارے ہاتھ لگے تو اس کافر شوہر تمہیں بھی اس عورت پر کیا ہوا خرچ۔ اس عورت کے کافر شوہر کو واپس کرنا پڑے گا۔ تو ایسے موقع پر وہ مال جو تم کو دینا ہے منصوبہ کافر عورت کے شوہر کو نہ دو بلکہ اسی مسلمان کو دیدو۔

تورات

محترم بشیر احمد سوی جالندھری مقیم راولپنڈی

تورات کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ خیال قرآن کریم سے صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تورات حضرت موسیٰؑ پر نازل کی گئی تھی۔ قرآن مجید میں چند آسمانی کتابوں کے نام موجود ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کتابیں کن پر نازل ہوئیں۔ قرآن مجید کے متعلق آیا ہے۔ انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا (۷۶/۲۳) "اے محمد تحقیق ہم نے تم پر قرآن نازل فرمایا۔" انجیل کے متعلق ہے۔ وقفینا بعیسی بن مریم واتینٰہ الانجیل (۵۷/۲۷) "اور ہم نے ان رسولوں کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور اسے انجیل دی۔" زبور کے متعلق ہے۔ واٰتینا داؤد زبورا (۴/۱۶۳) "اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔" قرآن مجید حضرت موسیٰؑ پر جس کتاب کے نزول کا ذکر کرتا ہے۔ اس نے اسکو تورات کے نام سے کہیں یاد نہیں کیا۔ بلکہ اسکو کہیں الکتاب کہا، کہیں الفرقان کا نام دیا کہیں الضیاء، الذکر اور کہیں صحیفۂ موسیٰ اور کتاب موسیٰ کے نام سے موسوم کیا۔ مثلاً

(۱) لقد اٰتینا موسی الکتاب والفرقان لعلکم تھتدون (۲/۵۳)

(۲) لقد اٰتینا موسی الکتاب وقفینا من بعدہ بالرسل (۲/۸۷)

(۳) ولقد اٰتینا موسی وہارون الفرقان وضیاء وذکرا للمتقین (۲۱/۴۸)

(۴) انّ ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم وموسیٰ (۸۷/۱۸-۱۹)

(۵) ام لم ینبّأ بما فی صحف موسیٰ وابراھیم الذی وفّیٰ (۵۳/۳۶-۳۷)

(۶) ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ (۴۶/۱۲ و ۱۱/۱۷) وغیرھا

قرآن مجید جس کثرت سے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کرتا ہے اور ان کے حالات بیان کرتا ہے اس کے پیش نظر ان کی کتاب کے نام کے متعلق یہ خاموشی حیرت میں ڈالتی ہے۔ اس حیرانی کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمیں روایتہً ایک نام اس کتاب کا پہنچا جسے بلا تحقیق ہم نے رواج دیدیا۔ اب تحقیق کرنے پر حقیقت اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جو نام اس کتاب کے لئے آئے ہیں یعنی الکتاب، الفرقان، الضیاء، الذکر وغیرہ۔ ان سے کوئی خاص آسمانی کتاب مراد نہیں یہ نام قرآن مجید میں ہر آسمانی کتاب کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ تاہم آیات محولہ بالا کی روشنی میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب کو صحیفۂ موسیٰؑ یا کتاب موسیٰؑ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

تورات کے صحیفۂ آسمانی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ قرآن مجید میں جابجا تورات کو ہدایت، نور، رحمت وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً۔ انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی ونور (۵/۴۴)۔ "ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت اور نور تھا" — چونکہ تورات کو حضرت موسیٰؑ سے متعلق نہیں کہا گیا اس لئے سوال یہ ہے کہ تورات کس پر نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ تورات بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- (۱) وعندھم التورٰۃ فیھا حکم اللہ (۵/۴۳) "ان (بنی اسرائیل) کے پاس تورات ہے جہاں اللہ کا حکم موجود ہے"۔

(۲) قل یا اھل الکتاب لستم علیٰ شیء حتی تقیموا التورٰۃ والانجیل (۵/۶۸)۔ "تو کہدے کہ اے اہل کتاب تم کچھ بھی راہ پر نہیں جب تک تم تورات و انجیل پر قائم نہ ہو جاؤ"۔

(۳) مثل الذین حملوا التورٰۃ الخ (۶۲/۵) اور لو انھم اقاموا التورٰۃ والانجیل (۵/۶۶) میں بنی اسرائیل کا ہی ذکر ہے۔ بنی اسرائیل ایک قوم ہے جس کے جدّ اعلیٰ حضرت اسرائیل (یعقوب) تھے۔ حضرت اسرائیل کا زمانہ قریباً ۲۲۰۰ سال قبل مسیح ہے اور بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ تھے (۶۱/۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تورات جو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تھی ایک ایسی کتاب ہے جو ۲۲۰۰ سال کی طویل مدت تک بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کرتی رہی۔ اس عرصہ میں بیشمار انبیاء بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ان میں سے ایک حضرت موسیٰؑ بھی تھے ان سے پہلے بھی نبی آئے اور ان کے بعد بھی:-

ولقد اٰتینا موسی الکتاب وقفّینا من بعدہ بالرسل واٰتینا عیسی ابن مریم البیّنٰت (۲/۸۷) "ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور عیسیٰ مریم کے بیٹے کو کھلے نشان دیئے۔"

انبیاء کے اس سلسلہ کے بعض کے نام قرآن مجید نے ہمیں بتا دیئے ہیں۔ یعنی حضرت یعقوبؑ اور یوسفؑ جو حضرت موسیٰؑ سے پہلے گذرے اور ہارونؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یونسؑ، الیاسؑ، الیسعؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسیٰؑ جو (سوائے حضرت ہارونؑ کے جو حضرت موسیٰؑ کے ہمعصر تھے) حضرت موسیٰؑ کے بعد تشریف لائے۔ اولاد ابراہیمؑ پر ہدایت و سعادت کے فیضان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۂ انعام میں فرماتا ہے۔

ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب کلا ھدینا ونوحا ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذلک نجزی المحسنین ۔ وزکریا ویحیی وعیسیٰ والیاس کل من الصالحین ۔ واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا وکلا فضلنا علی العالمین ۔ اولٰئک الذین اٰتینٰھم الکتاب والحکم والنبوۃ اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا ان ھو الا ذکری للعٰلمین ۔ (۶/۸۴-۹۰)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب دیا۔ ہم نے ان سب کو راہ راست دکھائی اور ابراہیم سے پہلے نوح کو دکھا چکے ہیں اور ابراہیم کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون کو بھی (یہی) راہ دکھائی۔ ہم اسی طرح نیک کرداروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس کو (کہ یہ سب صالح انسانوں میں تھے۔ اور نیز اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط کو۔ ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی .... یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے راہ حق دکھائی۔ پس انہیں کی راہ کی تم بھی پیروی کرو۔ تم کہدو میں اس رہنمائی پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام دنیا کے لئے (اسکی فراموش کردہ تعلیم کی) یاد دہانی ہے۔

ان آیات میں رشد و ہدایت کی اہم حقیقت کو واضح کردیا گیا ہے وہ یہ کہ ان انبیاء میں سے ہر ایک کو جو حضرت موسیٰؑ سے پہلے اور بعد میں آئے کتاب دی گئی تھی۔ یعنی ان میں سے ہر ایک معروف اصطلاح کے مطابق ایک صاحب کتاب نبی تھا۔ یہاں صاف الفاظ میں حضرت موسیٰؑ کے بعد آنیوالے دس نبیوں کا ذکر فرمایا کہ وہ صاحب کتاب نبی تھے۔ اس آیت میں الکتاب بصیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے۔ مگر اس سے مراد کتب (بصیغہ جمع) ہے۔ قرآن میں الکتاب کے اس طریق استعمال کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ مثلاً وما کان ھذا القرآن ان یفتری ... وتفصیل الکتاب (۱۰/۳۷) سے مراد قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتب سابقہ ہے۔ اسی طرح وتؤمنون بالکتب کلہ (۳/۱۱۹) ای بالکتب المنزلۃ فوضع ذالک موضع الجمع اما لکونہ جنسا ... او لکونہ فی الاصل مصدرا (امام راغب) یعنی کتاب سے مراد کتب سماوی سابقہ صیغۂ واحد در جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے بوجہ اسم جنس ہونے کے یا بوجہ مصدر الاصل ہونے کے — لہٰذا آیات محولہ بالا میں جن دس انبیاء کا (علاوہ حضرت موسیٰؑ کے) ذکر آیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک صاحب کتاب نبی تھا اور ہم کو بتحقیق معلوم ہے کہ ان دس کتابوں میں دو کتابیں زبور اور انجیل شامل ہیں۔ اور جہاں دو کتابیں ہوسکتی ہیں وہاں دو سے زیادہ کا بھی امکان ہے۔ مگر جب ہم سورہ بقرہ کی آیت ذیل پڑھتے ہیں تو اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (۲/۱۳۶) "تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف نازل ہوا۔ اور اس پر جو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب اور اسکی اولاد پر نازل ہوا۔ اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو ملا تھا اور اس پر بھی جو تمام (دوسرے) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا تھا۔ ہم ان کے درمیان کسی میں بھی فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اسی (اللہ) کے مطیع ہیں۔

یہی آیت انہیں الفاظ کے ساتھ سورہ آل عمران میں بھی آئی ہے (۳/۸۴) ان میں ما انزل

اور مآ اُوتِیَ (کتابوں) پر ایمان لانے کی تاکید ہے۔ اس صفت میں تمام انبیاء یکساں تھے۔ رسالت اور صاحبِ کتاب ہونے میں ان میں کوئی فرق نہ تھا۔ ایسا فرق کرنا ان کی نبوت و رسالت کا انکار ہے۔

انبیاء بنی اسرائیل پر ہی موقوف نہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام بلا امتیاز رنگ و نسل ایک ہی برادری کے افراد تھے (۲۳/۵۲) اور ایک ہی چشمۂ فیض سے سیراب تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیغامِ ہدایت اور ضابطۂ حیات کو بذریعہ وحی پاکر انسانوں کو پہنچاتے تھے۔ یہی وحی ان کی کتاب تھی۔ جسے ما انزل، یا ما اوتی کہا گیا ہے۔ ہر نبی کی نبوت اور اسکی کتاب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس عمومیت میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔

انبیاء میں فضیلت ایک کو دوسرے پر ان اتفاقات و حالات کے اعتبار سے ہے جن سے ان کو قوموں کی اصلاح اور رہنمائی کے فرائض کی ادائیگی میں دوچار ہونا پڑتا۔ نبوت اور لوازمِ نبوت کے لحاظ سے سب یکساں لیکن چند خارجی حالات اور اتفاقات کے لحاظ سے مختلف مدارج پر (۲/۲۵۳) یہاں مزید وضاحت کے لئے چند قرآنی آیات کو نقل کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) تنہا عقلِ انسانی ہدایت کے لئے کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قانونِ ہدایت دینے کا ذمہ خود لیا ہے اور فرمایا ان علینا للھدیٰ (۹۲/۱۲) چنانچہ انسانی حیاتِ اجتماعیہ کے آغاز میں ہی فرما دیا کہ قلنا اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۲/۳۸)

(۲) یہ ہدایت انبیاء اور رسولوں کی وساطت سے ملی۔ فرمایا۔ یٰبنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیٰتی فمن اتقیٰ و اصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۷/۳۵)

(۳) اس ہدایت کو بندوں تک پہنچانے کے لئے مشیتِ خداوندی انسانوں میں سے خاص برگزیدہ ذات کا انتخاب کرتی رہی جس کو نبی یا رسول کہتے ہیں اس انتخاب میں اس ذات کے کسب و ہنر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یعنی نبوت یا رسالت وہبی چیز ہے نہ کہ اکتسابی اور نہ ہی وہ کسی دوسرے شخص کے اتباع سے ملتی ہے فرمایا۔ اللہ یصطفی من الملٰئکۃ رسلا ومن الناس ان اللہ سمیع بصیر (۲۲/۷۵)

(۴) اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو انسانوں کی ہدایت کے لئے قوانین وحی کے ذریعے عطا کئے یہ وہ وحی ہے جو انبیاء و رسل کے ساتھ مخصوص ہے۔ فرمایا۔ وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عٰبدین (۲۱/۷۳)

(۵) تمام انبیاء و رسل کی وحی ایک ہی قسم کی تھی۔ ہم پایہ اور ہم مرتبہ۔ کسی نبی کی وحی میں دوسرے کی وحی سے سر مو فرق نہ تھا۔ فرمایا۔ انآ اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ و اوحینا الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط و عیسیٰ و ایوب و یونس و ھارون و سلیمٰن واٰتینا داؤد زبورا ورسلا قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (۴/۱۶۳-۱۶۴)

(۶) انبیاء کی وحی ہی قانونِ ہدایت اور کتابِ دین ہے۔ اسی کا نام تنزیل۔ ما اوتی۔ ما انزل ہے۔ تمام انبیاء کو بذریعہ وحی انسانی ضرورت کے مطابق کتابیں دی گئیں۔ کوئی نبی بغیر کتاب کے نہیں آیا۔ فرمایا۔ وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان (۴۲/۵۲) وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ...... بالبینٰت والزبر وانزلنا الیک الذکر (۱۶/۴۳-۴۴): کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتٰب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ (۲/۲۱۳)۔ اس آیت (۲/۲۱۳) میں معھم کا لفظ قابلِ غور ہے۔ یعنی ان سب انبیاء و رسل کے ساتھ کتاب۔ کوئی رسول اور کوئی نبی بغیر کتاب کے نہیں آیا۔ لہٰذا نبی یا رسول کا بلا کتاب کا تصور یکسر غیر قرآنی ہے۔ تشریعی اور غیر تشریعی کی تفریق بھی غیر قرآنی ہے۔ اور وحی کی علیت سے بیگانگی۔

(۷) نبی اور رسول دونوں صاحبِ کتاب ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ کہ نبی بلا کتاب آتے ہیں غیر قرآنی ہے۔ آیت محولا بالا (۲/۲۱۳) میں النبیین کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دوسری آیت میں لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب (۵۷/۲۵) میں رسول کا لفظ آیا ہے۔ نبی اور رسول قرآنی اصطلاحات ہیں اللہ تعالیٰ سے وحی پانے والے انسانوں پر جب ان کا اطلاق ہوتا ہے تو نبی اور رسول ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ وہ وحی پانے والا بشر ایک لحاظ سے نبی ہے (کہ اللہ سے وحی پاتا ہے) اور دوسرے لحاظ سے رسول ہوتا ہے (کیونکہ وہ اس وحی کو انسانوں تک پہنچاتا اور نافذ کرتا ہے۔)

(۸) چونکہ خصائص و لوازماتِ نبوت و رسالت میں تمام انبیاء اور رسول برابر ہیں لہٰذا ان پر ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ ہر نبی اور رسول کو صاحبِ کتاب تسلیم کیا جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کو صاحبِ کتاب، اور کسی کو بلا کتاب مانا جائے۔ قرآن مجید نے تمام انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا ایک مومن کی صفتِ ایمان کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ فرمایا۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون۔ کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ۔ لا نفرق بین احد من رسلہ (۲/۲۸۵) جس طرح ہر نبی کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی طرح اسکی کتاب پر بھی ایمان فرض ہے کسی قسم کی تفریق ایمان میں خلل ڈال دے گی۔

(۹) ہر نبی خود بھی اپنی وحی (کتاب) کی اطاعت اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اتبع ما اوحی الیک (۱۰/۱۰۹) اور بحیثیت رسول اپنے متبعین سے بھی اسی کتاب پر عمل کراتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس نبی پر منزلہ کتاب کو پڑھتے پڑھاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں فرمایا۔ ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولٰکن کونوا ربٰنیین بما کنتم تعلمون الکتٰب وبما کنتم تدرسون (۳/۷۹)

اس اصل الاصول کی تشریح کے بعد کہ ہر نبی صاحبِ کتاب ہوتا ہے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ بنی اسرائیل کا ہر ایک نبی صاحبِ کتاب تھا۔ چونکہ حضرت موسیٰ کے بعد پے در پے انبیاء آئے (ولقد اٰتینا موسی الکتٰب وقفینا من بعدہ بالرسل ۲/۸۷)۔ اسلئے بنی اسرائیل کیلئے پے در پے کتابیں نازل ہوئیں۔ اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا۔ ان انبیاء کا زمانہ ایک طویل زمانہ ہے حضرت موسیٰ کے زمانہ سے حضرت عیسیٰ تک تقریباً ۱۳۰۰ سال کی طویل مدت میں بنی اسرائیل کو کئی دور سے گذرنا پڑا جہاں ہر قدم پر آسمانی ہدایت کی ضرورت تھی۔ دشت کی آوارگی قوانین کی نافرمانی۔ فساد فی الارض۔ قید و جلاء۔ یروشلم کی تباہی ان کے نامۂ اعمال کے سیاہ داغ ہیں۔ حضرت موسیٰ کو جو کتاب ملی تھی وہ اس دراز مدت کے پُر آشوب حالات میں کیا رہنمائی کر سکتی تھی۔ قرآن مجید کا رخ اس طرف ہے کہ حضرت موسیٰ کو جو احکام ملے تھے وہ مختصر تھے وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیء موعظۃ وتفصیلا لکل شیء (۷/۱۴۵)

(ہم نے اس کے لئے تختیوں پر ہر شے کی نصیحت اور ہر شے کا مفصل بیان) ان چند تختیوں کو جن پر احکام کندہ تھے حضرت موسیٰ آسانی سے اٹھا سکتے تھے (ولما رجع موسیٰ الی قومہ ... القی الالواح (۷/۱۵۰)) ان میں چند اوامر و نواہی ہوں گے جو مصری رائج الوقت خط ہیروغلافی میں جس کو حضرت موسیٰ جانتے تھے لکھے گئے ہوں گے۔ ایسی قوم کو جو مصریوں کی غلامی سے ابھی ابھی نکلی تھی جس کی پہلی تربیت گاہ دشتِ تیہ کی سرگردانی تھی (۵/۲۶) اور جس نے حضرت موسیٰ کے بعد بھی چند پشتیں جزیرہ نمائے سینا میں بدوی طریقے سے بسر کرنی تھیں۔ تمدن و حضارت کے کتنے احکام کی ضرورت تھی؟ اس ابتدائی دور کے بعد قوم جنگ و جدل کے آتشین امتحان سے گذر کر ملک شام کی سرسبز و شاداب سرزمین کی وارث بنی اور منازلِ حیات طے کرنے لگی۔ ان بدلتے حالات میں اسکو سماوی رشد و ہدایت کی ضرورت تھی جو حضرت موسیٰ کے بعد آنے والے انبیاء کے ذریعہ ملتی رہی۔ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں۔ وہ تمام انبیاء کے نام اور ان کے احوال بیان نہیں کرتا (۴/۱۶۴) پھر بھی اس میں حضرت موسیٰ کے بعد آنے والے انبیاء کے متعلق اشارات ملتے ہیں جن کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو ان کے طویل سفرِ حیات میں اوامر و نواہی۔ ان میں رد و بدل تنذیر و تبشیر اور پیش گوئیوں کے ذریعے آنے والے واقعات کی خبریں ملیں۔

بنی اسرائیل کے انبیاء ایک مخصوص قوم اور ایک خاص خطۂ زمین سے تعلق رکھتے تھے۔ قومیں اپنے آباؤ اجداد کے باقیات صالحات کو تبرک سمجھ کر انکی مقدور بھر حفاظت کرتی ہیں۔ یہی صورت اس قوم کی تھی۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبیوں کی تعلیم اور ان کے صحیفوں کو گراں بہا قومی وراثت سمجھا اور ان کتب کو ایک مجموعہ کی صورت دیتے رہے۔ اس مجموعۂ کتب کا نام تورات ہوا۔

موجودہ تورات جسے عیسائی عہد نامہ عتیق کہتے ہیں اور یہودی تورات کے نام سے یاد کرتے ہیں صرف صحفِ موسیٰ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ان تمام کتب کا مجموعہ ہے جو حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک کل انبیاء کو ملیں۔ موجودہ تورات میں ۳۹ چھوٹے چھوٹے صحیفے ہیں ہر ایک صحیفہ اس نبی کے نام سے موسوم ہے جس پر وہ نازل ہوا۔ ممکن ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں

کی تعداد (جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے) اس تعداد سے زیادہ ہو اور ان حوادث کی نذر ہو چکے ہوں جن سے بنی اسرائیل کو سابقہ پڑا لیکن جس حقیقت کی چہرہ کشائی موجودہ تورات سے ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر کتابیں نازل ہوئیں اور وہ کتابیں تورات کا جزو بنتی گئیں ہم کو اس سے بحث نہیں کہ تورات کی مشمولہ کتب اصلی ہیں یا وضعی۔ نہ ہمیں اس سے بحث ہے کہ تورات میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یا کیا الحاقات و تحریفات ان میں در آئیں۔ ہم جس حقیقت کو پیش کرنا چاہتے ہیں وہ موجودہ تورات کی ہیئت کذائی ہے جس سے قرآن کے اس دعوی کی تصدیق ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے ہر ایک نبی کو کتاب عطا ہوئی۔ ایک طرف تاریخی حقیقت ہے دوسری طرف قرآنی شہادت۔

یہودیوں کے ہاں تورات کا اطلاق ان تمام مقدس صحیفوں پر ہوتا ہے جو ان کے انبیاء سے متعلق ہیں۔ ان میں زبور بھی شامل ہے مگر انجیل شامل نہیں۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک زبور کے علاوہ انجیل بھی تورات کا ایک جزو ہے[1]۔ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کا یہی مطلب ہے جس میں تورات کے بعد قرآن کا نزول بتایا گیا ہے۔ لقد آتینا بنی اسرائیل الکتاب والحکم والنبوۃ.... ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا (۱۸-۱۶ ۴۵) (اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی..... اور پھر (تورات کے بعد) ہم نے دین کے معاملہ میں تم کو اے محمد ایک ضابطہ (قانون دیا)

یہودیوں میں تورات کو بڑا تقدس حاصل ہے۔ وہ اس میں کسی تحریف۔ الحاق یا رد و بدل کے قائل نہیں۔ مگر قرآن مجید یہودی علماء و مشائخ کو لفظی اور معنوی تحریف کا مجرم گردانتا ہے اس کی ایک معقول وجہ یہ ہے کہ موجودہ تورات بنی اسرائیل کے انبیاء کی اصلی زبان میں موجود نہیں تورات کے ابتدائی دور کے انبیاء کی زبان عبرانی اور آخری دور کے انبیاء کی زبان مخلوط آرامی عبرانی تھی جو مردہ ہو چکی ہیں۔ اور تورات کا کوئی اصلی نسخہ ان پرانی زبانوں میں کہیں موجود نہیں۔ محترم پرویز صاحب نے جو تحقیق اپنی کتاب "معراج انسانیت" کے باب اوّل ظہر الفساد میں اس کتاب کے متعلق لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی نسخے جو آجکل مروج ہیں وہ اصلی عبرانی نسخوں کی نقل نہیں پھر ان جدید عبرانی نسخوں اور ان کے مختلف زبانوں کے ترجموں میں بھی اختلافات ہیں یہاں تک کہ پہلی اڈیشن (جو دوسری صدی عیسوی کی ہے) اور تیسری اڈیشن کے نسخوں میں بارہ ہزار جگہ اختلاف کیا گیا ہے۔ تورات کے قاری کو اس کتاب کے مطالعہ سے یہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ رہا ہے کیونکہ تورات میں انبیاء کے کلام کے علاوہ تاریخی روایات اور حکایات مخلوط ملتی ہیں۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب میں اس قدر تحریف اور الحاق کے باوجود انبیاء کی تعلیم کے نشانات بھی ملتے ہیں جیسے ایک ٹکراؤ میں سونے کے ذرے چمکتے ہیں۔ جس طرح سونے سے کھوٹ الگ ہو سکتا ہے اسی طرح انبیاء کی تعلیم کا جس قدر حصہ ہے اس کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے یہی کام کیا ہے۔ کتاب حکم اور نبوت کے متعلق جو قرآنی تعلیم اوپر مذکور ہو چکی ہے اسکی تائید تورات میں ایک تاریخی حقیقت بن کر سامنے آموجود ہوتی ہے۔ انبیاء کی بعثت۔ خدا کا کلام انکے منہ میں ڈالنا۔ اس کلام کو سننے اور اس کے ماننے کی تاکید اور اس کے متعلق مواثیق، اور نبی آخر الزماں کے متعلق بشارتیں اور پیش گوئیاں۔ اس پر ایمان لانے کا عہد۔ یہ وہ امور ہیں جن کی تائید تورات سے کیا بحیثیت کتاب سماوی اور کیا بحیثیت کتاب تاریخ ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے جو دعوت یہودیوں کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے قبول کرنے کی دی ہے اس میں ان کو تورات کے ایسے حصوں پر عمل کرنے کی دعوت ہے۔

اس جگہ سورۂ مائدہ کی آیت ۴۴ کی تشریح ضروری ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتٰب اللہ وکانوا علیہ شھداء فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون (۵-۴۴)

چونکہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی تھی اس لئے اس آیت کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں جو نبی آئے ان کو حکم تھا کہ وہ تورات کی پیروی کریں اور اسی کے مطابق حکم دیں۔ یعنی وہ نبی موسوی شریعت کے تابع تھے وہ تابعی نبی تھے اور خود صاحب کتاب نہ تھے۔ اس سے جو غلط عقیدے پیدا ہوئے وہ یہ ہیں (۱) نبیوں میں تشریعی اور غیر تشریعی کا فرق اور تقسیم یعنی صاحب شریعت نبی جو شریعت کے ساتھ آئے (مثلاً حضرت موسیٰ) اور غیر تشریعی نبی جنھیں نئی شریعت نہیں دی گئی (مثلاً حضرت موسیٰ کے بعد فوج در فوج آنے والے نبی) بلکہ وہ سابقہ شریعت کی پیروی پر مامور تھے (۲) وحی کی حقیقت میں تفریق۔ بعض نبیوں کی وحی اعلیٰ درجہ کی اور بعض کی فروتر (۳) کتب میں فرق۔ بعض شریعت کی حامل اور بعض میں صرف بشارتیں اور نتیجتاً چار انبیاء اور کتب میں تفریق ہم ان امور پر قرآنی تعلیم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔ یہاں اعادہ تحصیل حاصل ہے۔ اس آیت کا ترجمہ بیان کرنا کافی ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے ایک مختصر تمہید ضروری ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں کا نام تورات ہے۔ ہر ایک صحیفہ باوجود جزو ہونے کے تورات ہے اسی طرح جس طرح قرآن مجید کے کامل نزول سے پہلے اس کی ہر آیت اور ہر سورت کو الکتاب اور قرآن کہا گیا ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل اگر قانون موسوی یا مواثیق موسوی کی پابندی کا حکم دیتے تھے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ موسوی قانون کے تابع تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ اور نبی اس دین کو قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم بھی اسی دین کے داعی تھے۔ ملۃ ابیکم ابراھیم (۲۲-۷۸)، یعنی حضرت موسیٰ سے بھی پہلے کا دین۔ قرآن صحف و کتب سابقہ کا خلاصہ ہے۔ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (۹۸-۲)

قرآن مجید یہودیوں کو تورات کے اور نصاریٰ کو انجیل قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے کیونکہ ان کتب کو قائم کرنے سے قرآن پر اور رسالت محمدیہ پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے یاد رکھنے کی یہ بات ہے۔ کہ ہر نبی براہ راست اللہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کسی انسان کے تابع نہیں ہوتا ہے۔ وہ اپنی وحی پر ایمان رکھتا ہے۔ اسی کی پیروی کرتا ہے اور اسی کی پیروی کیطرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔

آیت مذکورہ میں انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا کے معنی یہ ہوئے۔ تحقیق ہم نے تورات کے مشمولہ صحیفے نازل فرمائے۔ ان میں ہدایت اور نور تھا (بنی اسرائیل کے) نبی اپنے اپنے صحیفے کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے۔ اور یہودیوں کے علماء اور مشائخ اپنے اپنے وقت کے نبی کے صحیفے کو دستور العمل بنا کر اسکی عملاً حفاظت کرتے تھے۔

اس آیت کا سیاق و سباق ملحوظ رکھا جائے تو مطلب سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مفسرین اور شارحین جب یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی۔ اور اس کے بعد آنے والے نبی اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے تو وہ ایسی بات کہتے ہیں جس کا آیت ماقبل اور مابعد سے کوئی ربط یا تعلق نہیں رہتا۔ بلکہ اس آیت (۵-۴۴) کے آخری حصے (ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون) کا پہلے حصہ سے بھی تعلق نہیں رہتا۔ آیت (۵-۴۳) میں سوال یہ اٹھایا گیا تھا کہ کیوں اے محمد یہ یہود تجھ پر ایمان لانے لگے جب کہ ان کا کتب انبیاء پر ایمان ہی نہیں۔ اب ایک پورے رکوع (آیات ۴۴ تا ۵۰) میں ما انزل اللہ پر ایمان لانے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔

سورۂ مائدہ کا بیشتر حصہ یہودیوں اور عیسائیوں کی گمراہیوں کے متعلق ہے۔ اسمیں بڑی وجہ ان کی گمراہی کی یہ بتائی گئی ہے کہ انھوں نے نبیوں کے نوشتوں اور میثاق کے مطابق ما انزل اللہ پر ایمان لانا ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ آیت ۱۲ میں اس میثاق کو یاد دلایا گیا ہے۔ ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا وقال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰۃ واٰتیتم الزکوٰۃ واٰمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیاٰتکم الخ (اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا...... اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر...... میرے سب اصولوں پر

[1] یعنی جب تورات تمام انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں کا مجموعہ قرار پائے گی تو اس میں حضرت عیسیٰ بھی شامل ہو جائیں گے۔ اور انجیل کا ذکر قرآن میں الگ موجود ہے۔ (طلوع اسلام) [2] ثم سے یہ مراد نہیں کہ اسکے فوری بعد قرآن آگیا (طلوع اسلام)

ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرو گے ...... تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص بھی اس کے بعد کفر کریگا تو وہ بیشک راہ راست سے دور جا پڑا) مگر یہودیوں نے اس عہد کو توڑ دیا۔ کتب میں تحریف کی اور انبیاء کے متعلق بالخصوص آنحضرتؐ کی بعثت کے متعلق پیشگوئیوں اور مواثیق کو بھلا دیا (۱۳/۵)۔ آیت ۱۹ میں بعثت محمدیہ کا ذکر ہے جو اپنے نبیوں کی بشارتوں کو پورا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تاکہ "تم اے یہودیو! یوں نہ کہو کہ کوئی نذیر و بشیر ہمارا مصدق ہو نہیں آیا"۔ مگر یہود نے روگردانی کی یہاں تک کہ انتظامی معاملات میں مفاد عامہ کی خاطر بھی آنحضرتؐ کو حکم ماننے سے انکار کر دیا (۴۲/۵)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ ثم یتولون من بعد ذٰلک وما اولٰئک بالمومنین (۴۳/۵)

اور وہ تجھے (اے محمدؐ) حکم کیوں (کیسے) ماننے لگے۔ جب کہ وہ ان صحائف انبیاء (تورات) سے بھی روگرداں ہیں جن میں (رسولوں پر ایمان لانے اور تجھے حکم بنانے کے متعلق) اللہ کا حکم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ (ان کا تورات کی نوشتوں پر ایمان ہی نہیں) اگر ان کا ایمان ان پر ہوتا تو وہ ضرور تجھے حکم مان لیتے۔)

اس کے بعد رکوع سات پورے کا پورا ما انزل اللہ پر ایمان لانے کی اہمیت پر ہے۔ بتایا گیا ہے کہ کس طرح یہ اصول کہ اپنے زمانے کے نبیوں کے ما انزل اللہ پر ایمان لایا جائے پہلے نبیوں اور امتوں کا معمول بنا رہا ہے۔ چنانچہ یہودیوں اور نصاریٰ کی کتب کو بطور نظیر پیش کیا گیا ہے:-

انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتٰب اللہ وکانوا علیہ شھداء فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا باٰیتی ثمنا قلیلا ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون (۴۴/۵)

تحقیق ہم نے تورات (کے صحیفے) نازل فرمائے۔ ان میں ہدایت اور روشنی تھی خدا کے نبی جو احکام الٰہی کے فرمانبردار[1] تھے وہ (اپنے اپنے) صحیفوں کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے اور ربی اور احبار بھی اسی قاعدے پر کاربند تھے) اور اس کے (حکموں اور ہدایتوں پر) گواہ تھے پس (اے گروہ یہود اس زمانے کے ما انزل اللہ کے قبول کرنے میں) انسانوں سے نہ ڈرو۔ اور میری آیتوں کو (دنیوی فائدے کے سستے داموں) فروخت نہ کرو۔ (یاد رکھو کہ جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب (جو اس زمانہ کا ما انزل اللہ ہے) کے مطابق حکم نہ دیں (اور اس کے حکم کو نہ مانیں) تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

اس کے بعد آیات کا خلاصہ یہ ہے

آیت ۴۵ میں قوانین الٰہی کے بدلنے کی ضرورت کا اصول تورات کے ایک حکم کی مثال دیکر سمجھایا گیا ہے۔ تورات کے قانون جروح وقصاص (برابر سرابر بدلہ لینا' جروح ۲۱/۲۳ اور احبار ۱۹/۲۴ - ۲۱) میں قرآن نے معافی کی صورت کا اضافہ کر دیا۔ فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ (نیز قرآن ۲/۱۷۸ اور ۴۲/۴۰) اور آیت کے آخر میں ما انزل اللہ کے مطابق حکم کرنے کی تاکید آیات ۴۶ — ۵۰ میں اسی قاعدے کے مطابق ایک بے ما انزل اللہ (انجیل) کے نزول کا اور اس کے مطابق نصاریٰ کو حکم کرنے کی تاکید ہے اور پھر ایک الثلثۃ اور آخری

ما انزل اللہ (قرآن) کے نزول کا ذکر ہے پہلے صحیفوں کے قاعدے اور ان کی پیش گوئیاں اس آخری صحیفے پر سچی ٹھہرتی ہیں۔ وہ اب ان پہلے صحیفوں کا نگہبان ہے۔ اب یہ صحیفہ (قرآن) ہی فاصل ہے اس سے پہلے کا زمانہ جاہلیت کے حکم میں ہے۔ اب اسی کے مطابق حکم ہوگا (جیسا کہ آیت ۴۴ میں پہلے بیان ہو چکا ہے)

غرض تورات کو مجموعہ صحف بنی اسرائیل ماننے میں قرآن مجید کا عام اصول کہ ہر ایک صاحب کتاب تھا نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ اس اصول کی اس سے تائید مزید ہوتی ہے۔

قادیانی حضرات کے نزدیک یہ عقیدہ کہ انبیاء میں تشریعی اور غیر تشریعی نبی کا فرق کیا جائے ضروری ہے کیونکہ اس سے ان کے مذہب کی بنیاد راسخ ہوتی ہے۔ مگر جو تشریح انبیاء اور کتب کی ہم نے کی ہے اس کی تائید ان کی لٹریچر سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ انبیاء کے متعلق قادیانی عقیدہ بتدریج اب یہ بن گیا ہے:-

(۱) پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب کوئی نبی آجائے تو پہلے نبی کا علم بھی اسی کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ یوں اپنے طور پر نہیں مل سکتا۔ اور ہر بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے لئے بمنزلہ سوراخ کے ہوتا ہے۔ پہلے نبی کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا سوائے آنے والے نبی کے ذریعہ دیکھنے کے۔ یہی وجہ ہے کہ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود نے پیش کیا...... اور کوئی نبی نہیں سوائے اس نبی کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے (میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ جمعہ مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۲۴ء منقول از معراج انسانیت)

(۲) انبیاء اس لئے آتے ہیں تاکہ ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کرا دیں۔ اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لا دیں (مکتوب احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم ص ۳۲)

ان اقوال کی روشنی میں آیت ۴۴/۵ پر غور فرمائیے۔ کیا بنی اسرائیل کا ہر نبی اپنے پہلے نبیوں کے لئے بمنزلہ دیوار تھا اور اسکے صحیفے کے سوا کوئی اور صحیفہ تھا؟

نبی اور اس کی کتاب میں جو باہم تعلق ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ملاحظہ ہو۔

(۱) جو شخص نبوت کا دعوےٰ کرے گا اس دعوے میں ضرور ہے کہ وہ ایک امت بنائے جو اس کو نبی سمجھتی ہو اور اس کی کتاب کو کتاب اللہ جانتی ہو (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۴۴)

(۲) اور نبی کی کتاب یہی ہوتی ہے کہ ما انزل کو جمع کر لیا جائے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام سب انبیاء کے مظہر اور بروز ہیں تو ان کا ما انزل الیہ من ربہ بہ برکت حضرت محمد (قرآن شریف) اس قدر زیادہ ہے کہ کسی نبی کے ما انزل الیہ سے کم نہیں بلکہ اکثر سے زیادہ ہوگا۔ فالحمد۔ اور حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک لحاظ سے صاحب کتاب ہونا ثابت ہو گیا (الفضل قادیان مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء بحوالہ معراج انسانیت ص ۹۰)

شریعت کیا ہے اور صاحب شریعت نبی کون ہوتا ہے؟ اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔

"یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر ونہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا..... میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی ...... اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو ...... تمام انسانوں کے لئے اسکو معیار نجات ٹھہرایا" (اربعین ع ۴ ص ۶ بحوالہ معراج انسانیت ص ۹۰)

---

[1] ایک قادیانی مجلہ کے ایڈیٹر نے اپنے فرقہ وارانہ عقائد کے لئے اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے آیت کے اس ٹکڑے (النبیون الذین اسلموا) کا ترجمہ اور تشریح کرنے میں عام مسلمہ اصولوں سے اس حد تک تجاوز کیا ہے کہ اس کا ذکر کرنا ناگزیر ہو گیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "وہ نبی ...... جو تورات کے تابع تھے" اور تشریح یہ ہے "اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ تورات کے بعد کچھ ایسے نبی آئے تھے جو نئی شریعت نہ لائے تھے۔ بلکہ وہ تورات کو ہی نافذ کرنے پر مامور تھے۔ النبیون الذین اسلموا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ وہ تورات کے تابع نبی تھے۔ ورنہ الذین اسلموا کا ذکر بالکل بے ضرورت نظر آتا ہے کیونکہ کوئی نبی ایسا نہیں ہو سکتا جو فرمانبردار نہ ہو"۔ مشہور ہے کہ صاحب غرض دیوانہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایڈیٹر مذکور نے اپنی مطلب براری کی دیوانگی میں اس ترجمہ کو بھی اعتراض کیا ہے جو قادیانیوں کے مستند (authorised) انگریزی ترجمہ قرآن میں ہے۔ یہ ترجمہ قرآن زیر سرپرستی حضرت مرزا بشیر الدین محمود ہوا ہے اور صدر انجمن احمدیہ قادیان نے شائع کیا ہے۔ الذین اسلموا کا ترجمہ اس میں ہے (prophets who were obedient to Allah) یعنی انبیاء جو ہمارے خدا کے فرمانبردار تھے ایڈیٹر مذکور کی انبیاء کے متعلق ایسے الفاظ کا استعمال کرنے پر حیرت کی وجہ قرآن سے ناواقفیت ہی ہو سکتی ہے یا تجاہل عارفانہ۔ کیونکہ قرآن میں تو بار بار انبیاء کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہونے کی صفت آئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اسلمتُ ۲/۱۳۱ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل کے متعلق فلما اسلما ۳۷/۱۰۳ انبیاء اولاد ابراہیم کے لئے ونحن لہ مسلمون ۲/۱۳۶ آنحضرت صلعم کے متعلق اسلمتُ ۳/۲۰ فانا اول المسلمین وغیرھا۔

یہ قادیانی اقوال جو اوپر نقل ہوئے خود قادیانیوں کے اس عقیدہ کے بھی خلاف جاتے ہیں کہ کوئی نبی کسی پہلے نبی کا جز یا ظل یا امتی یا تابعی بھی ہوتا ہے۔ ان کی رو سے ہر نبی مستقل نہیں ہوتا ہے اور اس قسم کے نبی (ان کے عقیدہ کے مطابق) میرزا صاحب بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ حضرات "غیر تشریعی" کے عقیدہ کی بھی رٹ لگاتے رہتے ہیں جو قرآن کی تعلیم کے یکسر خلاف ہیں۔

---

(۲) محترم خواجہ عباد اللہ اختر صاحب (جہلم)

(تورات کے متعلق، محترم خواجہ عباد اللہ صاحب اختر کی تحقیق حسب ذیل ہے۔ (طلوعِ اسلام)

"تورات کے معنی ہیں قانون (canon) قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ توراۃ صرف وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی لیکن اتنا ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ کا اطلاق اس کتاب پر ہوتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کے بعد اور حضرت عیسیٰؑ کے پہلے نازل ہوئی اس لئے اسکے نزول کا آغاز حضرت موسیٰؑ سے ہوا۔ اور تکمیل جیسا کہ آگے چل کر بیان کروں گا اسیری بابل سے بہت عرصہ پیشتر ہوئی۔ ارشاد قرآن ہے کہ

وقفینا علی آثارھم بعیسی ابن مریم .... من التوراۃ (۵)

یااھل الکتاب لم تحاجون فی ابراھیم .... افلا تعقلون (۳)

"کل الطعام کان حلاً لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ" (۳)

جس طرح قرآن "بائبل" کا مصدق ہے خود بائبل نہیں اسی طرح انجیل توراۃ کی مصدق ہے خود توراۃ نہیں مگر احکام توراۃ دونوں میں ہیں اور بغرض تصدیق بیان کئے گئے ہیں۔

"کتاب" یہی اصطلاح اہل کتاب کی ہے اسی کا ترجمہ یونانی لفظ "biblia" "بمعنی کتاب" (بصیغہ جمع) ہے، لاطینی میں بھی لفظ "کتاب" (بصیغہ واحد) ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ بائبل کتب کا مجموعہ ہے اور بحیثیت مجموعی کتاب ہے۔ "توراۃ" اسی کتاب کا ایک حصہ ہے دیگر حصے کچھ تاریخی قصص اور کچھ اخلاقی نظمیں وغیرہ ہیں۔

توراۃ میں اسفار موسیٰ بالخصوص "المثانی" (Deuteronomy) اور صحف انبیاء کا وہ حصہ شامل ہے جو احکام شریعت کے بارہ میں ہے۔ قرآن میں زیادہ تر حوالہ المثانی کی آیات کا دیا گیا ہے۔ توراۃ کی بنیاد بھی یہی ہے اور یہ دس احکام (commandments) ہیں جو اصولی اور مستقل ہیں، ان میں سے سات مع حکم توحید انجیل (bible) اور قرآن (سبعاً من المثانی) میں لئے گئے ہیں۔

قرآن میں "یا اھل الکتاب" کا خطاب صرف اہل بائبل یہود و نصاریٰ سے ہے جس میں تمام کتب بشمول انجیل شامل ہیں، توراۃ انہی کا ایک حصہ ہے جو بنی اسرائیل کے انبیاء پر نازل ہوتا رہا۔ بائبل میں "شریعت اور انبیا" (Laws & Prophets) (لوقا ۱۶/۱۶) کا ایک ساتھ مذکور ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ شریعت کا مفہوم اہل کتاب شریعت موسوی ہی سمجھتے تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح ہم مسلمان آجکل شریعت اسلامیہ قرآن اور احادیث و اجتہادات فقہا سمجھتے ہیں اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ شریعت اسرائیلیہ کا اکثر و بیشتر حصہ ان احکام کا تھا جو اسفار موسیٰ میں مذکور ہیں۔ یہود ہر ایک حکم جو ان میں لکھا ہوا ہے مستقل ناقابل تغیر و تبدل یقین کرتے۔ لیکن مستقل اصولی احکام تو صرف دس ہیں، باقی سب فرعیہ ہیں۔ انبیاء بنی اسرائیل انہی فرعیہ احکام میں ترمیم و تنسیخ بہ تقاضائے حالات ذہنی و خارجی کرتے رہے، اسی طرح جس طرح قرآن تو مستقل کتاب اصول رہی ہے اس کے مطابق ہر ایک زمانہ کے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب آنحضرتؐ اور خلفائے الشوریٰ احکام وضع کرتے رہے جیسا مذکور احادیث میں ہے۔

چونکہ حالات ہمیشہ بدلتے ہیں اس لئے آنحضرتؐ کے وضع کردہ وقتی احکام میں خلفا بھی ترمیم کرتے رہے۔ جس طرح اسرائیل اسفار موسیٰ کے ہر ایک حکم کو (جو علاوہ دس اصولی احکام ہیں) مستقل حیثیت دیتے رہے اسی طرح آج مسلمان بھی آنحضرتؐ اور خلفا بلکہ فقہا کے اجتہادات کو مستقل حیثیت دیتے ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث اپنی کتاب "اصول فقہ اسلامی" میں کی ہے جو ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور شائع کر چکا ہے۔

الغرض یہی احکام فرعیہ ہیں جن کو علماء یہود اصولی احکام کے برابر" مثلاً معہ" بلکہ بڑھ کر تسلیم کرتے رہے اور جو نبی ان میں کچھ ترمیم کرنا چاہتا اسکی مخالفت کرتے رہے، مسیح فرماتے ہیں کہ "یہ انبیاء کے قاتلوں کی اولاد سے وغیرہ" (متی ۲۳/۳۴) قرآن میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے "یقتلون النبیین"

مثلاً ایک فرعی حکم سوختنی قربانی کا ہے جسکا مذکور اسفار موسیٰ (احبار ۱/۶) میں ہے۔ لیکن المثانی اور دس احکام موسوی میں اسکا ذکر نہیں اور انبیاء بنی اسرائیل مسلسل اسے ایک مذموم رسم قرار دیتے رہے۔ بلکہ عام حیوانی قربانی کو بھی منسوخ کیا

"کیا خدا کی آواز پر کان دھرنے اور اطاعت کرنے سے بڑھ کر سوختنی قربانی اور عام حیوانی قربانی خدا کی خوشنودی ہے، تحقیق اطاعت اور شکستہ دل سے بہتر قربانی اور مینڈھے کی چربی نہیں" (۱۔ سموئیل ۱۵/۲۲)

"اے خدا تو قربانی نہیں چاہتا اگر تو پسند فرماتا تو میں ضرور پیش کرتا، تو سوختنی قربانی سے خوش نہیں ہوتا۔ بہترین قربانی شکستہ دلی اور توبہ ہے" (زبور ۵۱/۱۶)

"خداوند خدا نے فرمایا کہ تمہاری قربانیوں کی کثرت کس کام کی۔ میں سوختنی قربانی سے سیر ہو چکا۔ میں بہائم، بیلوں اور بھیڑوں اور بکریوں کے لہو اور چربی کا مطالبہ نہیں کرتا (الیسع ۱/۱۱)

"خداوند خدا نے فرمایا کہ جب میں ان کو مصر سے باہر لایا تو میں نے انکو سوختنی قربانی اور عام قربانی کا حکم نہیں دیا تھا میں نے تو اتنا ہی حکم دیا تھا کہ مری آواز (وحی بذریعہ انبیا) پر کان دھر کر اطاعت کرو (یرمیاہ ۷/۲۲)

"حقیقی قربانی صرف تقویٰ ہے" (زبور ۴/۵)

آیات اور بھی بہت ہیں بلکہ المثانی (۱۰/۱۲) میں واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ تقویٰ کی قربانی پیش کرو۔ علاوہ ازیں زبور ۵۰/۲۳، ۶۹/۳۰، ۱۰۷/۲۲ میں تقویٰ ہی پر زور دیا گیا ہے۔ اور حکمبرداری کو بہترین قربانی قرار دیا گیا ہے۔ امثال ۲۱/۳، ہوسیع ۶/۶، انجیل متی ۹/۱۳، ۱۲/۷ بلکہ حیوانی قربانی کے بارے میں ہے کہ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ امثال ۱۵/۸، الیسع ۶۶/۳، یرمیاہ ۶/۲۰، عاموس ۵/۲۱، ملاکی ۱/۱۰، ۲/۱۳

ارشاد قرآن ہے کہ

الذین قالوا ان اللہ عھد الینا الا نؤمن لرسول حتی یأتینا بقربان تاکلہ النار قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینٰت وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صٰدقین ٥ (۳/۱۸۳)

توراۃ کی آیات محولہ کی رو سے یہود کا دعویٰ قطعاً باطل ہے، توراۃ کے احکام فرعیہ اور بھی بہت ہیں جن کو اہل کتاب اکثر ترک کر چکے ہیں مگر ہمارے علمائے اسلام نے موضوعات کے زور سے انکو ابھی تک قائم رکھا ہے۔

تو تاریخی واقعات جو بائبل میں مذکور ہیں اس امر کی تائید میں ہیں کہ اسیری بابل سے بہت عرصہ پیشتر توراۃ کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اسیری کا واقعہ ۵۸۶ قبل مسیح کا ہے۔ حضرت داؤد کی نسل سے شاہ یہودیہ یوآش (۸۳۵ قبل مسیح) کے زمانہ میں مکمل نسخہ توراۃ ہیکل سلیمانی میں موجود تھا، (۲۔ شاہان ۱۱/۱۲) یہودی مورخ یوسف (Josephus ....) لکھتا ہے کہ آخری مقدس نوشتہ اشیر کی کتاب ہے جو ملکہ اور زوجہ ایرانی بادشاہ خشرو (XERXES) کی تھی یہ کتاب اس کے جانشین اردشیر (Artaxerxes) کے عہد (۴۶۵ قبل مسیح) میں لکھی گئی۔ اصلی تحقیق یہ ہے کہ توراۃ حضرت موسیٰ (۱۵۰۰ قبل مسیح) سے ۸۰۰ قبل مسیح تک مکمل ہوئی۔ بائبل کی تدوین کئی دفعہ ہوئی۔ غالباً اسیری بابل کے بعد عزرا نبی نے آخری دفعہ کی۔ عزرا کو یہود میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ (عزرا ۷/۱، نحمیاہ ۸/۱)

یہ حقیقت ذہن نشین کرنی چاہئے کہ عہد عتیق اور جدید کی اصطلاح پولوس کی وضع کردہ ہے اس نے اپنی ایک انجیل موضوعہ جو اس کے مکتوبات کا مجموعہ ہے علی الرغم انجیل حواریاں (Evangelists) پیش کی اور کہا کہ جو میری پیش کردہ انجیل کے سوا کسی اور انجیل کو قبول کریگا ملعون ہے۔ نامہ بنام گلتیاں (۱/۸)، حواری مقدس یوحنا پولوس کو دجال اپنے مکتوب دوم میں کہتا ہے جو مسیح کو بشر تسلیم نہیں کرتا۔ پولوس نے عہد عتیق کے احکام (توراۃ) منسوخ قرار دئے اور انجیل کے احکام وضع کئے جن میں ہوا ایک تثلیث ہے۔ انجیل حسب روایت حواریین میں بھی تحریف کی گئی ہے تاکہ پولوسی عقائد کے مطابق ہو جائے۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عرب کے قومی خصائص و امتیازات بیان کئے جا چکے ہیں نیز یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ کس قسم کی تھی آج کی فرصت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ حالات جن میں وہ بستے تھے ان کے اخلاقی اور اجتماعی کوائف پر کس طرح اثر انداز تھے حتیٰ کہ ان کی زبان بھی اس سے مکمل طور پر اثر پذیر تھی

جس قوم کے حالات و کوائف اس قسم کے ہوں۔ ایک طرف فقر و فاقہ ہو اور دوسری طرف لوٹ مار کی یہ گرم بازاری ہو کہ یہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہو راستے غیر محفوظ اور خطرناک ہوں جہاں ہر لحظہ دشمنوں کی لوٹ مار کا دھڑکا لگا رہتا ہو نہ کوئی قاعدہ ہو نہ کوئی قانون جس کی پیروی کی جاتی ہو ساتھ ہی کوئی حکومت موجود نہ ہو جو ظالم سے قصاص لے سکے اور راستوں کی حفاظت کر سکے تو کیا وہ اسکے لئے مجبور نہیں ہوں گے کہ شجاعت، وفا اور عفو و درگذر ان کے ہاں بڑے فضائل میں سے شمار ہونے لگیں۔ یہی کچھ تم ان کی عقلیت کے بارے میں کہہ سکتے ہو۔ انصاف، ظلم، خیر، شر، قابل مذمت اور قابل مدح ہونے کا فیصلہ اس کے تابع ہوتا تھا کہ قبائلی طور وہ کس چیز کے عادی ہیں۔ اور وہ جن چیزوں کے عادی ہوتے تھے وہ اپنی معیشت کے تقاضوں کے تابع ہی عادی ہوتے تھے۔

اس دور کی عربی زبان اور عربی لٹریچر کو دیکھو تو وہ بھی اس نوع کی زندگی کا ایک طبعی نتیجہ اور اس قسم کے معاشرہ کی ایک سچی تصویر نظر آئیگا۔ چنانچہ زبان کے الفاظ میں ـــ مثلاً ـــ انتہائی وسعت اور دقت و باریک بینی کو ملحوظ رکھا گیا ہوگا بشرطیکہ وہ الفاظ ان معانی سے تعلق رکھتے ہوں جو ایک بدوی معیشت میں ضروریات زندگی میں داخل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ تھوڑے ہی ہیں۔ لیکن ان الفاظ میں یہ دقت نظر ملحوظ نہیں رکھی گئی جن کے معانی کا تعلق ان چیزوں سے نہیں تھا جو ان کی ضروریات زندگی میں داخل ہوں چنانچہ اونٹ کو لیجئے جو بدوی زندگی کا ایک ستون ہے۔ یہ ان کی بہترین غذا، بہترین لباس اور بہترین سواری کا ذریعہ ہوتا ہے۔ صحرا میں عربوں کی زندگی قریب قریب محال اور ناممکن ہو جاتی اگر اونٹ کی مہربانیاں انکو نصیب نہ ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان اونٹ کے متعلقات سے اسقدر مالا مال ہے کہ انھوں نے کوئی ایسی چھوٹی یا بڑی چیز چھوڑی نہیں ـــ جس کا کسی نہ کسی طرح اونٹ سے تعلق ہو سکتا ہے ـــ ہر چیز کیلئے انھوں نے لفظ یا الفاظ وضع کر چھوڑے ہیں۔ انھوں نے اونٹوں کے لئے الفاظ وضع کئے۔ ان کے حمل اور ولادت کے لئے الفاظ وضع کئے۔ اس کی عمروں کے لئے، دودھ دوہنے کے لئے۔ دودھ پلانے کے لئے، دودھ چھڑانے کے لئے، درازی اور خندگی میں خوشنمائی کے لئے، فربہی اور لاغری کیلئے آوازوں کے لئے، اون کے لئے، چارہ کیلئے، جگال کرنے کے لئے، چرانے کے لئے، اونٹوں کے بیٹھنے کے لئے، ان کے پیشابوں کے لئے، دُموں کی مختلف حرکات کیلئے، رفتار کی انواع و اقسام اور ریاضت کے لئے، کجاووں کے کجاووں کے اندر کی چیزوں کے لئے، ان تمام چیزوں کیلئے جو اونٹوں پر باندھی جاتی ہیں، اونٹوں کی ان رسیوں کے لئے جو ان کے پیروں میں باندھی جاتی ہیں، ان رسیوں کو کھولنے اور اتارنے کے لئے، اونٹوں کے نشانات کے لئے، ان کے عیوب کیلئے، ان کی خارش اور دوسری بیماریوں کے لئے، غرضیکہ ہر بات اور ہر چیز کیلئے انھوں نے الفاظ وضع کر چھوڑے ہیں۔ پھر انھوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا کہ ایک چیز کیلئے انھوں نے ایک ہی لفظ وضع کیا ہو بلکہ باریک باریک فرقوں کے ساتھ انھوں نے ہر چیز کیلئے کئی کئی الفاظ وضع کر ڈالے ہیں۔ اب ذرا اونٹ سے ہٹ کر کشتی کی طرف آیئے تو اس ضمن میں تمہیں عربی زبان کا دامن نہایت ہی تنگ نظر آئیگا۔ جیسا کہ انھوں نے اونٹ کا حق ادا کیا ہے کشتی کا حق قطعاً ادا نہیں کیا۔ انھوں نے نہ کشتی کے تمام اجزاء کو بیان کیا ہے نہ کشتی کی مختلف اقسام کے لئے جداگانہ الفاظ وضع کئے ہیں۔ کچھ الفاظ ضرور موجود ہیں جن کا کشتی سے تعلق ہے لیکن ـــ ان کا مقابلہ اگر ان الفاظ سے کیا جائے جو اونٹ اور اس کے مختلف احوال سے متعلق ہیں تو ـــ ان کا تذکرہ کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ بلکہ اگر تم ان الفاظ کی تلاش و جستجو سے کام لو جو کشتیوں اور ان کے متعلقات سے تعلق رکھتے ہیں تو ان میں زیادہ تر الفاظ ایسے ملینگے جو عربی نہیں ہیں بلکہ کسی غیر عربی لفظ کو عربی بنا لیا گیا ہے۔ جیسے سَنِیا بَجَہ۔ بَیاسیۃ اور الجود وغیرہ۔ اور یا شبان میں سے زیادہ تر الفاظ ایسے ہیں جو عہد جاہلیت کے بعد وضع ہوئے ہیں۔

یہ ایک واضح مثال ہے۔ اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ صحرائی زمین میں جو ٹیلے، پہاڑیاں، بلندیاں ہوتی ہیں اور ان میں جو کچھ گھاس چارہ اور حشرات اور ہوام ہوتے ہیں، عربوں نے ان میں سے ہر چیز کی تعریف کی ہے اور ان کے لئے مختلف الفاظ بھی وضع کئے ہیں، سنگلاخ زمین، سخت زمین، ہموار زمین، وسیع زمین، نشیبی زمین، کوہانی شکل کی زمین، سنگریزوں والی زمین۔ زمین کے بلند ٹکڑے وادیاں ان کی تمام اقسام کو انھوں نے شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور ان کیلئے لفظ یا متعدد الفاظ وضع کئے ہیں۔ لیکن دریاؤں اور سمندروں کے متعلق یا سمندری چیزوں مثلاً مچھلیوں، سیپیوں، موجوں مختلف قسم کے پانیوں سے متعلق ان کی زبان کچھ سرمایہ دار نہیں ہے۔ اسی قسم کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس کی دلیل میں غالباً یہ کافی ہوگا کہ ابن سیدہ کی کوئی کتاب مثلاً مخصص۔ کو اٹھا لیجئے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک موضوع سے متعلق کلمات کو ایک مقام پر جمع کر دیتا ہے ـــ اس کتاب کو سامنے رکھ کر حقیقت کے ساتھ تم موازنہ کر سکتے ہو۔ ابن سیدہ نے اونٹوں اور اونٹوں کے متعلقات پر کلام کرتے ہوئے بڑے سائز کے پورے ۲۰۷ صفحات کو گھیر لیا ہے۔ وہ الفاظ ان سے علیحدہ ہیں جو منتشر طور پر ادھر ادھر پوری کتاب میں بکھرے پڑے ہیں۔ جبکہ کشتی اور متعلقات کشتی کے لئے اسی کتاب میں سات صفحات سے بھی کم آئے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ کتاب کے اگر ستر حصے کئے جائیں تو اونٹوں سے متعلق الفاظ پر پوری کتاب کا ستر ہواں حصہ مشتمل ہے۔ اگر تم یوں کہدو کہ کلام عرب میں جو الفاظ اونٹوں سے متعلق موجود ہیں وہ عربی زبان کے مجموعہ کا سترھواں حصہ ہیں تو یہ حقیقت سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا۔ یہ واقعی نسبت ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اسکی وجہ محض یہی ہے کہ عربوں کی بدوی زندگی میں اونٹوں کو زندگی کے بڑے ستون کی حیثیت حاصل ہے۔

یہ تو محسوسات میں تھا۔ بعینہٖ یہی کچھ تم معنوی چیزوں کے متعلق دیکھو گے۔ چنانچہ سرور، لہو و لعب اور راحت و آرام سے متعلق کلمات بہ نسبت مشقت، جنگ، فکر، تباہی کے متعلق کلمات کے تعداد میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ انھوں نے مصیبت (دَاهِيَة) سے متعلق الفاظ میں کس قدر تفنن سے کام لیا ہے۔ انھوں نے اس کیلئے اسقدر الفاظ اختراع کر دیئے جن کو شمار کرتے کرتے اہل لغت تھک جاتے ہیں۔ چنانچہ حمزہ نے ان الفاظ کو جمع کرنے کی کوشش کی تو وہ چار سو سے اوپر نکلے حتیٰ کہ اہل لغت کو کہنا پڑا کہ مصیبت (دَاهِيَة) کے ناموں کی کثرت ایک مصیبت بن گئی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ بدوی معاشرہ کی طبیعت یہی چاہتی ہے۔ یہ معاشرہ بدبختی اور فقر و فاقہ کا معاشرہ ہوتا ہے، وسعت و نعمت کا معاشرہ نہیں ہوتا۔

اگر تم زمانہ جاہلیت کے عربی لٹریچر کو کنگھالنا شروع کرو تو وہاں بھی تمہیں بعینہٖ یہی چیز نظر آئیگی کہ اونٹوں اور اونٹنیوں کے تذکرہ اشعار اور شعراء کے تخیل پر کس قدر چھایا رہا ہے۔ نرم اور سنگلاخ زمینوں کے بیانات نے کس قدر اشعار کو گھیر رکھا ہے۔ اسی طرح جب یہ شعراء اپنے ممدوحوں کی تعریف کرتے ہیں یا اپنے مرحوموں کی مرثیہ خوانی کرتے ہیں تو اپنے ان اخلاق ـــ سخاوت اور بہادری وغیرہ ـــ کا بکثرت تذکرہ کرتے ہیں جو ان کے عہد میں عام تھے۔ بہادری اور بہادری کی تعریف، دوسروں پر لوٹ ڈالنے اور مخالفین کی لوٹ مار کی مدافعت کرنے کو ان کے ہاں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ ان کی تشبیہات اور ضرب الامثال میں بھی تمہیں یہی عنصر غالب نظر آئیگا۔ یہ تمام چیزیں ان کی معیشت کی نوعیت سے پیدا ہوئی تھیں اور ان کی زندگی کی ایک سچی اور صحیح تصویر تھیں

مطبوعاتِ طلوعِ اسلام

معراجِ انسانیت — از پرویز۔ سیرتِ صاحبِ قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ اور تہذیب پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش ——— قیمت - بیس روپے

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۲۰ صفحات ——— قیمت ——— آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔
۱۰۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔
۴۰۰ صفحات قیمت ——— چار روپے

اسبابِ زوالِ امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر اسات سالہ دورِ آزادی کی سسکتی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۰ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاجِ شناسِ رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناسِ رسول! مزاج شناس کون ہے؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۴ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

مقامِ حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوسِ گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۲۱۲ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری
علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔
صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

نظامِ ربوبیت — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔
قیمت قسم اول ——— چھ روپے قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

اقبال اور قرآن — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ دستِ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوعِ اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

مطبوعاتِ طلوعِ اسلام کی شرائطِ ایجنسی

شرحِ کمیشن

معراجِ انسانیت ——— ۲۰ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۲۵ فی صدی
(۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے بعد وضع کمیشن سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔
نوٹ: کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوعِ اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

طلوعِ اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔
نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر و دسمبر
۱۹۵۰ء	نومبر
۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے خریدارانِ طلوعِ اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔
خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - کراچی

جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی

حقائق و عبر

قرآن میں ہے کہ جب کشتی بھنور میں پھنستی ہے تو مسافروں کو خدا یاد آنے لگتا ہے اور جب وہ ساحل پر پہنچ جاتی ہے تو پھر سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔ مجلس آئین ساز کے انتخابات کی رو سے مختلف پارٹیوں کی جو پوزیشن متعین ہوتی ہے اس میں مسلم لیگی وزارت اپنے بل بوتے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ لیگ کو بہتر میں سے صرف پچیس نشستیں حاصل ہوئی ہیں۔ اس سے لیگ کے صدا اور موجودہ مرکزی وزارت کے مدار المہام محترم محمد علی صاحب کو اپنے اقتدار کی نیا ڈگمگاتی نظر آرہی ہے اسلئے اب انہیں خدا یاد آرہا ہے۔ چنانچہ انھوں نے الیکشن کے بعد (ڈھاکہ میں) اپنی پہلی تقریر میں فرمایا ہے کہ "مذہب اسلام کو سیاست اور معاشرت سے الگ نہیں رکھا جا سکتا۔ پاکستان کا دستور قرآن و سنت کے مطابق مدون ہونا چاہئے" (انقلاب ڈھاکہ۔ مورخہ ۲۴ر جون) قارئین کو یاد ہوگا کہ یہی محمد علی صاحب ہیں جنھوں نے لندن میں فرمایا تھا کہ مذہب انسان کا ایک نجی معاملہ ہے اسے سیاست سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔

یہ خیر پھر بھی "محمد علی" ہیں (قرآن کے بیان کے مطابق) غرقابی کے وقت تو فرعون جیسا منکر اور متکبر بھی خدا پر ایمان لے آتا ہے۔ اگرچہ ایسے ایمان کا جو جواب بارگاہ خداوندی سے ملتا ہے اس پر خود قرآن شاہد ہے۔

باقی رہا یہ کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت کے مطابق ہونا چاہئے۔ تو اس پر ہم بدل کہیں گے کہ۔ تری آواز مکے اور مدینے۔ لیکن ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ جب وہ لوگ اس قسم کا نعرہ لگاتے ہیں جن کے سامنے قرآن و سنت کا کوئی متعین مفہوم نہیں ہوتا تو اس سے کسقدر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اسی قسم کا نعرہ مرحوم لیاقت علیخاں نے امریکہ میں بلند کیا تھا جب کہا تھا کہ پاکستان اسلامی آئیڈیالوجی کی تجربہ گاہ ہے جس میں ایسا آئین تیار ہوگا جس کی مثال دنیا کا کوئی آئین پیش نہیں کر سکے گا۔ نعرہ یہ بلند کیا اور اس کے بعد قرارداد مقاصد وہ پیش کی جس کی کوئی کل سیدھی نہیں بیٹھتی تھی اور جو (خدا جنت نصیب کرے) مرحومہ مجلس آئین ساز کے لئے ایسی چھپکلی بنی جسے نہ اگلتے بنے نہ نگلتے۔ اسی کا صدقہ تھا کہ وہ مجوزہ (قرآنی مثال کے مطابق) دن بھر سوت کاتتی اور شام کو خود ادھیڑ دیتی اور وہ کامل سات سال تک اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہی تاآنکہ وہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اب اس نومولود اسمبلی کی پیدائش پر ملائے محمد علی اس کے کان میں پھر وہ اذان دے رہے ہیں جس کا مفہوم وہ کچھ نہیں سمجھتے آپ کو اعتبار نہ ہو تو کسی پریس کانفرنس میں ان سے پوچھ لیجئے کہ قرآن و سنت کے مطابق آئین سے ان کا مفہوم کیا ہے اور وہ سنت کہاں سے ملیگی جسے وہ آئین کی بنیاد قرار دینا چاہتے ہیں۔

محترم محمد علی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ کہتے ہیں مسلم لیگ مر چکی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ "مسلم لیگ کبھی مر نہیں سکتی۔ اس لئے کہ اس کی موت درحقیقت اسلامی آئیڈیالوجی کی موت ہوگی" (مارننگ نیوز۔ ڈھاکہ۔ ۲۴ر جون) لیجئے! اب دنیا کو معلوم ہو گیا کہ وہ کونسا ستون ہے جس کے سہارے اسلامی آئیڈیالوجی کی عمارت کھڑی ہے۔ وہ ستون ہے پاکستان مسلم لیگ جس کے صدر محترم محمد علی صاحب ہیں۔ اگر لیگ باقی نہ رہی تو دنیا میں اسلام بھی باقی نہیں رہیگا۔ اس لئے اے وہ مسلمانوں جن کے دل میں اسلام کا ذرا سا بھی درد ہے "مسلم لیگ کے قیام و بقا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دو۔ اگر یہ نہ رہی تو پھر اسلام بھی نہیں رہے گا۔ غیر ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے۔

اسی تقریر میں انھوں نے اس راز کا بھی انکشاف فرمایا کہ مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو جو شکست ہوئی تھی تو وہ مسلم لیگ کی شکست نہیں تھی "مشرقی پاکستان کے عوام مسلم لیگ کے مخالف نہیں تھے بلکہ وہ صوبے کی مسلم لیگی قیادت سے نالاں تھے" (انقلاب ۲۴ر جون)۔ لیگ کے انتخابات کے وقت ارباب لیگ کا ارشاد ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کا ٹکٹ اگر بجلی کے کھمبے کے ساتھ بندھا ہو تو تم اس کھمبے کو ووٹ دو کیونکہ اس کھمبے کی فتح، لیگ کی فتح اور اس کی شکست لیگ کی شکست ہے۔ لیکن اب مسلم لیگ کے صدر صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں۔ مشرقی پاکستان میں لیگ کے امیدواروں کی شکست لیگ کی شکست نہیں تھی بلکہ ان لوگوں کی شکست تھی جن سے عوام نالاں تھے۔ یعنی اب اصول یہ ٹھہرا کہ

(۱) جہاں لیگی امیدوار ناکام رہے وہ ناکامی لیگ کی نہیں بلکہ اس امیدوار کی ہے کیونکہ لوگ اس سے خوش نہیں تھے اور

(۲) جہاں لیگی امیدوار کامیاب ہو جائے تو وہ کامیابی لیگ کی ہے۔

یعنی لیگی امیدوار کامیاب ہو یا ناکام رہے۔ مسلم لیگ بہر حال کامیاب تصور کی جائیگی۔ اس لئے کہ اگر اسے ناکام تصور کر لیا جائے تو پھر اسلام کو بھی ناکام ماننا پڑیگا۔ اور یہ کفر کے مرادف ہے محترم محمد علی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ان پر یہ عقدہ کب کھلا کہ لیگی قیادت سے عوام نالاں تھے؟ کیا جس وقت یہ اس لیگی قیادت کی کامیابی کیلئے طوفانی دورے فرما رہے تھے اس وقت انھیں اس کا کوئی علم نہیں تھا کہ عوام ان لیڈروں سے نالاں ہیں؟ سر منڈاکر اقرار یاد آنا! ایسے ہی موقعوں پر بولتے ہیں۔

دیکھیں محترم محمد علی صاحب موجودہ لیگی قیادت کے متعلق [illegible]

عالمِ اسلامی

مصر ایک عرصے سے تُرکی اور ترکی عراقی معاہدوں کی مخالفت میں ایسا اندھا ہو گیا ہے کہ نہ وہ اپنا ملکی مفاد دیکھ رہا ہے نہ عربوں کا باہمی مشترکہ مفاد۔ اس کے وزیر میجر صالح سالم نے ۲۵ر جون کو قاہرہ میں بیان دیا ہے وہ نہایت غیر دانشمندانہ اور افسوسناک ہے۔ آپ نے اقوام مغرب بالخصوص امریکہ پر الزام لگایا کہ وہ عربوں میں پھوٹ ڈلوا رہی ہیں اور پھر انھیں متنبہ کیا کہ اگر انھوں نے اس حکمت عملی کو ترک نہ کیا تو عرب روس سے امداد لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ آگے چل کر انھوں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ ان کا یہ غصہ محض اس وجہ سے ہے کہ عراق نے ترکی سے معاہدہ کر لیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ عراق نے ترکی سے معاہدہ کر کے عرب لیگ کے کسی قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ وہ عربوں کے مشترکہ دفاعی معاہدے کا بدستور رکن ہے اور اس سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہتا جو معاہدہ اسے ترکی یا کسی غیر عرب قوم سے معاہدہ کرنے سے بالکل نہیں روکتا۔ عراق کے اس قدر مصالحانہ رویہ کے باوجود مصر نے عراق کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا اور نام نہاد آزاد عراق ریڈیو نصب کر کے اس کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ جاری کر دیا۔ دتعجب ہے کہ عراق کی مساعی سے مصر نے اس سے باز رہنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ عربی دفاعی معاہدے کو کالعدم سمجھتے ہوئے مصر نے ایک نئے عربی دفاعی معاہدے کی تشکیل کی طرح ڈال دی حالانکہ ایک معاہدے کی موجودگی میں دوسرے معاہدے کی ضرورت نہیں تھی۔ مصر کو اس ضمن میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی بلکہ اسکی کوششوں سے عرب تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک مصر، شام اور سعودی عرب پر مشتمل ہے جو نیا معاہدہ دفاع مرتب کرنا چاہتا ہے۔ دوسرا فریق عراق ہے جو بیرونی امداد کا قائل ہے۔ تیسرا گروہ باقی عرب ممالک ہیں۔ وہ مصر سے اتفاق نہیں رکھتے ہیں لیکن علانیہ عراق کی پالیسی پر کاربند نہیں ہونا چاہتے گو اسے ہمدردی سے ضرور دیکھتے ہیں۔ وہ عراق اور مصر میں مفاہمت کے لئے کوشاں ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مصر اپنے موقف کی تائید میں قابل ذکر فضا تیار نہیں کر سکا اور اس کے مجوزہ دفاعی معاہدہ کی تفاصیل ابھی تک طے نہیں ہو سکیں۔ اس ناکامی سے برافروختہ ہو کر اب وہ روس کی طرف دیکھنے لگ گیا ہے۔ حالانکہ میجر صلاح سالم نے اسی تقریر میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ روس سے مدد لینے کے نتائج مستحسن نہیں ہو سکتے۔ دراصل انھوں نے روس کا نام اقوام مغرب کو مرعوب کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔

میجر سالم صاحب نے جو کہا ہے کہ عرب روس سے مدد کے طالب ہوں گے، اس سے دو امور سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ عرب بیرونی امداد کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اگر مصر کو اس کا احساس ہے کہ بیرونی مدد کے بغیر ان کا کام نہیں چل سکتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اقوام مغرب بالخصوص امریکہ سے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ امریکہ اسے مدد دے بھی سکتا ہے اور دینے کے لئے تیار بھی ہے۔ محض ضد میں آکر اس مدد کو ٹھکرانا دانشمندی نہیں کہلا سکتی۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سے عرب روس سے مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ عراق ایسی مدد کا طلب گار نہیں۔ لبنان اور اردن بھی اس کے حق میں نہیں ہو سکتے۔ تو کیا مصر اور اس کے دو ایک ساتھی اس مدد کے حصول کی کوشش کریں گے؟ اوّل تو یہ دیکھنا ہے کہ کوئی عرب ملک واقعی ایسی مدد کا عملاً طلب گار ہوتا ہے لیکن اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دو ایک ملک اس کے لئے تیار ہو جائیں گے تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ ممالک اقوام عرب میں مستقلاً پھوٹ پیدا کریں گے کیونکہ جہاں وہ روس سے مدد لے رہے ہوں گے وہاں ان کے ہمسائے امریکہ کے حلیف ہوں گے۔ اس سے دنیائے عرب میں "مشرق و مغرب" کی لکیریں کھنچ جائیں گی اور وہ کوریا، ہند چینی، جرمنی کی طرح مستقلاً بٹ جائے گی۔ کیا مصر اس صورت حال کیلئے واقعی تیار ہے؟ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ روس سے مدد طلب کی گئی تو بلاد عرب میں کمیونزم کے قدم جم جائیں گے اور اس سے عربوں کے لئے ایک نیا خطرہ پیدا ہو جائیگا۔ یقیناً کوئی عرب ملک یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

ہر چند میجر صلاح سالم نے کہا ہے کہ انھوں نے ترکی عراقی معاہدے کو وقار کا سوال نہیں بنا لیا لیکن ان کے انداز گفتگو سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ غصہ میں حقائق کو ٹھکرا رہے ہیں اور ایسی باتیں کر رہے ہیں جن کے معنی پر انھوں نے ذرہ بھر غور نہیں کیا۔

مسلمان ممالک ان رقابتوں میں الجھے ہوئے ہیں تو دوسرے ممالک ان کے "انہماک" کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مصر نے حقائق ناشناسی کے صدقے میں سوڈان کو قریباً ہاتھ سے کھو دیا ہے۔ اس سال کے آخر میں سوڈان میں انتخابات منعقد ہوں گے اور ان کے ذریعہ ایک مجلس دستور ساز معرض وجود میں لائی جائیگی جو یہ فیصلہ کرے گی کہ سوڈان کو مصر سے الحاق کرنا ہے یا آزاد ہونا ہے۔ سوڈان کی موجودہ حکومت مصر سے الحاق کے حق میں تھی لیکن اب وہ بددل ہو کر آزادی کے خواب دیکھ رہی ہے۔ آزادی پر اصولاً اعتراض نہیں کیا جا سکتا لیکن اس سے سوڈان اور مصر کے مابین غلط فہمیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ چنانچہ دریائے نیل کے پانی کی تقسیم

بین الاقوامی جائزہ

ہفتہ گذشتہ میں بین الاقوامی توجہات کا مرکز بیشتر سان فرانسسکو رہا ہے۔ جہاں ۲۰ر جون سے ۲۶ر جون تک منشور اقوام متحدہ کی دسویں سالگرہ کی تقریب منائی گئی۔ اس میں اقوام متحدہ کے ساٹھ ارکان کے نمائندے شریک ہوئے۔ گو مندوبین نے اپنی تقریروں میں اقوام متحدہ کی ناکامیوں پر تبصرہ کیا ہے۔ اور اپنے اپنے نقطۂ نگاہ سے حریف اقوام پر نکتہ چینی بھی کی۔ لیکن ان کا عمومی انداز امن پسندانہ رہا۔ دراصل یہی اس تقریب کی کامیابی ہے کوئی بڑے سے بڑا خوش فہم بھی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ اس اجتماع سے بین الاقوامی کشیدگی یک قلم ختم ہو جائے گی بجائے موجودہ متعلقہ اقوام کا سنبھل کر بات کرنا اور امن کی فضا کو نہ بگاڑنا بڑا غنیمت ہے۔ جہاں تک عالمی کشیدگی کا تعلق ہے۔ اس کے مکمل ازالے کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ قومیت کی بجائے بین الاقوامیت یا بالفاظ صحیح تر "انسانیت" کو فروغ حاصل ہو۔ لیکن ہنوز ذہن انسانی اس انقلابی تصور کو معاشرے کی اساس بنانے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ مسٹر ڈاگ ہیمر شولڈ، سکریٹری جنرل اقوام متحدہ نے ۲۰ر جون کو سٹین فورڈ یونیورسٹی میں ایک تقریر کرتے ہوئے اس کا اعتراف بھی کیا کہ دنیا ایک عالمی حکومت کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ معاشی فنی اور سیاسی اعتبارات سے انسانیت کو ایک وحدت متصور کرنا چاہیئے۔ انھوں نے بجا طور پر کہا کہ وحدت کی مزاحمت وطنیت کی طرف سے ہو رہی ہے۔

بہر کیف متشدد وطنیت کی فضا میں بین الاقوامی تعاون

۴۴

پر دونوں میں خاصے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ محولہ بالا تقریر میں میجر صلاح سالم نے سوڈان کی حکومت پر الزام لگایا ہے کہ وہ اس ضمن میں غیر معقول رویہ اختیار کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے یا نہیں یہ حقیقت ضرور ہے کہ دونوں میں اختلافات کی خلیج حائل ہو گئی ہے اور مصر اس کی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا۔

انہی حالات کی بدولت مسلمان ممالک مغرب اقصیٰ کی کوئی عملی مدد نہیں کر سکتے۔ ۲۵ر جون کو عرب لیگ کے اسسٹنٹ سکریٹری نے فرانس کو اس کے تشدد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ یہ ٹھیک لیکن سوال تو یہ ہے کہ فرانس اس دلیل کو تسلیم نہ کرے تو پھر کیا چارہ کار ہے؟ عرب لیگ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ چنانچہ آزادی خواہان مراقش و الجیریا اپنے طور پر فرانسیسی جبر و تشدد کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ فرانسیسی فوج ان پر جو مظالم توڑ رہی ہے سو توڑ رہی ہے فرانسیسی آبادکاروں نے بھی ان پر جوابی دہشتناک حملے شروع کر دیئے ہیں گو فرانسیسی حکومت ان کے خلاف کارروائی کر رہی ہے لیکن اس کی تشدد کی حکمت عملی میں کسی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے۔ وہ اصلاحات کی باتیں بھی کر رہی ہے مگر اصلاحات کا جو تصور ابھر رہا ہے وہ آزادی پسندوں کو مطمئن نہیں کر سکیگا کیونکہ وہ تیونس کی اصلاحات سے کہیں فروتر ہے۔ اصلاحات تو آتے آتے آئیں گی لیکن ظلم کا دور دورہ شدت سے جاری ہے۔

کی جو ممکن فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کا تصور حالات کی رو کے منطقی نتیجے کے طور پر ابھرتا چلا آ رہا ہے۔ سان فرانسسکو کی تقریبات میں اس امر کی بین شہادت ملتی ہے۔ اس تقریب کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ چار بڑے ممالک کے وزرائے خارجہ کو بھی طور پر مل کر چوٹی (یعنی رہنمایان مملکت) کی ملاقات کی تفاصیل طے کرنے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ ان پر عمومی اتفاق ہو گیا ہے۔ یہ ملاقات ۱۸ جولائی کو جنیوا میں شروع ہوگی۔ کوشش یہ ہے کہ اسے کم سے کم مدت میں ختم کیا جائے۔ روس اس کی میعاد کا تعین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اقوام مغرب اسے چار دن یا حد چھ دن تک محدود رکھنا چاہتی ہیں۔ اس ایک شق پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ اقوام متحدہ کی سالگرہ کے بعد رہنمایان مملکت کی متوقع ملاقات سونے پر سہاگہ کا کام دے گی۔ کیونکہ بہر حال اس سے امن کی فضا کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائیگی۔ جولائی کی ملاقات سے بھی محیر العقول نتائج کی توقع وابستہ نہیں کی جا سکتی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس سے باہمی امن کی فضا برقرار رہے گی۔ اور اس فضا میں متنازعہ امور سے متعلق تصفیہ ہونے کے امکانات روشن ہو جائینگے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ روس اور امریکہ اختلاف نظریات کے باوجود اس امر کے خواہشمند ہیں کہ تعاون باہمی کے امکانات بڑھیں۔ چنانچہ فریقین کی کوشش یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی وساطت سے یا براہ راست ملاقاتوں سے بین الاقوامی کشیدگی کم کی جائے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس سے تیسری عالمگیر جنگ کا امکان ختم ہو جائے گا۔ لیکن اتنا یقینی ہے کہ جنگ کو ناگزیر سمجھنے کا تصور رفتہ رفتہ دھندلا ہوتا جا رہا ہے۔

پنڈت نہرو کا دورہ روس ختم ہو گیا ہے۔ وہ ماسکو سے فنی امداد اور دوستانہ روابط کا وعدہ لائے ہیں۔ اس امداد اور دوستی کی عملی شکل کیا ہوگی۔ اس کا اندازہ آہستہ آہستہ ہوگا۔ البتہ بین الاقوامی سیاست میں پنڈت جی اس دورے کا فائدہ اٹھانے کی ضرور کوشش کریں گے۔ وہ ایک عرصہ سے اقوام مغرب کو یقین دلاتے چلے آ رہے تھے کہ اشتراکی مزاج کو وہی بخوبی سمجھتے ہیں۔ اور وہی اس کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ اب چین اور روس سے ہو آنے کے بعد ان کی ترجمانی کی "قابلیت" کو اور زیادہ شد و مد سے پیش کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ انہیں لندن سے دعوت موصول ہو چکی ہے کہ وہ وزیر اعظم سر انتھنی ایڈن سے ملاقات کریں۔ پنڈت نہرو روس اور چین کے دوروں کو بین الاقوامی سیاست میں کسی مقصد کے لئے کیوں نہ استعمال کریں۔ اس سے انکار مشکل ہے کہ ان پر کمیونزم کا اثر بڑھ جائے گا۔ چین کے وزیر اعظم چو۔ این۔ لائی ہندوستان آ چکے ہیں۔ اب پنڈت نہرو مارشل بلگانن کو ہندوستان آنے کی دعوت دے آئے ہیں۔ ان کی آمد موسم سرما میں ہوگی۔ اس آمد و رفت سے اندرون ہند کمیونسٹوں کو بڑی شہ ملتی ہے۔

فردوس گم گشتہ

انسان نے کونسی جنت کھوئی
اور اسے کیسے دوبارہ حاصل کیا
جا سکتا ہے؟
اس سوال کا نرالا جواب

صفحات ۴۱۲ — قیمت چھ روپے

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ - کراچی - ۳

انسانی معاشرہ

میں امن و توازن کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ مختلف افراد معاشرہ
ایسے اصولوں کی پابندی کریں جو ان کی عقل کے

مفاد پرستانہ تقاضوں

کے ساتھ ساتھ بدلتے نہ رہیں۔ ایسے اصول وضع کرنا

عقل کے بس کی بات نہیں۔

نہ یہ اصول انسان کی فطرت کے اندر از خود موجود ہیں۔

یہ اصول کیا ہیں ؟

اور ان سے امن و توازن والا معاشرہ کیسے متشکل کیا جاسکتا ہے ؟

اس کے لئے دیکھئے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔

قسم اول : کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھہ روپے
قسم دوم : کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۲ - کراچی۔۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM

جلد نمبر ۸ شمارہ ۲۳	کراچی : ہفتہ ۔ ۹ ۔ جولائی ۱۹۵۵ء	قیمت چار آنہ سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا ؟

گزشتہ اقساط میں بتایا جاچکا ہے کہ قرآن کی رو سے فرقہ پرستی شرک ہے ۔ یہ پیدا ہوتی ہے قرآن کو چھوڑنے سے اور اس کے مٹانے کی واحد شکل یہ ہے کہ پوری امت انسانوں کی خود ساختہ شریعت کو چھوڑ کر خدا کی کتاب کو واحد اور مکمل ضابطۂ حیات تسلیم کرے ۔

قرآن کی رو سے دین اور دنیا، مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہیں اس لئے فرقہ پرستی سے اس کی مراد مذہبی فرقے ہی نہیں بلکہ سیاسی پارٹیاں بھی ہیں ۔ چنانچہ جب اس نے حکمت کلیمی کے مقابلہ میں حکمت فرعونی کا ذکر کیا ہے تو اس نے کہا یہ ہے کہ فرعون کرتا یہ تھا ۔ ان فرعون علافی الارض و جعل اھلھا شیعاً (۲۸/۴) ۔ کہ وہ سر زمین مصر میں اپنی قوت و اقتدار سے کام لے کر ملک کے باشندوں کو پارٹیوں میں تقسیم کر دیتا تھا ۔ اور ایک پارٹی کو تقویت دیکر دوسری کے ساتھ بھڑا دیا کرتا تھا ۔ یہی وہ پارٹی بازی ہے جس سے دور حاضرہ کی فرعونی سیاست کو فروغ ملتا ہے ۔ اور اسی کو مٹانے کیلئے قرآن آیا تھا ۔ لیکن بدبختی ملاحظہ ہو خود مسلمان بھی حکومت کیلئے پارٹیوں کے وجود کو ناگزیر سمجھ رہا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اس کے خدا نے اسے کھلا ہوا شرک اور فرعون کا طریقہ قرار دیا ہے ۔

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں ۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے ۔ اس لئے نوع انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی ۔
3. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے ۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہو صحیح ہے جو اس کے خلاف ہو غلط ہے ۔
4. حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن بعض سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر دی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے ۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں ۔ حضور کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے ۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں ۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے ۔
6. اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے ۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا ۔ اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔
8. ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے ۔ اسے قرآنی "نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے ۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

اب پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی ذات (پوشیدہ صلاحیتیں) کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے" ۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ عالم اسلامی کی وحدت ★ بسوں کی ہڑتال ★ روح جعفر ★ واضعین آئین کے نام ★ مجلس اقبال
★ تاریخی شواہد ★ اتباع سنت میں اختلاف ★ سرگزشت اسلام ★ بزم طلوع اسلام ★ اقوام متحدہ کے دس سال

As. -/4/-

سلیم کے نام

ملت کا نوجوان طبقہ مشرق و مغرب کے تصادم سے اگر قرآن سے دور ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سامنے قرآن پیش ہی نہیں کیا گیا ۔

یہ کوشش پرویز صاحب نے کی ہے ۔ اس کتاب کا مخاطب ملت کا نوجوان طبقہ ہے ۔

صفحات ۳۰۸ قیمت دو روپے

فردوس گم گشتہ

پرویز صاحب کے ان مضامین اور تقاریر کا مجموعہ جنھوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے ۔

خالص ادبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی ۔

صفحات ۳۱۶ قیمت چھ روپے

ابلیس و آدم

مغربی مفکر بھانپ چکے ہیں کہ مغرب کے غرق ہونے کا خطرہ سر پر ہے اور وہ تنہا ہی نہیں ڈوبیگا بلکہ نوع انسانی کو بھی اپنے افکار و اعمال کے گرداب میں غرق کر دیگا ۔

یہ تباہی وحی کی روشنی سے محروم ہونیکا نتیجہ ہے ۔ وحی کی روشنی کیا ہے؟ اور وہ انسانیت کی فلاح کا ذریعہ کیسے بن سکتی ہے؟ 'ابلیس و آدم' انھی سوالات کا جواب ہے!

ضخامت ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے ۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا ۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے ۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے ۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے ۔ کتابوں کے لئے الگ ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے ۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے ۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے ۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے ۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ۔ کراچی ۔ ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ — ۹ رجولائی ۱۹۵۵ء — نمبر ۲۳

عالمِ اسلامی — تفریق یا وحدت!

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

گزشتہ ہفتے عالمِ اسلامی میں دو ایسے اہم واقعات رونما ہوئے ہیں جن کا تفصیلی جائزہ لیے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ یہ واقعات دو ایسی مختلف اور متضاد قوتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو اسوقت عالمِ اسلامی میں سرگرمِ عمل ہیں۔ ایک قوت تشتت و افتراق کی ہے جو باہر سے اثر انداز ہو رہی ہے اور بیرونی مقاصدِ مشئومہ کی تکمیل کی خاطر بھائی کو بھائی سے جدا کر کے انھیں آپس میں لڑا رہی ہے۔ دوسری قوت اتحاد و وحدت کی ہے جو قلبِ مسلم کی گہرائیوں سے ابھر رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اوّل الذکر قوت مصنوعی ہے اور مستعار، لیکن یہ قوت اتنی بے پناہ ہے کہ یہ نہ صرف اس اساسی جذبۂ اتحاد ہی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جا رہی ہے جو دو مسلمان مملکتوں میں فطری طور پر موجود ہونا چاہیئے بلکہ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک عظیم خطرے کا موجب بن گئی ہے۔

پہلا واقعہ افغانستان اور پاکستان کے مابین مصالحت کی ناکامی ہے۔ پاکستانی پرچم اور قونصل خانوں پر حملے کے سلسلہ میں افغانستان کی حکومت نے جس غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا وہ بادی النظر میں شاید ایک انفرادی واقعہ دکھائی دے لیکن جن کی نگاہیں سطح سے ذرا نیچے اتر کر دیکھ سکتی ہیں انھیں اس حقیقت کو غیر مستور دیکھ لینے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوگی کہ یہ واقعہ دراصل ایک سلسلۂ دراز کی کڑی تھا۔ افغانستان وہ بدبخت ملک ہے جس نے پہلے دن سے ہی پاکستان کی دشمنی کو اپنا شعار بنا لیا۔ پاکستان، افغانستان کا وہ نیا مسلمان ہمسایہ تھا جس کے باشندے افغانستان اور والیانِ افغانستان سے والہانہ قلبی لگاؤ رکھتے چلے آ رہے تھے۔ ایسے ہمسائے کی آزادی پر افغانستان کو دلی مسرت ہونی چاہیئے تھی، کیونکہ اس سے (اور از خود) افغانستان پر بھی دفاع اور معاش کی راہیں بڑی آسان ہو جاتی تھیں۔ لیکن افغانستان کے اندھے پن کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے ذاتی مفاد کا پاس بھی نہ کیا اور بلا سوچے سمجھے بدخواہانِ پاکستان و دشمنانِ وحدتِ اسلامیہ کا آلۂ کار بن گیا اور کم و بیش آٹھ سال سے وہ بدخواہوں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلتا چلا آ رہا ہے۔ اور اس کا قطعًا احساس نہ کیا کہ مخالفت کی یہ مٹے سرکش جسے وہ حریفانِ پاکستان کے میکدوں سے مستعار لے رہا ہے خود اس کے حق میں بھی کس قدر مینا گداز واقعہ ہوتی ہے۔

۳۰ مارچ اور اس کے بعد کابل، قندھار اور جلال آباد میں جس وحشت اور درندگی سے پاکستانی جھنڈے کی توہین کی گئی اور پاکستانیوں کے جان و مال کو نقصان پہنچایا گیا وہ پاگل پن کا بدترین مظاہرہ تھا جس کی ساری دنیا کی طرف سے بجا طور پر مذمت ہوئی۔ پاکستان اس کی تلافی کے لئے جو کچھ کرتا وہ قابلِ فہم ہی نہ ہوتا، بلکہ بین الاقوامی قانون کی رو سے حق بجانب بھی ہوتا لیکن پاکستان نے نہ تو قانونی مقتضیات کے پورا ہونے پر چنداں زور دیا اور نہ وقار کے سوال کو زیادہ اہمیت دی۔ اس نے اسے خصوصیت سے ملحوظ رکھا کہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے بیوقوف مگر مسلمان ہمسائے کو خواہ مخواہ نقصان پہنچے۔ چنانچہ اس نے محض آبرومندانہ تلافی کے مطالبہ پر قناعت کی۔ لیکن پلیٹ ٹھونکنے والوں کی شہ میں آ کر افغانستان نے اسے ٹھکرا دیا۔ اس پر پاکستان نے ۱۵ مئی کی تاریخ مقرر کی کہ اس وقت تک تلافی نہ کی گئی تو وہ افغانستان کا معاشی مقاطعہ کر دے گا۔ اس الٹی میٹم پر عمل درآمد کرنے میں ابھی تین دن باقی تھے کہ سعودی عربیہ کے شاہزادہ مساعد مصالحت کرنے کی غرض سے کراچی آ گئے۔ پاکستان نے ان مساعی کو کامیاب بنانے کے لئے بڑے مخلصانہ تعاون کا ثبوت دیا اور محض مصالحت کی خاطر ان غیر متعلق امور میں بھی افغانستان کو مراعات دینے پر رضامند ہو گیا جو اس نے مصالحت کو ناکام بنانے کی نیت بد سے خواہ مخواہ کھڑے کر دیئے اور ان پر احمقانہ ضد کی۔ یہ پاکستان کی مصالحت پسندی کا اثر تھا کہ شاہزادہ مساعد نے ایک سے زیادہ مرتبہ یہ اعلان کیا کہ جہانتک اصولوں کا تعلق ہے باہمی مفاہمت ہو چکی ہے البتہ ایک آدھ امر کی تفصیل کا تعین باقی ہے۔ دنیا بھر میں بالعموم اور دنیائے اسلام میں بالخصوص ان اعلانات کا خیر مقدم کیا گیا کیونکہ یہ ایک ایسی نزاع کے خاتمہ بالخیر کی خبر کے حامل تھے جس کے نتائج بد دونوں کے لئے دور رس تھے۔ لیکن امیدیں بن بن کر بگڑیں اور ڈیڑھ ماہ کی شبانہ روز کوششوں کے بعد بالآخر شاہزادہ مساعد اور کرنل انور السادات کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ وہ تصفیہ کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ ہمارے مصالحت کرانے والے دوستوں کو ناکامی کا اعلان اس حال میں کرنا پڑا کہ امرِ متنازعہ سے متعلق سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ ناکامی کی وجہ یہ ہوئی کہ افغانستان نے غیر متعلقہ امور کو اس تصفیہ سے متعلق کرنے پر ضد کا ثبوت دیا اور حد تو یہ ہے کہ اس نے پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ ختم کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک افغانستان پاکستان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ جاری رکھے گا دونوں ممالک کے مابین اچھے ہمسایوں کے سے تعلقات پیدا نہیں ہو سکتے اور پاکستان کو کبھی اطمینان نہیں ہو سکتا کہ اس کے باشندے اور نمائندے افغانستان میں محفوظ و مصئون رہ سکیں گے اور جب تک پاکستان کو ایسا اطمینان حاصل نہیں ہو جاتا وہ اپنے باشندوں اور نمائندوں کو افغان حکومت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔

مصالحت کی ناکامی سے متعلق اب تک تین اعلانات شائع ہوئے ہیں۔ ایک اعلان شاہزادہ مساعد کی طرف سے دوسرا حکومتِ پاکستان کی طرف سے اور تیسرا کرنل انور السادات کے نمائندے کی طرف سے۔ ان تینوں اعلانوں کے مطالعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومتِ افغانستان مفاہمت کے لئے تیار نہیں تھی اور اس نے قدم قدم پر اسے ناممکن العمل بنایا۔ ایک شق پر اتفاق ہونے پر وہ ایک نیا شوشہ چھیڑ دیتی رہی۔ یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ متنازعہ فیہ امر کے جملہ پہلوؤں پر مصالحت ہو جانے کے باوجود غیر متعلقہ امور پر اتفاق نہ ہو سکنے کی وجہ سے مساعیٔ مفاہمت کی ناکامی کا اعلان کر دینا پڑا۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس دن مفاہمت

کی ناکامی کا اعلان ہوا اسی دن یہ اعلان بھی ہوا کہ افغانستان اور روس نے ایک پنج سالہ معاہدہ کرلیا ہے جس کی رو سے دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے علاقے سے سامان لیجانے کا پورا پورا حق ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ افغانستان دنیا کو مفاہمت کا دھوکہ دیتا رہا۔ کیونکہ وہ بظاہر صلح کی کوششوں میں شریک رہا لیکن درپردہ روس سے بھی ساز باز کرتا رہا اور جب اس نے روس سے معاہدہ کرلیا تو اس نے مساعی مفاہمت کو ختم کردیا۔

افغانستان کی اس حرکت نے بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ افغانستان کی قدرتی راہیں پاکستان سے گزرتی ہیں۔ اس نے اب بزعم خود یہ سمجھا ہے کہ وہ ان راہوں سے بے نیاز ہوسکتا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا سے تجارت کرسکتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی کوتاہ بینی ہے روسی راستے پاکستانی شاہراہوں کا کسی صورت میں بھی بدل نہیں ہوسکتے وہ دشوار گذار بھی ہیں اور طویل و پُر پیچ بھی۔ ان کے ذریعہ افغانستان نہ اپنی اشیائے برآمد اپنے گاہکوں تک پہنچا سکتا ہے نہ اپنے مصرف کی چیزیں دوسرے ممالک سے حاصل کرسکتا ہے۔ گویا تجارتی طور پر یہ سراسر خسارے کا سودا ہے۔ لیکن اس کا خسارہ تجارت تک محدود نہیں رہیگا بلکہ اس نوک نشتر کی زد بہت دور پہنچے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ افغانستان میں روسی اثر و نفوذ بڑھ جائیگا۔ روس ایک عرصے سے اس کا خواب دیکھ رہا ہے اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو نہ محض پاکستان کمیونزم کے نرغے میں آجائے گا بلکہ مشرق وسطیٰ میں بھی کمیونسٹ خطرہ بڑھ جائیگا۔ اس سے مسلمان ممالک دوہرے عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے۔ ایک تو آئیڈیالوجی کی جنگ اور دوسرے ان کی باہمی وحدت کا ناقابل تلافی نقصان۔ اس سلسلہ میں اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ افغانستان جیسے ملک میں کمیونسٹ اقتدار کو بڑی سازگار فضا میسر آسکتی ہے۔ یہ ملک بہت پسماندہ ہے اور اس کی حکومت خاندانی اور جاگیردارانہ ہے جس کا عوام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان طرح طرح کی سازشوں کا مرکز بن گیا ہے۔

اس ناکامی کے بعد کیا ہوگا؟ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس کی راہ بالکل واضح ہے۔ یہ دنیا بھر میں مسلّم ہے کہ اس تنازعہ کی ساری ذمہ داری افغانستان پر ہے۔ اب یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ افغانستان نہ اپنے کئے پر پشیمان ہے نہ وہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہے۔ اس طرح گویا افغانستان نے پاکستان کو مجبور کردیا ہے کہ وہ اس کے خلاف سخت اقدامات کرے۔ پاکستان کے پاس اب دوسرا چارہ کار ہی نہیں رہا۔

پاکستان کا رویہ اپنی جگہ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صلح کرانے والوں کی ذمہ داری اس پر ختم ہوجاتی ہے کہ ناکامی کا اعلان کردیا جائے؟ اگر بات یہیں ختم کردی جائے تو یہ بیچارگی کی حد ہوگی۔ دنیائے اسلام کے لئے یہ صورت حالات کسی طرح بھی خوش آئند نہیں ہوسکتی کہ ایک ملک مثلاً افغانستان غلطی پر ہونے کے باوجود ان کی مشترکہ خواہشات کو ٹھکرا دے اور مساعی مصالحت کو بے نتیجہ بنادے وحدت اسلامی کے لئے یہ سب سے بڑا چیلنج ہے۔ لہٰذا اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد سے جلد اس کمزوری کو رفع کیا جائے اور کسی ایک ملک کے لئے یہ ناممکن بنا دیا جائے کہ وہ مجموعی مفاد کے خلاف جاسکے۔ ظاہر ہے کہ اس کمزوری کے رفع کرنے کی واحد صورت باہمی اتحاد اور ایک ایسی تنظیم کی تشکیل ہے جو ممالک اسلامیہ کے مشترکہ امور میں حَکم کا کام دے سکے۔ اس منزل کا قدم اوّل وہ معاہدے ہیں جو حال ہی میں ترکی اور پاکستان اور ترکی اور عراق میں طے پائے ہیں۔ اس سے وہ دوسرا واقعہ سامنے آتا ہے جس کی طرف ابتدائی سطور میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ہرچند ان معاہدوں نے ترکی عراق اور پاکستان کو بالواسطہ ایک دوسرے کا حلیف بنادیا تھا لیکن ایک عرصے سے یہ کوشش ہورہی تھی کہ ان کو براہ راست ایک دوسرے کا حلیف بنادیا جائے۔ اور اس اساس پر عالم اسلامی کی وحدت کی عمارت کھڑی کی جائے۔ پاکستان نے ترکی عراقی معاہدے میں شرکت کا اعلان کرکے راستے کا ایک بہت بڑا روڑا ہٹا دیا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے۔ ان معاہدوں کا مقصد یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ کو ایک دوسرے سے قریب تر لایا جائے اور ان میں ایسے روابط پیدا کئے جائیں کہ وہ امن اور جنگ دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کی مدد کو پہنچ سکیں۔

ممالک اسلامیہ کا ہر خیرخواہ ان مساعی اتحاد کو بنظر استحسان دیکھتا ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ان کو ناکام بنانے کی بھی کوشش شروع کردی گئی ہے۔ ان کا سب سے بڑا مخالف مصر ہے۔ جس کے مرید سعودی عرب اور شام ہیں۔ ہم اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ یہ مخالفت کیوں ہورہی ہے کیونکہ اس پر تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔ وجہ جو بھی ہو یہ یقینی ہے کہ اس سے عالم اسلامی کی وحدت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ کوشش مصر اور سعودی عربیہ جیسے ممالک کی طرف سے ہورہی ہے۔ جنھوں نے پاکستان اور افغانستان میں مصالحت کی مبارک مساعی کرکے اس کا عملی ثبوت دیا ہے کہ وہ عالم اسلامی میں باہمی رقابت اور تصادم کے علل و اسباب کو کم کرنے کے متمنی ہیں۔ اگر وہ پاکستان اور افغانستان میں کشیدگی دیکھنے کے روادار نہیں تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ مسلم اور عرب ممالک میں پھوٹ ڈالنے کو کس طرح مستحسن سمجھ سکتے ہیں؟ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اس ضمن میں انھوں نے جو روش اختیار کی

...... ہے اس پر اصرار کیا گیا تو اس کا نتیجہ یہی کچھ ہوگا۔ آج یہ جاننے کے لئے زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں کہ عالم اسلامی کی اولین ضرورت باہمی اتحاد ہے اور دوسری ضرورت اس اتحاد کی بنیاد پر دنیا کی بڑی بڑی اقوام سے معاملے کرنا ہے تاکہ اس کرۂ ارض پر مسلمان آبرومندانہ مقام حاصل کرسکیں۔ یہ مقام بغیر اتحاد باہمی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ہماری تمام کوشش اس مقصد کے حصول اور تمام جدوجہد اس منزل تک پہنچنے کے لئے وقف ہونی چاہئے۔

کس قدر مقام عبرت ہے یہ تلخ حقیقت کہ آج اتحاد کا پیغام اس ملت کو دینا پڑتا ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے آئینۂ اتحاد بن کر آئی تھی؟ وہ ملت جس کے محراب و منبر سے آج بھی یہ جاں نواز صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔

حق ترا چشمے عطا کرد است غافل در نگر!

روحِ جعفر

دہلی کی خبر ہے کہ ہندوستان سے دس ارکان پر مشتمل ایک وفد اسی ماہ حجاز جارہا ہے۔ اس کی قیادت حبیب الرحمٰن لدھیانوی کریں گے۔ ارکان میں سے دو ان کے صاحبزادے اور بقیہ دوست ہیں۔ خیال یہ تھا کہ اس وفد کی قیادت جمعیۃ العلمائے ہند کے کسی عالم کو تفویض کی جاتی۔ مگر اس کے ترجمان روزنامہ "الجمعیۃ" نے فرقہ وارانہ فسادات، اردو اور معاشی اور مذہبی امور کے بارے میں ایسی تنقیدی روش اختیار کر رکھی ہے کہ اس کے کسی رکن کو اتنا معتمد نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ ایسے وفد کی قیادت کرے۔ اس سفر پر ایک لاکھ روپے کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ان مصارف کو کون پورا کریگا اس سوال کا جواب حبیب الرحمٰن کے انتخاب میں ہی مل جاتا ہے پچھلے دنوں انھوں نے متعدد بار بڑی تعلّی سے کہا ہے کہ انہیں کانگریس کی طرف سے بیس ہزار روپے ماہانہ اس مطلب کے لئے ملتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں کانگریس کو ہردلعزیز بنائیں۔

اس وفد کا مقصد یہ ہے کہ حج کے موقع پر جب مختلف ممالک اسلامیہ کے نمائندے جمع ہوں تو اس کے ارکان انہیں بتائیں گے کہ مسلمانان ہندوستان ہندو حکومت کے زیر سایہ بڑی عافیت سے وقت گذار رہے ہیں۔ اور ان کی عزت، جان، مال، مذہب، کلچر سب محفوظ ہیں۔ حبیب الرحمٰن غیر منقسم پنجاب کے اس طائفہ مشہورہ سے تعلق رکھتے ہیں جو تقسیم سے پہلے ہندو کے اشارے پر مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کرتے رہے اور شور مچا مچا کر دنیا پر یہ واضح کرتے رہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ اور آزاد حکومت کی کوئی ضرورت نہیں اور انہیں بدستور ہندوؤں کی غلامی میں رہنا چاہیئے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کا سارا زور دنیا کو یہ جتانے پر صرف ہو رہا ہے کہ وہ ہندو کی حلقہ بگوشی کو ہی دینی اور دنیوی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اب یہ کاسہ لیسانِ ازلی، کعبے کا غلاف تھام کر مسلمانانِ عالم کو اس دھوکے میں مبتلا کریں گے کہ انہیں دنیا میں کہیں امان ملی ہے تو وہ ہندوؤں کے سایۂ عاطفت میں ہے۔ اقبال انہی کے متعلق کہہ گیا ہے:

جعفر اندر ہر بدن ملت کش است
ایں مسلمانے کہن ملت کش است

خندہ خنداں است و با کس یار نیست مار اگر خنداں شود جز مار نیست
از نفاقش وحدت قومے دو نیم ملت او از وجود او لئیم
قومے را ہر کجا غارت گرے است اصل او از صادقے یا جعفرے است

الاماں از روح جعفر الاماں
الاماں از جعفران ایں زماں

اور ان "جعفروں" کی خود پاکستان میں بھی کمی نہیں ہے۔ بڑے بڑے مقدس نقابوں کے اندر جعفر!

بسوں کی ہڑتال

یوں تو زندگی کے کسی شعبے میں دیکھئے معاشرہ کی وہ ناہمواریاں کھلی کھلی سامنے آجائیں گی جو انسان کو جہنم ارضی کے نچلے سے نچلے

درجے میں دھکیل رہی ہیں۔ لیکن شہری ذرائع آمد و رفت اور وسائل حمل و نقل میں معاشرے کی جو تصویر نظر آتی ہے، شاید اس سے زیادہ گھناؤنی تصویر کہیں اور نہ مل سکے۔ کراچی جیسے شہر میں جہاں آبادی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور لوگ کسب معاش کے لئے روزانہ طویل طویل فاصلے طے کرنا پڑتے ہیں۔ ذرائع آمد و رفت کی اہمیت بالکل واضح ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ذرائع سہولت بخش آرام دہ اور سستے ہونے چاہئیں کیونکہ ایک تو یہ روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں دوسرے ان کے استعمال کرنے والے بیشتر ایسے لوگ ہیں جو محدود آمدنی کی بدولت متبادل ذرائع سے استفادہ نہیں کر سکتے لیکن عملاً جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ بڑا روح فرسا ہے۔

کراچی میں کم و بیش ایک ہزار بسیں ہیں جو متعدد افراد کی ملکیت ہیں۔ یہ افراد بالعموم پبلک سے دور اور بے تعلق رہتے ہیں۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے ملازمین زیادہ سے زیادہ دولت کما کر ہر شام ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا کریں۔ چنانچہ انھوں نے ملازمت کی شرائط ایسی رکھی ہیں جو کنڈکٹروں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ ان کی ہوس زر کی تسکین میں صبح و شام منہمک رہیں اور اس بات کا مطلقاً خیال نہ کریں کہ ان شہریوں کا کیا حشر ہوتا ہے جن کی خاطر بسیں چلتی ہیں اور جن کے دم سے ان کے آقاؤں کی تجوریاں بھرتی ہیں۔ چنانچہ وہ طرح طرح کے حربوں سے کام لیتے ہیں۔ وہ حریف آقا کی بس جاتی دیکھ کر اپنی بس تیز تر کر کے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اور چونکہ ہر کوئی ایسی کوشش میں مصروف ہو کہ دوسرے کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل جائے اس لئے ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حادثات کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بس والے بسوں کو اس طرح بھر لیتے ہیں جیسے وہ ڈھور ڈنگر لئے جا رہے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی بے ضابطگیاں کرتے ہیں جن سے مسافروں کو گوناگوں دشواریاں پیش آتی ہیں لیکن مسافر بے بس ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ پولیس ایک حد تک مداخلت کرتی ہے لیکن اس سے پولیس اور مالکان بس کے مابین ایک کشمکش شروع ہو گئی ہے جس سے مسافروں کو اور نقصان پہنچتا ہے گویا جہاں تک پولیس اور مالکان بس کا تعلق ہے ان میں سے کوئی فریق بھی مسافروں کی سہولت اور آسائش کو اپنی کارکردگی اور خدمت کا معیار نہیں بناتا۔

اسی کشمکش کا نتیجہ تھا کہ پچھلے ہفتے ایک دن اچانک شہر میں بسوں کی ہڑتال ہو گئی۔ بسوں کے بعد تانگوں اور رکشاؤں وغیرہ کی باری آتی ہے۔ لیکن انھوں نے دام کئی کئی گنا بڑھا دیئے جس سے مسافروں کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ ہڑتال کے دو دن میں کراچی میں جو نقشہ دیکھنے میں آیا۔ اسے دیکھ کر اس سارے معاشرے پر لعنت بھیجنی پڑتی ہے جس کے ایک گوشے میں یہ افراتفری مچی۔ ایک اچھے معاشرے میں جس کی اساس خدمت خلق پر ہو۔ ایسی صورت حال کا پیدا ہونا از قبیل محالات ہے۔ خدا خدا کر کے دو دن میں ہڑتال ختم ہوئی۔ اسے چھوڑیئے کہ ہڑتالیوں کے مطالبات کیا تھے اور وہ کہاں تک پورے ہوئے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ شہر پر ایسا عذاب نازل نہ ہو سکے یا اگر ہو تو اس کی شدت کچھ کم ہو۔ مالکان بس سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ

اس سوال کو در خور اعتنا سمجھیں کیونکہ ان کا ذاتی مفاد عاجلہ انھیں اس کی فرصت ہی نہیں دیتا۔ پولیس بھی اس صلاحیت سے تہی معلوم ہوتی ہے۔ فریقین ان فریقین میں سے اگر کوئی ایک مسافروں کے حقوق کا تحفظ کر سکتا ہے۔ تو وہ پولیس یا بالفاظ دیگر حکومت ہی ہے۔ لہٰذا ہم حکومت کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر اس نے اب تک اس مسئلے کو نہیں سوچا تو اب خدا کے لئے اس کا جائزہ لے اور اس کا حل تلاش کرے۔ اس کا حل ناممکن یا بہت دشوار نہیں۔ برسوں کے تجربے نے یہ حقیقت بالکل واضح کر دی ہے کہ شہری وسائل آمد و رفت کو ذاتی ملکیت میں نہیں رہنے دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کی بیشتر خرابیوں کی علت یہی ہے۔ یہ راز چند سال پہلے پا لیا گیا تھا۔ اور یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ ان وسائل کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا لیکن افسوس کہ واضح فیصلوں کے باوجود اس پر آج تک عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ حالانکہ بسوں کے ملازمین کئی بار مطالبہ کر چکے ہیں کہ ایسا کر لیا جائے۔ حکومت نے اس پر عمل درآمد کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کم از کم حکومت نے کبھی یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کیوں ایسا نہیں کر رہی۔ اس کی غالباً ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قومی ملکیت کے اصول کو بڑا انقلابی سمجھا جاتا ہے اور ذاتی مالک اپنے شخصی مصالح کو قومی مفاد کے تابع نہیں کرنا چاہتے۔ اول تو یہ جذبہ ایسا نہیں جس کا احترام کیا جائے کیونکہ شہر کی کثیر آبادی کی سہولت کو بہر حال چند سرمایہ داروں کے نجی مفاد پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اگر بالفرض اس پر کوئی ایسا ہی اصولی اعتراض ہے تو ذاتی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اس کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً موجودہ مالکان بس کا ایک مشترکہ مرکزی ادارہ بنا لیا جائے، جو ساری بسوں کو ایک ہی نظام کے تحت چلائے تو تیز رفتاری کا تدارک ہو سکیگا۔ نیز چونکہ اس طرح بسیں ایک مرکزی قاعدے کے مطابق چلیں گی اس لئے ان میں باقاعدگی پیدا ہو جائیگی اور وہ شہر کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بن جائیں گی۔ اس میں مالکان بس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ان کے ملازمین مطمئن ہوں گے مسافروں کو سہولت ہو گی اور خود پولیس پر سے نگرانی کی پابندی کم ہو جائے گی۔ گویا بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت تمام متعلقہ فریقوں اور مفادات کے لئے مفید ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت اس پر سنجیدگی سے غور کریگی اور مالکان بس سے ایک قابل عمل منصوبہ طے کر کے تمام شہری بسوں کو ایک مرکزی نظام کی تحویل میں دے دے گی۔

بزم طلوع اسلام

گولی مار کراچی

محمد نعیم صاحب ترجمان بزم طلوع اسلام نمبر ۱۲۴ گولیمار کوارٹرز۔ کراچی نے بزم کی مئی اور جون کی روئداد ارسال کی ہے جو درج ذیل ہے۔

اس بزم کا افتتاح ۲۰ر مئی کو ہوا۔ اور ماہ مئی میں دو اور ماہ جون میں چار اجتماع ہوئے۔

۲۲ر مئی کے اجتماع میں باتفاق رائے طے پایا کہ ہر ماہ قرآن کے اہم اصولوں کو اشتہاروں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا جائے۔ (اب تک ایک پمفلٹ "دعوت الی اللہ" شائع کیا جا چکا ہے)

(ب) مناسب تقاریر کے ذریعہ قرآنی پیغام کو پھیلایا جائے۔

(د) بزم ایسا فنڈ قائم کرے جس سے کم از کم اس حلقہ کے بے سہارا اور مسکین لوگوں کی معاشی مدد کی جائے

۳ر جون کے اجتماع میں (۱) تندرونیاز اور ختنہ کے بارے میں تبادلہ خیالات کیا گیا

۱۰ر جون کے اجتماع میں حلقہ شیر شاہ کے ترجمان اور ان کے احباب بھی شریک ہوئے۔ قربانی پر بحث رہی۔ قربانی کے بارے میں لسے خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا کہ قربانی کا مقام صرف مکہ ہے (ہر گاؤں ہر شہر میں نہیں) وہ بھی کھانے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے۔ نیز جانوروں کو ذبح کر کے دفن نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ آج کل مکہ میں رواج ہے۔

حج کی عالمی اہمیت پر بھی غور کیا گیا۔

۱۱ر جون کے اجتماع میں تعویذ گنڈے اور پیری مریدی پر بحث رہی۔

۲۴ر جون کے اجتماع میں اردو بخاری جلد اول کے عنوانات تمہید اور احادیث کی تدوین بعد چند احادیث پڑھ کر سنائے گئے۔

ہر اجتماع میں اوسطاً دس حضرات کی حاضری ہوتی ہے۔ جن میں سے آٹھ اب تک ہم خیال ہو چکے ہیں۔ بزم کے اراکین کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہر اتوار کو محترم پرویز صاحب کے درس قرآن میں شریک ہوا کریں۔ چنانچہ وہ باقاعدگی سے شریک ہوا کرتے ہیں۔

چک ۲۲۳ ج ب (ضلع جھنگ)

مستری غلام محمد صاحب چک نمبر ۲۲۳، ڈاکخانہ چک ۲۲۹، تحصیل چنیوٹ (ضلع جھنگ) اپنے علاقہ میں بزم طلوع اسلام کی تشکیل کے لئے کوشاں ہیں۔ علاقے کے قارئین ان سے رابطہ پیدا کریں اور تشکیل بزم میں ان کی معاونت کریں۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کی حیات عقلیہ کس طرح کی تھی ان کے حالات ان کے اخلاقی اور اجتماعی کوائف پر کس طرح اثر انداز تھے۔ آج کی فرصت میں عربوں کی حیات عقلیہ کے مظاہر سے بحث کی جائے گی کہ وہ اپنی ابتدائی اور سادہ شکل میں تھے۔ جنھیں منظم علم کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

زمانۂ جاہلیت میں حیات عقلیہ کے مظاہر لغت، شعر، امثال اور قصص تھے اور صرف یہی چیزیں ان کی عقل کے مظاہر بھی تھیں۔ رہا علم اور فلسفہ تو ان کے ہاں اس کا کوئی نشان نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اجتماعی طرز جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں انہیں علم و فلسفہ کی ترویج کا ذریعہ ہی نہیں بن سکتا تھا۔ البتہ انہیں انساب کا علم حاصل تھا۔ انہیں بارش برسانے والے ستاروں اور نجوم کا بھی علم حاصل تھا۔ تاریخی واقعات سے بھی تھوڑی بہت واقفیت تھی معمولی سا طب بھی جانتے تھے۔ لیکن جیسا کہ آلوسی وغیرہ نے کہا ہے ان ذرا ذرا سی معلومات کو علم کہنا ایک فاحش غلطی ہوگی۔ چنانچہ آلوسی نے بیان کیا ہے کہ ان کے علوم یہ تھے علم انساب، علم الانواء اور علم نجوم بھی تھے" پھر اس کا تذکرہ وہ اس طرح محکم طور پر کرتے ہیں کہ ہمیں اس وہم میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ یہ علوم ان کے ہاں اپنے اصول و قواعد کے اعتبار سے کوئی منظم حیثیت کے مالک تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس قبیل کی جو چیزیں بھی ان کے ہاں رائج تھیں سوا ابتدائی معلومات اور سادہ تصورات سے آگے نہیں بڑھتی تھیں، جنھیں علم کہنا تو در کنار علم سے مشابہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قواعد و ضوابط اور منظم بحث و تحقیق جسے علم کہا جاتا ہے تو جاہل عربوں کو تو اس سے واقفیت بھی نہیں تھی۔ اس کی صحیح تر تعبیر وہ ہو سکتی ہے جو ـــ علم طب پہ کلام کرتے ہوئے ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں کی ہے انھوں نے کہا ہے۔

"صحرائی آبادیوں میں بھی ایک قسم کا طب ہوتا ہے جو اکثر بعض اشخاص پر تجربہ تک محدود ہوتا ہے یہ طب وراثتاً ان لوگوں کو اپنے قبیلہ کے بوڑھوں اور بوڑھیوں سے پہنچتا ہے۔ بعض اوقات اسکی کچھ باتیں صحیح بھی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کسی طبیعی قانون یا مزاج کی موافقت پر مبنی نہیں ہوتا۔ عربوں میں اس قسم کا طب بہت کافی موجود تھا۔ اور ان میں کئی ایک مشہور طبیب مثلاً حارث ابن کلدہ وغیرہ بھی موجود تھے (۱)۔ اتنا ہی کچھ ان امور کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے جو بارش برسانے والے ستاروں اور علم نجوم کے متعلق ان سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ چند معلومات تھیں جو ناقص تجربہ پر مبنی ہوتی تھیں۔ کبھی صحیح پڑ جاتی تھیں لیکن اکثر غلط ہوتی تھیں۔ نئی پود ان ہی چیزوں کو اپنے باپ دادوں سے نقل کرتی تھی۔ ایسے ہی ان کے ہاں فلسفی مذاہب کا بھی کوئی نام و نشان نہیں تھا ــــ جسکی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ــــ ان لوگوں کی باتوں کو شمار میں نہ لانا چاہئے جو شعر جاہلی میں ایسے اشعار تلاش کرتے ہیں جن میں کوئی فلسفیانہ خیال پایا جاتا ہو۔ یہ لوگ ان خیالات کو دیکھکر یہ گمان کر لیتے ہیں کہ وہ فلسفیانہ مذاہب ہیں۔ مثلاً جب اعشیٰ کہتا ہے۔

" خدا نے وفا، اور عدل کو اپنے لئے مخصوص کر دیا اور ملامت کو انسان کے لئے چھوڑ دیا" تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو اس شعر میں ایک فلسفیانہ مذہب بیان کیا گیا ہے جو انسان سے باز پرس کے بوجھ کو اٹھا دیتا ہے۔ یا جب وہ کسی دوسرے شاعر کا یہ شعر دیکھتے ہیں کہ

" زندگی، پھر مرنا، پھر دوبارہ جی اٹھنا، عمرو کی ماں یہ سب خرافات کی باتیں ہیں"

یا زہیر کا یہ شعر کہ

" میں نے موتوں کو دیکھا ہے کہ اندھے کی لاٹھی ہیں۔ جسے لگ گئی اسے مار دیا اور جسے نہیں لگ سکی اسکی عمر لمبی ہو جاتی ہے اور وہ بوڑھا پھونس ہو جاتا ہے" تو وہ ان خیالات کو فلسفیانہ مذاہب خیال کر لیتے ہیں۔ حالانکہ فلسفیانہ مذہب اور فلسفیانہ خیال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فلسفیانہ مذہب ایک منظم بحث و تحقیق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ رائے اور نظریہ کو واضح کرنے، اس پر دلائل و براہین قائم کرنے، مخالفین کی آراء کو شکست دینے اور دوسری بہت سی باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگ اس مرتبہ تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکے۔ رہ گیا فلسفیانہ خیال تو وہ اس سے بہت کم رتبہ ہوتا ہے۔ اس کا فلسفہ سے اتنا ہی علاقہ ہوتا ہے کہ ذہن کبھی ایسے مضمون کی طرف متوجہ ہو گیا جو کائنات کے اصول سے تعلق رکھتا تھا اور بس۔ نہ وہ کوئی منظم بحث کرتا ہے، نہ دلائل قائم کرتا ہے نہ مخالفین کے دلائل کو رد کرتا ہے۔ یہ وہ درجہ تھا جس تک عرب لوگ یقیناً پہنچ چکے تھے۔

پانچویں فصل

حیات عقلیہ کے مظاہر

حیات عقلیہ کے مظاہر میں سے ہر مظہر کے متعلق ہم کچھ بیان کریں گے عربوں کے مظاہر عقلیہ یہی چار چیزیں تھیں زبان و لغت، اشعار، ضرب الامثال اور قصے کہانیاں۔ لیکن ہماری یہ گفتگو ان کے فنی جمال اور بلاغتی اسلوب کی حیثیت سے نہیں ہوگی کیونکہ ہمارے موضوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہم ان چیزوں پر اس حیثیت سے گفتگو کریں گے جس سے ان کی عقلیت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم ان امور پر گفتگو کریں تھوڑی دیر توقف کر کے ہمیں اس بارے میں اپنی رائے بیان کر دینی چاہئے کہ یہ امور کہاں تک ہمارے نزدیک حجت بن سکتے ہیں۔ یہ اسلئے ضروری ہے کہ بسا اوقات شک اور تذبذب ان تمام مظاہر کی علمی حیثیت کو بالکل ہی ختم کر دیتا ہے۔ کیا واقعہ نہیں کہ جاہلی اشعار تقریباً ڈیڑھ صدی تک کہیں لکھے ہوئے موجود نہیں تھے؟ اور نقل کرنیوالے انہیں زبانی نقل کرتے چلے آتے تھے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس قسم کے نقل در نقل ہوتے آنے میں کس قدر غلطیاں اور تبدیلیاں ہو سکتی تھیں۔ اس سے آگے ایک دوسرا سوال یہ بھی ہے کہ کیا وہاں ایسے اسباب و دواعی موجود نہیں تھے جو ان اشعار کے نقل کرنے والوں کو دینی، سیاسی اور جنسی رجحانات کے مطابق اشعار گھڑنے پر برانگیختہ کر سکتے ہوں؟ قابل اعتماد ناقدوں نے واضح کیا ہے کہ جاہلی اشعار میں سے زیادہ تر اشعار موضوع اور گھڑے ہوئے تھے۔ پھر عربوں کی حیات عقلیہ کا پتہ لگانے میں ان پر اعتماد کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ یہی کچھ دوسرے مظاہر کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ آج تک کسی نے بھی تمام جاہلی اشعار کا انکار نہیں کیا۔ جن لوگوں نے اسکی تحقیق و تنقیش کی ہے ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شک کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ جیسا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یقین کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان دونوں کے درمیان ایک درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم ان جاہلی اشعار کے بارے میں بھی اسی مسلک پر چلتے ہیں جس پر ہم باقی تاریخی حوادث سے متعلق روایات اور منقولہ احادیث میں چلتے ہیں۔ ان چیزوں میں ہم ان روایات کی دو جہتوں سے آزمائش کرتے ہیں: ایک تو سند کی جہت سے ــــ یعنی ان راویوں کی جہت سے جو اس حادثہ یا واقعہ کو نقل کرتے ہیں ــــ اور دوسرے متن کی جہت سے ــــ یعنی خود اس قول کی جہت سے جو نقل کیا گیا ہے جب یہ دونوں جہتیں صحیح ہوں تو ہم پر لازم ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اسکی تصدیق کریں تاآنکہ تنقید کی کوئی نئی وجہ ہی پیدا نہ ہو جائے یہی کچھ ہمیں ان اشعار کے متعلق بھی اختیار کرنا چاہئے۔ اگر راوی جھوٹا ہو یا ثقہ نہ ہو تو ہم اسکی روایت پر اعتماد نہیں کریں گے۔ ایسے ہی اگر متن کے ضعیف ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو گئی تب بھی ہم اس پر اعتماد نہیں کریں گے۔ مثلاً کوئی شاعر تشبیب میں کسی ایسے مقام کا ذکر کرتا ہے جسکے متعلق تاریخی حیثیت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ شاعر اس مقام کی طرف کبھی گیا ہی نہیں نہ اسے کبھی اس مقام سے کوئی تعلق رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس شعر کی نسبت اس شاعر کی طرف غلط ہوگی۔ لیکن اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات ہو تو جو شعر نقل کیا گیا ہے اس سے استدلال کرنا صحیح ہوگا۔

واضعینِ آئین کے نام

جدید مجلس دستور ساز کے معرضِ وجود میں آجانے سے ایک مرتبہ پھر یہ سوال سامنے آگیا ہے کہ پاکستان کا آئین کیا ہوگا؟ اربابِ سیاست اور ارکانِ مجلس کے بیانات کو دیکھا جائے تو اس سوال کا یہی جواب ملتا ہے کہ ہمارا آئین اسلامی ہوگا اور وہ "قرآن و سنت" پر مبنی ہوگا۔ دستور سازی کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ ہوا ہے اس پر نگاہ ڈالی جائے تو اس بلند بانگ دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ سابقہ مجلس دستور ساز نے جو مسودۂ آئین تیار کیا تھا اس کی بنیاد قرارداد مقاصد پر تھی یہ قرارداد کس حد تک "اسلامی" ہے اس پر طلوع اسلام میں تفصیلی بحث[1] کی جا چکی ہے۔

جیسا کہ اس وقت لکھا گیا تھا یہ قرارداد ایسی نہیں کہ اس پر مبنی آئین کو اسلامی آئین قرار دیا جاسکے۔ اس پر جو تنقید ہم نے کی تھی اس کا ملخص یہ ہے۔

یہ اعلان کرنے کے بعد کہ کائنات پر (Sovereignty) اللہ کی ہے قرارداد میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اختیارات ملت پاکستانیہ کی وساطت سے مملکت پاکستان کو تفویض کئے ہیں ان کے مطابق ملت پاکستانیہ کی نمائندہ دستور ساز اسمبلی فیصلہ کرتی ہے کہ وہ پاکستان کی آزاد (Sovereign state) کے لئے دستور مدون کرے۔ اس میں کائنات پر Sovereignty اللہ تعالیٰ کی تسلیم کرنے کے باوجود پاکستان کو Sovereign کہا گیا ہے جو ایک متضاد بیان ہے۔ کیونکہ اگر کائنات پر Sovereignty اللہ تعالیٰ کی ہے تو پاکستان جو کائنات کا ایک حصہ ہے Sovereign نہیں ہوسکتا۔ اس تضاد کو یوں رفع کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیارات مملکت پاکستان کو تفویض (Delegate) کر دیئے ہیں یہ صریحاً غلط ہے کیونکہ اگر کوئی اپنے اختیارات (Sovereign power) کسی اور کو تفویض کر دے تو وہ خود Sovereign نہیں رہ سکتی۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اختیارات مملکت پاکستان کو تفویض کئے ہیں وہ اس وقت اللہ کے پاس نہیں ہیں۔ یہ اللہ کا یہ تصور عیسائیت کے تصور سے ملتا ہے جس سے خدائی حقوق (Divine rights) کا عقیدہ پیدا ہوا۔ پاکستان میں اس عقیدے کو فروغ ملگیا تو اس کا عملاً یہ نتیجہ نکلے گا کہ یہ "خدائی حقوق" ملا کے تصرف میں چلے جائیں گے کیونکہ وہی اپنے آپ کو "شرعِ متین" کا اجارہ دار سمجھتا ہے۔ قرآن اسی پیشوائیت کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔ ہمیں توقع ہے کہ واضعین آئین کا یہ مقصد یقیناً نہیں ہوسکتا کہ اس ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ملا ہو جائے۔

قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ خدا نے اپنے اختیارات ملت کی وساطت سے مملکت کو تفویض کئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں اختیارات انتظامی مشینری یعنی حکومت کے سپرد نہیں کر دیئے جاتے بلکہ وہ بدستور ملت ہی کے پاس رہتے ہیں۔ مملکت ان کا استعمال کرتی ہے اور بس۔ قرآن کی رو سے ملت اور مملکت الگ الگ نہیں۔ لہٰذا اصل بحث ملت اور مملکت کی نہیں فرد اور ملت کی ہوتی ہے۔

قرارداد کی چوتھی غلطی یہ ہے کہ نظام حکومت کو جمہوریت کہا گیا ہے۔ مختصراً نظام جمہوریت یہ ہے کہ جس بات کو اکیسویں سے اکیاون صحیح کہدیں اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ گویا صحیح اور غلط کا کوئی خارجی اور مستقل معیار نہیں بلکہ اس کا معیار آرا کی تعداد ہے۔ قرآن اس کے برعکس ایک مستقل اور مطلق معیار (objective, permanent & Absolute standard) مقرر کرتا ہے۔ جو اس معیار پر پورا اترے وہ صحیح جو پورا نہ اترے وہ غلط ہے۔ قرارداد کی پانچویں غلطی یہ ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ اختیارات باشندگان پاکستان کو حاصل ہیں اور ان باشندگان پاکستان کی نمائندہ جماعت ہی ان کو جمہوری انداز سے استعمال کرے گی۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات پاکستان کے مسلمانوں، ہندوؤں، پارسیوں، عیسائیوں حتیٰ کہ دہریوں تک کو تفویض کر دیئے ہیں یہ قرآنی مفہوم کے مطابق نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ قرآنی مملکت کی بنیاد آئیڈیالوجی پر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دو متضاد آئیڈیالوجی رکھنے والی پارٹیاں کسی طور بھی مشترکہ حکومت نہیں بنا سکتیں۔ ملکی نظام باہمی تعاون بلکہ قرآن کی اصطلاح میں "ائتلاف" سے چلتا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں متضاد آئیڈیالوجی رکھنے والا کوئی عنصر شریک ہو جائے تو یہ نظام آگے نہیں چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار تاکید کی ہے کہ ملت اسلامیہ کسی غیر مسلم کو اپنا رازدار نہ بنائے[2]۔

آگے چل کر قرارداد میں درج ہے کہ اس مملکت کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان اس قابل ہوسکیں کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کی ان تعلیمات اور احکام کے مطابق بنا سکیں جو قرآن اور سنت میں مذکور ہیں۔ یہ قرارداد کی چھٹی غلطی ہے۔ ہمارے یہاں "قرآن و سنت" یا "قرآن و حدیث" کے الفاظ اس انداز سے استعمال کئے جاتے ہیں گویا دونوں غیر متبدل ہیں یہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم نے اسلامی مملکت کے نظام کے لئے (بہ استثنائے چند) محض اصولی احکام دیئے ہیں اور ان کے تحت جزئیات کے تعین کو مختلف زمانوں کی اسلامی مملکتوں پر چھوڑا ہے تاکہ وہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق انھیں خود مرتب کرتی رہیں۔ رسول کریم صلعم نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق (یعنی اپنے وقت کے رسوم و رواج اور معاشرتی لزوم و خصائص کا خیال رکھتے ہوئے) قرآنی اصولوں کی جزئیات مرتب فرمائیں۔ چونکہ انھیں غیر متبدل رکھنا مقصود نہیں تھا اس لئے آپ نے نہ ان کا کوئی مجموعہ مرتب فرما کر امت کو دیا، نہ انھیں حفظ یاد کرایا۔ حالانکہ قرآن کو آپ نے کتاب کی شکل میں لکھوایا اور حفاظ کو بھی یاد کرایا۔ چونکہ آپ نے احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے امت کو نہیں دیا اس لئے آج حدیث کی کوئی ایک کتاب ایسی نہیں جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ وہ حرفاً حرفاً رسول اللہ صلعم کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا احادیث کو مملکت کا قانون قرار دینے میں یہ دشواری بھی پیش آئے گی کہ انھیں صحیح اور سنت رسول اللہ ماننا پڑے گا حالانکہ ان میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں جن سے قرآن تو ایک طرف خود انسان کی بصیرت بھی ابا کرتی ہے۔

قرارداد کی ساتویں غلطی یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت کو فیڈریشن کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف صوبے اپنی جگہ خود مختار ہوں گے اور مرکز کے اختیارات انہی شعبوں تک محدود ہوں گے جو فیڈرل لسٹ (federal list) میں شامل ہوں گے۔ اسلام کا منتہائے نگاہ وحدت انسانیت ہے۔ اس کے نزدیک انسانوں کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جو ان کا نیا معاشرہ اس کے مطابق قائم کرے اور دوسری وہ جو کسی آئیڈیالوجی سے متمسک ہو۔ اس اعتبار سے تمام مسلمان ایک قوم کے افراد ہیں اور وہ جغرافیائی طور پر تقسیم نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا اسلام کے مزاج کے مطابق وحدانی (unitary) طرزِ حکومت ہے نہ کہ وفاقی (federation)[3]۔

قرارداد کی آٹھویں غلطی بنیادی حقوق سے متعلق ہے قرآن کی رو سے ہر فرد اپنی وہبی اور اکتسابی ملکیتیں (جان و مال) سب کچھ نظام کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور نظام اس کی طبعی ضروریات سے لے کر انسانیت کے نشوونما و ارتقاء تک کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔ حقوق و فرائض کی یہ وہ فہرست ہے جس کی مثال قرآن سے باہر کہیں نہیں مل سکتی۔

یہ ساری بحث نقلی ہوگی۔ مجملاً اس پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے نہ اسلام کا صحیح تصور سامنے آتا ہے نہ اس نظام اسلامی کا جس کا اس کے مطابق بنائے جانے کا دعویٰ باندھا جا رہا ہے۔

اب اس کے مقابلے میں ہم وہ مسودۂ قرارداد مقاصد پیش کرتے ہیں جو طلوع اسلام کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

مسودہ قرارداد مقاصد

[1] یہ اور آئین سے متعلق دیگر مباحث "قرآنی دستور پاکستان" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کئے جا چکے ہیں۔ [2] اسلام غیر مسلموں سے کس قسم کا سلوک روا رکھتا ہے اور انھیں مملکت میں کیا درجہ دیتا ہے۔ یہ ملخص بحث ہے جو طلوع اسلام میں آ چکی ہے۔ پھر مناسب موقع ہوا تو اسے دہرا دیا جائیگا۔ [3] یہ اصولی تقریر ہے لیکن چونکہ اب حالات ایسے پیدا کر دیئے ہیں جن سے یہ اصول ناممکن العمل بن گیا ہے اس لئے طلوع اسلام کے نزدیک بلحاظ حالات موجودہ کانفیڈریشن طرز کی حکومت بہتر ہے۔

ہرگاہ کہ

مسلمانوں کی وجۂ جامعیت اسلام ہے اور یہی وہ تصورِ حیات ہے جس کی بنا پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے تاکہ اس مملکت کے باشندے اس مخصوص تصورِ حیات کے مطابق جس میں اختیارِ حکمرانی کو ایک مقدس امانت قرار دیا گیا ہے، حدود اللہ کے اندر آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔

ہرگاہ کہ

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جسے الدین اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظامِ زندگی کا بنیادی ضابطہ قرآن ہے

ہرگاہ کہ

قرآن نے انسانی زندگی کے لئے ایک نصب العین مقرر کر دیا ہے اور وہ حدود متعین کر دی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے اختیارات کا استعمال کرے

یہ نصب العین اور حدود غیر متبدل ہیں اور انہی کو ابدی صداقتیں کہا جاتا ہے۔ اسلامی مملکت کا اختیارِ قانون سازی ان ابدی صداقتوں کی روشنی میں اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئیات مرتب کرنے تک محدود ہے۔

ہرگاہ کہ

قرآن کی رو سے حیات کا سرچشمہ ایک ہے اور وہی سرچشمہ ان ابدی صداقتوں کا ہے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے سرچشمۂ حیات اور مستقل اقدار کے سرچشمہ کی وحدت کی بنا پر

(i) تمام نوعِ انسان ایک برادری کے افراد ہیں جو جغرافیائی، نسلی، لسانی، وطنی حدود سے متاثر نہیں ہوتی اور

(ii) نوعِ انسانی کی فلاح کا راز ایک ہی ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے میں مضمر ہے۔

ہرگاہ کہ

اسلام کا مقصود ایک معاشرہ کی تشکیل ہے جو اپنی مخصوص آئیڈیالوجی اور فلسفۂ زندگی رکھتا ہے۔ وہ اس کے مطابق، افرادِ انسانیہ کی تربیت کے ذریعے ایک ایسی فضا کی تخلیق کرتا ہے جس میں افراد، اولاً اپنی جماعت میں اس فلسفہ کو عملاً آزماتے ہیں اور اس کے بعد اس کے منافع کو تمام نوعِ انسانی تک پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ یہ معاشرہ ایسا ہوتا ہے جس میں

(i) افرادِ معاشرہ اپنے اندر ان صفاتِ خداوندی کو منعکس کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جنہیں اسمائے الٰہی کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کائنات میں مستقل اقدار کا سرچشمہ ہیں۔

(ii) ان افراد میں ایسا ضبطِ نفس پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ان صفات میں ٹھیک ٹھیک توازن قائم رکھ سکیں

(iii) ان افراد میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ یہ صحیح فیصلہ کر سکیں کہ فلاں خارجی حادثہ کی صورت میں کس قسم کی صفتِ خداوندی کا ظہور ہونا چاہئے۔

(iv) افرادِ امت میں قوائے فطرت کی تسخیر کی قوت اور ان کے ماحصل کو فلاحِ انسانیت کے لئے صرف کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(v) انسانی اختیار و ارادہ کی وسعتیں زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور وہ ان پابندیوں کے علاوہ جو حدود اللہ متعین کرتی ہیں ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہوتے ہیں۔

(vi) افرادِ امت، حدود اللہ کی اطاعت کو خارج سے عائد شدہ پابندی نہیں محسوس کرتے بلکہ اس میں اپنی ذات personality کے تقاضوں کی تسکین کا سامان پاتے ہیں۔

(vii) وحدتِ خالق وحدتِ انسانیت اور وحدت و استقلالِ امت کا تصور محکم سے محکم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

(viii) اس وحدت کے عملی تصور سے انسان اور کائنات، انسان اور انسان، اور خود انسان کی اپنی ذات کے تضادات میں توافق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے انسانی معاشرہ کی تمام ناہمواریاں مٹتی چلی جاتی ہیں۔

(ix) ہر فردِ امت، اپنے آپ کو خدا کی صفت ربّ العالمینی کا مظہر سمجھتے ہوئے بلا مزدو معاوضہ انسانیت کی ربوبیتِ عامہ کا کفیل بن جاتا ہے۔

(x) احترامِ آدمی کا معیار صرف آدمیت قرار پاتا ہے اور وجہِ تکریم، قانونِ خداوندی کی زیادہ سے زیادہ اطاعت ہوتی ہے۔

(xi) وطن، قومیت، نسل، نسب، زبان، پیشہ وغیرہ کی اضافی نسبتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔

(xii) انسان پیشوائیت کی روحانی غلامی اور ملوکیت اور مفاد پرستی کی طبعی غلامی سے یکسر آزاد ہو جاتا ہے۔ یعنی اس معاشرہ میں خدا اور بندے کے درمیان کوئی طاقت حائل نہیں ہوتی اور کوئی دیوار حاجب نہیں بنتی۔

ہرگاہ کہ

دنیا کے موجودہ نظام ہائے زندگی انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرنے اور اس قسم کے صالحانہ معاشرہ کو متشکل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

لہٰذا

ہم اعلان کرتے ہیں کہ مملکتِ پاکستان ایک ایسی آزاد اور خود مختار مملکت ہے جس کا دستور قرآن کی ابدی صداقتوں پر مبنی ہوگا اور جس میں

(i) تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے فراہم کرنے کی ذمہ داری مملکت پر ہوگی۔

(ii) مملکت ایسا انتظام کرے گی کہ تمام افراد کو ان کی مضمر صلاحیتوں کے پورے طور پر نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر میسر ہوں

(iii) حدود اللہ کے دائرۂ عمل کے اندر افراد کے اختیارات کے استعمال میں کوئی غیر ضروری رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور مملکت ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے کا پورا پورا بندوبست کرے گی۔

(iv) تمام قدرتی اور مصنوعی وسائلِ پیداوار اصلاً امت کی مشترکہ ملکیت قرار پائیں گے۔ مملکت ان وسائل کو پورے طور پر مسخر کرے گی اور ان کے نتائج کو انسانیت کی نشوونما کے لئے کام میں لائے گی تاکہ عدلِ عمرانی کا تقاضا پورا ہو۔

(v) ہر فردِ مملکت، قانون کی نگاہ میں یکساں حیثیت رکھیگا اور اسے بغیر مالی بار کے انصاف بہم پہونچایا جائیگا۔

(vi) مملکت کی اقلیتوں کے ساتھ پورا پورا عدل کیا جائیگا اور ان کی جان و مال عصمت، آبرو، مذہب، معابد سب کی حفاظت کی جائے گی۔

(vii) ساری مملکت ایک غیر منقسم وحدت ہوگی اور موجودہ صوبائی تقسیم جو ملت کے تشتت و انتشار کا موجب ہے ختم کر دی جائے گی تاکہ یہ نظام جغرافیہ، نسل، زبان، رنگ کے امتیازات مٹا کر وحدتِ انسانیت کے نصب العین کی طرف بڑھا سکے اور دنیا میں امن اور خوشحالی عام ہو سکے۔

(viii) مملکت اس معاشرہ کی تشکیل و استحکام کے لئے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

تمام افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گی اور تمام اجتماعی کوششوں کو اس نقطہ پر مرکوز کر دے گی اور اس مقصد کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریگی کہ اس کی ہستی کا جواز ہی اس مقصد کا حصول ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین

تاکہ ــــ

مملکتِ پاکستان ایک ایسی تجربہ گاہ بن سکے جو فروغِ آدمیت اور ارتقائے انسانیت کے ذریعہ دنیا سے ہر قسم کے استبداد و استیلاء اور سلب و نہب کے مٹانے کا موجب ہو اور اقوامِ عالم کی صف میں اسی حیثیت سے ممتاز ہو۔ اس تجربہ کے عملی نتائج کو دیکھ کر تمام نوعِ انسانی ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور

"زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"

ذاتی ملکیت

کا اصول

ملّا کے نزدیک بڑا مقدس ہے

لیکن

اس بارے میں قرآن کا حکم کیا ہے؟

اس کی تفصیل

"نظامِ ربوبیت"

میں دیکھئے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

(تمہید۔ مسلسل)

رومی اقبال کے خواب میں آتے اور

گفت اے دیوانۂ اربابِ عشق — جرعۂ گیر از شرابِ نابِ عشق

اقبال سے کہا کہ اے وہ کہ تو صاحبانِ عشق کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ خود بھی عشق کی شراب سے ایک گھونٹ کیوں نہیں پی لیتا۔ تاکہ تو بھی وہی کچھ بن جائے جو کچھ وہ بن چکے ہیں۔ جن کے پیچھے تو اس طرح فریفتہ پھر رہا ہے انھیں بھی آتشِ عشق نے ایسا بنایا۔ اس چنگاری کو تو اپنے اندر شعلۂ جوالہ بنا لے تاکہ وہ تیرے پیکرِ خاکی کو پھونک دے اور اس کی خاکستر سے ایک نیا اقبال اور اس کی نواؤں سے ایک نئی دنیا پیدا ہو جائے۔

بر جگر ہنگامۂ محشر بزن — شیشہ بر سر دیدہ بر نشتر بزن

تو اس اندیشہ و احتیاط کی دنیا میں کب تک رہے گا۔ فرد کی مصلحت کوشیاں تجھے کب تک شریک وارداتِ قلب ہونے سے روکیں گی تو اٹھ اور اپنے جگر میں حشر بپا کر دینے والا جوش پیدا کر کے اس احتیاط کے شیشوں کو توڑ اور یہ آنکھ جو حقائق پر اس طرح پردے ڈالے ہوئے ہے۔ اس میں محبت کا نشتر چبھو لے اور اس طرح رسوم و احتیاط کی منزلوں سے گذر کر عشق کی مصلحت فراموش وادیوں میں نکل جا اور وہاں

خندہ را سرمایۂ صد نالہ ساز — اشکِ خونیں را جگر پرکالہ ساز

اپنی ہنسی میں وہ کیفیت پیدا کر کہ یہ سینکڑوں آہ و نالہ کا سرچشمہ بن جائے۔ اپنے خون کے آنسوؤں کو اس طرح سینہ میں تھام کہ یہ جگر کے ٹکڑے بن کر نکلیں۔

تا بکے چوں غنچہ می باشی خموش — نکہتِ خود را چو گل ارزاں فروش

تو اس طرح غنچہ کی طرح لب بند کر کے کب تک بیٹھا رہے گا۔ تو نشۂ رنگ اور جوششِ بُو سے اپنے سینہ کو شق کر دے۔ غنچہ سے شگفتہ پھول بن جا۔ اور ان پردوں کے اندر لپٹی اور چھپی ہوئی مشامِ جاں نواز کو ساری دنیا میں عام کر دے۔ تاکہ اس خوشبو سے ہر محفل مہک اٹھے اور پوری کی پوری بزمِ ہستی رشکِ صد گلستان بن جائے۔ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے پاس کتنی گراں بہا متاع ہے۔

در گرہ ہنگامہ داری چوں سپند — محمل خود بر سرِ آتش بزن

تیرے قلب کے اندر جوش اور حرارت دونوں اس طرح گھٹے ہوئے خاموش بیٹھے ہیں جیسے حرمل کے دانہ میں اس کی تڑپ اور آواز سوئی ہوئی ہوتی ہے۔ جب اسے آگ پر ڈالو تو وہ تڑاق سے پھٹتا ہے اور ساکن فضا کو متحرک کر دیتا ہے۔ تو جادۂ ہستی پر اس طرح سلامت روی میں کب تک چلا جائے گا۔ تو بھی اپنے محمل کو ناقہ کی بجائے آگ کے انگارہ پر ڈال دے تاکہ تیری شعلہ سامانیاں فضائے عالم میں ارتعاش پیدا کرنے کا موجب بن جائیں۔

چوں جرس آخر ز ہر جزوِ بدن — نالۂ خاموش را بیروں فگن

تو تو جرسِ کارواں ہے جس کے رگ و ریشے میں فغاں پوشیدہ ہوتی ہے۔ تو اس جرس کو ہے کراٹھ تاکہ اس کی رگ رگ سے وہ فریاد اٹھے جس سے مدتوں کے سوئے ہوئے افرادِ کارواں خواب ہوشی سے جاگ اٹھیں اور آمادۂ سفر ہو جائیں۔

آتش استی بزمِ عالم بر فروز — دیگراں را ہم ز سوزِ خود بسوز

تو شعلۂ جوالہ ہے۔ تیری موجودگی میں افقِ ملت پر تاریکیوں کے بادل کیوں چھائے رہیں۔ تو اپنے آپ کو بے نقاب کر تاکہ پوری دنیا بقعۂ نور بن جائے۔ تو اپنے اس سوز کی متاعِ گراں بہا کو عام کر دے تاکہ اس آتشِ عشق میں دوسرے بھی جلیں۔

فاش گو اسرارِ پیرِ مے فروش — موجِ مے شو کسوتِ مینا بپوش

تو اٹھ اور میکدے کے ان رازوں کو جسے پیرِ میخانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کھلے کھلے الفاظ میں عام کر دے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تجھے ان حقائق کو الفاظ کے لباس ہی میں پیش کرنا ہوگا لیکن ان الفاظ کی حیثیت وہی ہونی چاہیئے جو شفاف بوتل کی ہوتی ہے۔ وہ موجِ شراب کو ایک قالب میں ڈھالتی ہے لیکن اس کی رنگینیوں کے راستہ میں حائل نہیں ہوتی۔ تیری شاعری میں بھی الفاظ کا فریضہ اتنا ہی ہونا چاہیئے کہ وہ عروسِ حقیقت کو اس طرح لباسِ مجاز میں پیش کر دے کہ حقیقت کی بے رنگ کیفیتیں لباس کی زیبائش میں کھو کر نہ رہ جائیں۔

سنگ شو آئینۂ اندیشہ را — بر سرِ بازار بشکن شیشہ را

عقل و فکر کی مصلحت کوشیوں اور حیلہ تراشیوں کے آئینہ کو عشق کی جنوں انگیزیوں کے پتھر سے چکنا چور کر دے۔ اور یہ کچھ اس طرح بر سرِ بازار ہو کہ ہر راہ رو اس ٹوٹے ہوئے شیشہ کے ٹکڑوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے۔

از نیستاں ہمچو نے پیغام دہ — قیس را از قومِ حے پیغام دہ

تو نغمۂ عشق (عشق کی بانسری) بن جا اور گلی گلی کوچہ کوچہ ان آوارگانِ غربت کو اس نیستاں کا پیغام دے۔ جو دنیا میں عشق کی ہر بانسری کا وطن ہے۔ اس بھولے ہوئے مسلمان کے دل میں خاکِ پاکِ حجاز کی یاد پھر سے تازہ کر دے۔ جہاں سے عشق کی نے نوازی کی ابتدا ہوئی اور کائنات کی ایک ایک وادی اس نغمۂ ازل سے گونج اٹھی۔ تو اس عشق فراموش مجنوں تک پہنچ اور اسے لیلیٰ کے قبیلہ کا پیغام دے۔ تاکہ اس سے اس کے دل کی گہرائیوں میں رقص و وجد کے وہی جذبات پھر بیدار ہوں جنھوں نے تیرہ سو سال پہلے کہنہ بساطِ عالم کو الٹ کر اسے ایک نئی ترتیب عطا کر دی تھی۔

نالہ را اندازِ نو ایجاد کن — بزم را از ہاؤ ہو آباد کن

شاعری کے پرانے انداز کو چھوڑ اور اپنی پیغام رسانی کے لئے ایک اسلوبِ نو اختیار کر اور اس بزمِ خاموش کو پھر ہاؤ ہو کے ولولہ خیز نعروں سے وجد گری کائنات بنا دے۔

خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را — از قمِ خود زندہ تر کن زندہ را

تو اٹھ اور ہر اس فردِ ملت کو جس کے اندر زندگی کی کوئی رمق بھی موجود ہو ایک حیاتِ تازہ عطا کر۔ تو مسیحائے امت ہے قُم باذن اللہ کے پیغامِ حیات بخش سے ہر زندہ کو زندہ تر کر دے۔ قرآن میں ہے کہ یہ پیغامِ حیات اسی کو زندگی عطا کر سکتا ہے جس کے اندر زندہ رہنے کی صلاحیت ہو لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا۔ وہ چلتی پھرتی لاشیں جن میں صحیح زندگی قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی، انھیں کوئی تنذیر فائدہ نہیں دے سکتی إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اقبال بھی قرآن کی اتباع میں یہی کہتا ہے کہ

اگر یک قطرہ خوں داری، اگر مشتِ پرے داری

بیا من با تو آموزم طریقِ شاہبازی را

اس کیلئے جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے تمام پامال راستوں کو چھوڑنا ہوگا اور ایک ایسا اسلوبِ بیان ایجاد کرنا ہوگا جو قرآن کو حالاتِ حاضرہ کے مطابق پیش کر سکے۔

خیز و پا بر جادۂ دیگر بنہ — جوشِ سودائے کہن از سر بنہ

تو اٹھ اور ایک بالکل نئے راستہ پر گامزن ہو جا۔ پرانے تصورات، کہنہ تخیلات اور انسانوں کے بنائے ہوئے فرسودہ معتقدات کو ذہن سے الگ کر دے۔

آشنائے لذتِ گفتار شو — اے درائے کارواں بیدار شو

تو کب تک خاموش رہے گا تو اب یہ بھی دیکھ کہ بات کہنے اور پیغام پہنچانے میں کیا لذت ہوتی ہے۔ تو کارواں ملت کیلئے بانگِ درا ہے۔ تیری خاموشی سے پورا کارواں سویا رہے گا۔ تو بیدار ہو تاکہ تیری بیداری سے یہ سب آمادۂ سفر ہو جائیں۔ یہ تھا وہ پیغام جو رومی نے خواب میں اقبال کو دیا۔ چنانچہ اقبال کہتا ہے۔

زیں سخن آتش بہ پیراہن شدم

مثلِ نے ہنگامہ آبستن شدم

رومی کے اس پیغام سے میرے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ میں سراپا سوز بن گیا۔ میں عشق کی نیفر بن کر اٹھا تاکہ بزمِ ہستی میں ہنگامہ پیدا کر دوں۔

تاریخی شواہد

(۲۲)

قوم ثمود

گذشتہ اشاعت مورخہ ۲ جولائی ۱۹۵۵ء میں تاریخی شواہد کی قسط نمبر ۲۱ غلطی سے بغیر عنوانات کے شائع ہو گئی ہے جس سے مضمون کو سمجھنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس مضمون کا پہلا حصہ حضرت لقمان سے متعلق تھا جو پچھلے سلسلہ ۲۰ اس کے بعد دوسرے حصہ میں قوم عاد کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ قوم ثمود سے متعلق ہے جو ایک مستقل باب ہے اور مستقل عنوان کا محتاج تھا۔ تسلسل قائم رکھنے کے لئے اس تیسرے حصہ کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

طلوع اسلام

حضرت صالح

امم سامیہ میں سے جن قبائل نے اندرون عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ (بلکہ قوم) ثمود کا تھا۔ ان کی ترقی کا زمانہ عاد اولیٰ کے بعد کا ہے۔ یہ قوم عرب کے شمال مغربی حصہ پر حکمران تھی۔ جسے وادی قریٰ کہتے تھے۔ حجران کا دارالحکومت تھا جو اس قدیم راستہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔ وادی قریٰ کے گرد و پیش کا میدان بڑا سرسبز و شاداب ہے لیکن آتش فشاں مادے سے لبریز۔ قرآن کریم نے اس قوم کو عاد کا جانشین بتایا ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ‎(۷/۷۴)

(اور وہ وقت یاد کرو جب کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا، اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو۔ بس اللہ کی قدرتوں کو یاد کرو اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ۔

حضرت موسیٰ کے زمانے سے پیشتر ان کی تباہی ہو چکی تھی کیونکہ دربار فرعون کا مرد مومن اپنی قوم سے کہتا ہے کہ:-

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ ... وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ‎(۴۰/۳۲) ۳۲

اور (دربار فرعون کے) مرد مومن نے کہا کہ "اے میری قوم (کے لوگو!) اگر تم اپنے اس انکار و بدعملی سے باز نہ آئے تو مجھے تمہارے متعلق (بھی) اور دوسری قوموں جیسے روز بد کا اندیشہ ہے (مثلاً) جیسے قوم نوح، اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کی قوموں (مثلاً قوم لوط وغیرہ) کا حال ہوا ہے۔ (کہ وہ تباہ کر دی گئیں اور صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان ہی مٹا دیا گیا۔ یہ سب کچھ ان ہی کی بداعمالیوں کے نتائج تھے۔ ورنہ) خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کرتا۔ اے میری قوم! میں تمہارے متعلق چیخ پکار کے دن (یوم مجازات عمل) سے ڈرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس قوم کا زمانہ قریب اڑھائی ہزار ق۔م۔ سے لے کر ۱۹۰۰ ق۔م تک کا ہے اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنی نوازشات کی گہر باری فرما رکھی تھی۔ انھیں تمکن فی الارض کیا۔

وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ ‎(۷/۷۴)

اور اس نے تمہیں زمین میں اس طرح بسا دیا کہ ......

قوم عاد کی طرح یہ لوگ بھی میدانوں میں رفیع و وسیع محلات تعمیر کرتے تھے۔ اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتے جو فن سنگ تراشی کے نمونے تھے۔

تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ‎(۷/۷۴)

(اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ) میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو۔

پر فضا باغات۔ لہلہاتی کھیتیاں۔ صاف و شفاف ابلتے ہوئے چشمے۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ۝ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ۝ ‎(۲۶/۱۴۶-۱۴۹)

(اور یاد کرو جب صالح نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ) کیا (تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ) جس (موجودہ) حالت میں تم یہاں ہو۔ اس میں بے فکر چھوڑ دیئے جاؤ گے (پر فضا) باغات (ابلتے ہوئے) چشموں اور (لہلہاتی) کھیتیوں اور کھجوروں (کے باغوں) میں جن کے خوشے گھتے ہوئے ہیں اور اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے پہاڑوں سے تراش تراش کر مکانات بناتے رہو گے؟ ہرگز نہیں۔ تمہیں اپنی بدعملیوں اور انکار کے برے نتائج کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے)

وادی قریٰ میں سنگین عمارات۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ‎(۸۹/۹)

اور (کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے پروردگار نے) قوم ثمود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا! (کون سی قوم ثمود؟) وہی جنھوں نے پہاڑوں کے دامنوں میں (بڑی بڑی چٹانوں کو تراشا اور مکانات بلکہ قلعے بنائے تھے)

قومی اکثریت اور جنود و عساکر۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ‎(۸۵/۱۷-۱۸)

(اور اے پیغمبر اسلام!) تمہیں لشکروں (جنود و عساکر) کی خبر بھی پہنچی (یا نہیں؟ کون سے جنود و عساکر؟) فرعون اور قوم ثمود کے جنود و عساکر کی:

یہ تھی وہ قوم جن کی طرف خدا کے پیغمبر آتے رہے۔ لیکن انھوں نے اپنی دولت و حشمت۔ حکومت و قوت کے نشے میں قوانین الٰہیہ کی تکذیب کی۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ‎(۱۵/۸۰)

اور دیکھو (حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کی بات جھٹلائی۔

یہاں ان کے دارالحکومت کی نسبت سے اصحاب الحجر کہا گیا ہے۔ دوسری جگہ ان کا نام مذکور ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ‎(۲۶/۱۴۱)

(اور دیکھو) قوم ثمود نے رسولوں کی بات جھٹلائی

سورۂ قمر میں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ‎(۵۴/۲۳)

(اور دیکھو) قوم ثمود نے (انکار و بدعملی کے بد نتائج سے) ڈرانے والوں کی بات جھٹلائی۔

تا آنکہ جب ان کی سرکشی و عدوان حد سے بڑھ گئی اور قانون مشیت کے مطابق مہلت کا زمانہ ختم ہونے کو آیا تو ان کی طرف، اسی قبیلے سے حضرت صالح مبعوث ہوئے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ‎(۷/۷۳، ۱۱/۶۱)

اور (دیکھو) ہم نے قوم ثمود کی طرف انہی کے بھائی بند صالح کو مبعوث کیا

اتباعِ سنت میں اختلافات

[ہمارے ارباب شریعت کا مطالبہ ہے کہ ملک میں کوئی قانون ایسا نہ بنایا جائے جو سنت رسول اللہؐ کے خلاف ہو کیونکہ اتباع سنت ہی کا نام دین ہے۔ چھوٹے چھوٹے فرقوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں جو اہم فرقے ہیں ایک شیعہ اور دوسرے سنی ان دونوں فرقوں کے نزدیک سنت رسول اللہؐ کا مفہوم الگ الگ ہے، شیعہ حضرات کی کتب احادیث سنیوں کی کتب احادیث سے الگ ہیں۔ ان دونوں میں اتباع سنت کا اختلاف کس قدر ہے۔ اس وقت اس موضوع سے صرف نظر کر کے صرف سنیوں کو لیجئے۔ سنی (یعنی اہل سنت والجماعت) حضرات میں، اہل فقہ اور اہل حدیث دونوں شامل ہیں۔ اہل فقہ اپنے ائمہ کی فقہ کے متبع ہیں اور اہل حدیث محدثین کے متبع۔ اور دونوں کا دعوےٰ ہے کہ وہ متبع سنت ہیں۔ پاکستان میں اہل فقہ میں حنفی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

ظاہر ہے کہ جب محدثین اور اہل فقہ (یعنی پاکستان میں اہل حدیث اور حنفی) حضرات دونوں کا دعوےٰ یہ ہے کہ وہ متبع سنت ہیں۔ تو ان میں کسی معاملہ میں اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں باہمی اختلافات اس قدر ہیں کہ وہ حد شمار میں نہیں آسکتے ذیل میں قریب سو ایک ایسے معاملات پیش کئے گئے ہیں جن میں حنفی مسلمانوں کا مسلک اور ہے۔ اور اہل حدیث اور شافعی مسلمانوں کا اور۔ اور اس کے باوجود دونوں اتباع سنت کے مدعی ہیں۔ یہ مثالیں بظاہر چھوٹے چھوٹے سے معاملات کی دکھائی دیں گی۔ لیکن ملک کے قانون میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مثلاً بائیں طرف چلو ایک معمولی سی بات ہے جسے زندگی کے اہم حقائق سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہی چیز جب ایک ملک کا قانون بن جاتی ہے تو اسے خاص اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اب فرض کیجئے کہ پاکستان نے یہ معاملہ طے کرنا ہو کہ ملک کا قانون اس باب میں کیا ہونا چاہیئے۔ اگر اہل احناف کا فتوےٰ ہو کہ دائیں طرف چلنا ناجائز ہے اور محدثین کا ارشاد ہو کہ بائیں طرف چلنا ناجائز ہے تو فرمایئے کہ سنت رسول اللہؐ کے مطابق ملک کا قانون کونسا ہو گا؟ اسی ایک مثال سے باقی معاملات پر بھی قیاس کر لیجئے اور یہ بھی سوچ لیجئے کہ اگر پاکستان کے آئین میں یہ شق درج ہو گئی کہ ملک کا کوئی قانون ایسا نہیں بنایا جائے گا جو سنت کے خلاف ہو تو جب اس شق کو عمل میں لایا جائے گا تو اس وقت کیا شکل پیش ہو گی؟ ہماری مصیبت یہ ہے کہ کوئی شخص ان مشکلات کا تو اندازہ لگاتا نہیں اور سب کے سب خالی جذبات کی شدت میں پکارتے چلے جاتے ہیں کہ ایک اسلامی مملکت کا قانون سنت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ کوئی بتاتا ہے کہ وہ سنت کہاں سے ملیگی؟

بہر حال ذیل کی مثالوں سے دیکھئے کہ زندگی کے روزمرہ کے معاملات میں جن کے تصفیہ کے لئے ملک میں قانون بنایا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک سنت کے مطابق کیا فیصلہ ہے؟ اور محدثین کے نزدیک کیا؟

علامہ تمنا نے (جنہوں نے ان مثالوں کو ترتیب دیا ہے) لکھا ہے کہ ان اختلافات کے سلسلہ میں انہوں نے صرف ہدایہ کو سامنے رکھا ہے۔ اس لئے ان کے حوالے کے لئے اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ (طلوع اسلام]

اختلافات فی المعاملات

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
(۱) ایجاب وقبول کے بعد بیع فریقین کے حق میں لازم ہو جاتی ہے اور کسی کو حق فسخ نہیں رہتا۔ الا یہ کہ مبیع میں کوئی عیب بعد کو معلوم ہو یا بے دیکھی چیز کی خرید و فروخت ہوئی ہو	جب تک مجلس باقی ہو خیار فسخ باقی ہے
(۲) پھلوں کی خرید و فروخت باستثنائے مقدار معین اس طرح کہہ کر کہ اس درخت کے سارے پھل بجز ستّو عدد کے یا پھلوں کا یہ انبار جو سامنے رکھا ہے بغیر ان کی تعداد معلوم کئے ہوئے اس انبار میں سے تیس پھل (مثلاً) کے سوا سب کی بیع جائز ہے	محدثین و مالکیہ کے نزدیک ناجائز ہے
(۳) جو یا گیہوں اپنی بالیوں سے نکالا نہ گیا ہو۔ اس کی بیع جائز ہے۔ اسی طرح باقلا کی بیع جو اپنے قشر (چھلکے) میں ہو یا ہرے چنے کی فصل جس کو عوام (جھنگڑا) کہتے ہیں۔ ان سب کی بیع جائز ہے۔	محدثین و شوافع ناجائز کہتے ہیں۔
(۴) بیع میں بشرط فسخ ہو تو حنفیہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ کے لئے جائز نہیں۔ مگر صاحبین کے نزدیک زیادہ مدت کے لئے بھی جائز ہے۔ فتوے کبھی امام صاحب کے قول پر دیئے گئے ہیں کبھی صاحبین کے قول پر	محدثین و شوافع مالکیہ کے نزدیک زیادہ مدت کے لئے بھی جائز ہے
(۵) خیار شرط کی صورت میں اگر فسخ بیع کیا جائے تو فریقین کی موجودگی ضروری ہے۔	محدثین و شوافع کے نزدیک ضروری نہیں کہ دونوں فریق موجود ہوں ایک ہی بھی فسخ کر سکتا ہے
(۶) خیار شرط ورثہ پر منتقل نہیں ہوتا	منتقل ہوتا ہے
(۷) بے دیکھی چیز کی خرید و فروخت کر دیکھنے کے بعد فسخ کا اختیار باقی رہے۔ جائز ہے	جائز نہیں یعنی بیع ہی جائز نہیں
(۸) انڈا، ککڑی، خربوزہ، تربوز وغیرہ کو اگر اچھا سمجھ کر خریدا گیا۔ مگر بالکل بیکار نکلا۔ یا کسی قدر بیکار نکلا۔ بصورت دوم بقدر خرابی قیمت واپس دلائی جائے گی۔ بصورت اول پوری قیمت اگر خریدار چاہے تو واپس لے سکتا ہے	دونوں صورتوں کا ایک حکم ہے خریدار کو ہر دو حال میں واپسی کا اختیار ہے
(۹) درخت میں جو پھل ہیں جن کی مقدار معلوم نہیں۔ ان کا تبادلہ ان پھلوں سے جو درخت سے علیحدہ ہیں جائز نہیں کیونکہ ان کی تعداد معلوم ہے یا معلوم کر لی جا سکتی ہے	اگر درخت کے پھل قلیل مقدار میں ہوں تو جائز ہے۔
(۱۰) شہد کی مکھیوں کی بیع جائز نہیں	جائز ہے اگر وہ یکجا اور محفوظ ہوں
(۱۱) جانوروں کے دودھ کی طرح عورتوں کے دودھ کی فروخت برتنوں میں جائز نہیں	جائز ہے
(۱۲) ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے درمیان تبادلہ بالتفاضل کے ساتھ سود ہے۔ اگر وہ تول کر یا ناپ کر فروخت ہوتی ہوں چاہے وہ غلہ کی قسم سے ہوں یا سونے چاندی کی قسم سے جیسے لوہا۔ تانبا۔ پیتل وغیرہ۔	سونے چاندی اور غلہ کے سوا دوسری چیزوں کا تبادلہ بالتفاضل جائز ہے جیسے لوہے تانبے، پیتل، رانگ، سیسہ، جستہ وغیرہ کا تبادلہ بالتفاضل جائز ہے
(۱۳) گائے کے دودھ کا تبادلہ بکری کے دودھ سے بالتفاضل جائز ہے۔ اسی طرح ایک انڈے کا تبادلہ دو انڈوں سے جائز ہے	ناجائز ہے
(۱۴) دارالحرب میں مسلم و کافر کے درمیان سودی لین دین ناجائز نہیں۔	ناجائز ہے
(۱۵) حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں۔ یعنی قیمت یا معاوضہ پہلے دیدیا جائے۔ مال بعد کو دیا جائے یہ جائز نہیں۔	جائز ہے

عند الاحناف	عند المحدثین رشوافع وغیرہم
(۱۶) سلم ایسی صورت میں جائز ہے کہ عقد بیع کے وقت سے لے کر مال ادا کرنے کے وقت تک مسلم فیہ موجود رہے یعنی جس چیز کا معاملہ کیا جا رہا ہے وہ موجود رہے	صرف ادا کرنے کے وقت مال کی موجودگی ضروری ہے۔
(۱۷) بیع سلم کے جواز کے لئے (اجل) یعنی وہ وقت کہ جس کے آنے پر مال ادا کر دیا جائے گا۔ اس کا مقرر ہونا ضروری ہے۔	ضروری نہیں
(۱۸) کتوں چیتوں اور دوسرے درندوں کی بیع ناجائز ہے	کتوں کی بیع جائز ہے
(۱۹) چاندی اور سونے کا تبادلہ، گیہوں اور چاول کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ جنس بدل جانے کی وجہ سے جائز ہے۔	ناجائز ہے کیونکہ چاندی سونا دونوں ثمنین ہیں اور دونوں دھات زمین کی پیداوار ایک جنس ہیں۔ اسی طرح گیہوں اور چاول دونوں غلے ہیں۔ اور زمین کی پیداوار اس لئے جنس ایک ہے۔
(۲۰) کفالت بالنفس (شخصی ذاتی ضمانت یعنی مجرم کو طلبی کے وقت حاضر لانے کی ضمانت کہ اگر وہ حاضر نہ لا سکے تو اس کی جگہ یہی ضامن مجرم کی سزا بھگتے گا) جائز ہے	بعض محدثین کے نزدیک اور شوافع کے نزدیک ناجائز ہے
(۲۱) کفالت بالنفس کے ساتھ کفالت بالمال بھی جائز ہے۔	جائز نہیں
(۲۲) مدیون کے قرض کی ضمانت کسی شخص نے لی کہ اگر یہ ادا نہ کرے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ اس کے بعد وہ ضامن مرگیا۔ یا دیوانہ ہوگیا۔ یا مفلس و قلاش ہوگیا ہے تو دائن اس مدیون سے اپنے دین کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔	دائن مدیون سے مطالبۂ دین کا حق نہیں رکھتا اگرچہ اس کا دین ادا نہ ہو۔
(۲۳) کسی غیر مجتہد کو اگر قاضی بنا دیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ اگرچہ غیر مجتہد کو قاضی بنانا خلاف اولیٰ ہے	غیر مجتہد قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔
(۲۴) قاضی کا اجلاس پبلک جگہ میں نہیں بلکہ مسجد جامع میں ہونا چاہیئے۔	مسجد میں نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ نہیں ہو سکتا
(۲۵) جو معاملات عورتوں ہی سے متعلق ہیں۔ مردان کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ ان میں ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔	کم سے کم چار عورتوں کی شہادت ہونی چاہیئے۔
(۲۶) جس پر حد قذف جاری ہو چکی ہے۔ اس کی شہادت توبہ کے بعد بھی معتبر نہیں۔	توبہ کے بعد معتبر ہے۔
(۲۷) احد الزوجین کی شہادت دوسرے کے حق میں معتبر نہیں۔	معتبر ہے
(۲۸) فرقہ خطابیہ (جو اپنے فرقے کے کسی شخص کو بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز سمجھتا ہے) اس کے سوا ہر فرقہ اسلامیہ کی شہادت معتبر ہے خواہ وہ فرقہ مبتدعہ ہو۔	اہل بدعات کی شہادت مطلقاً معتبر نہیں
(۲۹) ولد الزنا کی شہادت معتبر نہیں ہر موقعہ پر خواہ وہ قابل اعتبار ہو۔	زنا کے معاملہ میں معتبر نہیں
(۳۰) دو گواہوں کی شہادت کے خلاف کہ ان دونوں کی شہادت جھوٹی ہے) دو گواہوں کی شہادت کافی ہے	چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہر ایک کے خلاف دو گواہ۔
(۳۱) جھوٹی گواہی کی سزا ہے صرف بازاروں میں تشہیر کافی ہے	مار پیٹ بھی کرنی چاہیئے۔ یا قید خانے میں ڈال دینا چاہیئے
(۳۲) جھوٹی گواہی کی بناء پر اگر کسی بے جرم کو قتل کے الزام میں سزا دے دی گئی کہ وہ قصاص میں وہ بے جرم قتل کر دیا گیا۔ تو جب گواہوں کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا تو ان گواہوں سے دیت وصول کی جائے گی ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔	شوافع کے نزدیک ان گواہوں سے قصاص لیا جائیگا۔
(۳۳) قبضہ کا اختلاف ہو۔ اور دونوں کی طرف سے بینہ پیش کئے جائیں تو اس تعارض کی صورت میں غیر قابض کا بینہ اولیٰ سمجھا جائے گا	قابض کا بینہ اولیٰ قرار دیا جائیگا۔
(۳۴) مدعی گو بینہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہ کر سکا۔ اور مدعا علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ دے گا	ایسی حالت میں قاضی مدعی سے قسم کھلوائے گا۔ اگر مدعی نے قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ دیا جائیگا ورنہ نہیں۔
(۳۵) کسی نے اپنے مرض موت میں اپنے ذمے کسی کے قرض کا اقرار کیا۔ اور اس دین کا کوئی کاغذی ثبوت یا گواہ بھی موجود ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ اور بھی قرض ہیں۔ جن کے گواہ اور ثبوت بھی موجود ہیں لیکن مرنے والے کا مال اتنا نہیں ہے کہ سب کا قرض اس سے ادا ہو تو جس کے قرض کا اس نے اپنے مرض موت میں ذکر کیا تھا۔ وہ پہلے ادا کر دیا جائے گا۔	سب قرض برابر ہیں۔ اس لئے بقدر حصہ رسدی اس کے مال میں سے سب کو ملیگا
(۳۶) مرض موت میں کسی وارث کے دین کا اقرار معتبر نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ دوسرے ورثہ اس کو مان لیں۔	معتبر ہوگا۔ دوسرے ورثا مانیں یا نہ مانیں
(۳۷) اگر کوئی چیز کسی کو عاریت دی گئی۔ اور وہ ضائع ہو گئی تو وہ چیز امانت کی حیثیت میں ہوگی۔ اور تاوان نہیں دلوایا جائے گا۔	تاوان دلوایا جائے گا۔
(۳۸) عاریت لی ہوئی چیز کو عاریت دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ ضائع جانے یا کسی طرح کی خرابی کا اندیشہ نہ ہو۔	جائز نہیں
(۳۹) عقد ہبہ بغیر قبضے کے نافذ نہیں ہوتا۔	بعض محدثین اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایجاب و قبول سے نافذ ہو جائیگا
(۴۰) ذی رحم محرم کے سوا کسی اور کو ہبہ کرنے کے بعد اس ہبہ سے خاص شرائط کے ماتحت رجوع جائز ہے۔	ہبہ سے کسی حالت میں بھی رجوع جائز نہیں۔
(۴۱) اگر راستہ محفوظ ہو تو ودیعت کو ساتھ لے کر سفر کرنا جائز ہے	ناجائز ہے اگرچہ راستہ پر امن ہو
(۴۲) اجارہ (کرایہ) میں عاقدین میں سے کسی ایک کو بھی بخوف ضرر یا کسی ضرورت کی وجہ سے حق فسخ حاصل ہے اگرچہ دوسرا فریق اس سے راضی نہ ہو۔ مثلاً رکشا یا ٹیکسی وغیرہ کرایہ کی۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد رکشا یا ٹیکسی والے نے راستہ کی خرابی کا اندازہ کیا۔ اس لئے جانے سے انکار کر دیا۔ یا جانے والے کو کچھ خیال آیا۔ اور وہ جانے سے باز رہنا چاہتا ہے۔ تو دونوں کو حق فسخ حاصل ہے	بلا رضا مندی فریق کسی دوسرے فریق کو حق فسخ حاصل نہیں۔
(۴۳) کسی کافر نے اسلام قبول کرنے کے لئے کسی سابق مسلمان سے یہ معاہدہ کیا کہ میرے بعد تم میرے وارث ہوگے۔ اور میرا قرض وغیرہ تم ادا کروگے تو یہ معاہدہ صحیح ہے۔ اس نو مسلم کے مرنے کے بعد وہ سابق مسلمان اس کا وارث ہوگا۔ اور اس کا قرض وغیرہ وہی ادا کرے گا۔ اور اگر یہ سابق مسلمان ہی پہلے مرگیا تو اس کے ذوی الفروض ورثہ کے حصے دینے کے بعد اس نو مسلم کو عصبہ باقی مال ملے گا جو ورثہ سے بچ رہا۔ بشرطیکہ کوئی نسبی عصبہ اس مسلمان کا نہ ہو۔	ایسا معاہدہ جائز نہیں اور کوئی ان میں سے کسی کا وارث نہ ہوگا۔ اور کوئی کسی کے مرنے کے بعد اس کا قرض ادا نہ کرے گا۔

عندالاحناف	عندالمحدثین وشوافع وغیرہم
(۴۴) جبر واکراہ کی طلاق وعتاق نافذ ہے	نافذ نہیں
(۴۵) کسی ماذون بالتجارۃ کو صرف گیہوں کی تجارت کی اجازت دی گئی ہو۔ تو یہ اجازت ہر قسم کے غلے کی سمجھی جائے گی۔ اور وہ ماذون چاول، جو، مٹر وغیرہ بھی بیچ سکتا ہے۔	صرف گیہوں ہی کی تجارت کی اجازت سمجھی جائے گی۔ دوسرے غلوں کی تجارت اس کے لئے جائز نہ ہوگی۔
(۴۶) کسی شخص نے کسی کا مکان غصب کر لیا۔ اور اس پر قابض ہو گیا۔ مگر مالک کا مالکانہ حق باقی ہے۔ مثلاً ٹیکس چوکیداری یا میونسپلٹی میں نام مالک ہی کا ہے مالک ہی ٹیکس ادا کرتا ہے اور رسیدیں حاصل کرتا ہے اس طرح مالک کا مالکانہ حق اس مکان پر باقی ہے تو اگر غاصب کے قبضے کے بعد وہ مکان زلزلہ یا سیلاب یا اور کسی آفت ناگہانی کی وجہ سے منہدم ہو گیا۔ تو غاصب سے مالک کو تاوان نہیں دلوایا جائے گا۔ جب تک کہ یہ معلوم بالثبوت نہ ہو کہ وہ مکان غاصب ہی کے فعل سے منہدم ہوا ہے۔ یا غاصب نے اپنی حقیت و ملکیت اسی مکان پر قائم کر لی ہے۔ اس صورت میں مالک کو بہرحال تاوان دلوایا جائے گا۔	بہرحال مالک کو غاصب سے تاوان دلوایا جائے گا۔
(۴۷) کسی مغصوبہ چیز کو لاپتہ کر دیا۔ مالک سے کہدیا کہ وہ چیز اب باقی ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد مالک کو تاوان ادا کر کے اس سے صفائی کر لی۔ اس صفائی کے بعد غاصب نے اس مغصوبہ چیز کو ظاہر کیا۔ تو وہ غاصب اس مغصوبہ چیز کا مالک جائز قرار پائے گا۔	غاصب اس مغصوبہ چیز کا اس حالت میں مالک جائز نہیں قرار دیا جائے گا۔ جب تک اصل مالک اس پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کرے۔
(۴۸) مغصوبہ زمین کی پیداوار غاصب کے پاس مالک کی امانت کی حیثیت میں رہیگی۔ اگر کسی آفت ناگہانی سے ضائع ہو گئی۔ تو مالک اس غاصب سے تاوان وصول نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر غاصب کے فعل سے ضائع ہو جائے۔ تو مالک تاوان لے گا۔	بہرحال مالک تاوان وصول کر سکتا ہے۔
(۴۹) شئے مغصوبہ سے غاصب نے فائدے اٹھائے اور مال مغصوبہ میں اس انتفاع سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ تو مالک کو غاصب سے کوئی تاوان نہیں دلوایا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی خرابی پیدا ہو گئی تو بقدر خرابی تاوان دلوایا جائے گا	بہرحال مالک کو غاصب سے تاوان دلوایا جائے گا۔
(۵۰) کسی کافر ذمی کی شراب یا سور (خنزیر) کوئی مسلمان تلف کر دے۔ تو اس مسلمان سے اس ذمی کو تاوان دلوایا جائے گا	نہیں دلوایا جائے گا
(۵۱) حق شفعہ صرف جوار (پڑوس) سے حاصل ہو جاتا ہے۔	صرف پڑوس سے حاصل نہیں ہوتا جب تک شرکت بھی نہ ہو۔
(۵۲) اگر ایک مکان میں کئی شریک ہیں۔ ایک نصف کا۔ ایک ربع کا اور دو ثمن ثمن کے ایک ثمن والے نے بیع کیا تو سب کو برابر حق شفعہ ہوگا	سب کو اپنی رسدی کے مطابق حق شفعہ حاصل ہوگا۔
(۵۳) مال غیر منقولہ چاہے قابل تقسیم ہو (جیسے کھیت یا باغ وغیرہ) چاہے قابل تقسیم نہ ہو (جیسے ایک چھوٹی سی کوٹھری یا حمام یا پن چکی وغیرہ) بہرحال حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔	ایسی چیز میں حق شفعہ نہیں جو ناقابل تقسیم ہو۔

عندالاحناف	عندالمحدثین وشوافع وغیرہم
(۵۴) مہر میں شوہر کو بیوی دے یا خلع میں، بیوی شوہر کو دے یا کسی اجرت میں یا بدل صلح یا تاوان میں اگر کوئی کھیت یا باغ وغیرہ دیا جائے۔ تو اس میں حق شفعہ کسی کو نہیں پہونچتا۔	حق شفعہ شرکاء کو پہنچتا ہے
(۵۵) حق شفعہ میں وراثت نہیں چلتی۔	چلتی ہے
(۵۶) عقد مساقاۃ (یعنی درختوں کے مالک سے کسی کا اس طرح معاملہ کرنا کہ میں اسکی رکھوالی کروں گا۔ پانی دوں گا۔ اور جو اسکی ضرورت ہوگی پوری کروں گا۔ جو پھل ہوں گے اس میں اس قدر حصہ میرا ہوگا) جائز نہیں۔	جائز ہے (صاحبین کے نزدیک بھی جائز ہے)
(۵۷) عقد مزارعت احناف وشوافع دونوں کے نزدیک جائز نہیں۔	بعض محدثین کے نزدیک جائز ہے اور شوافع کے نزدیک عقد مساقات کی تبعیت میں جائز ہے۔
(۵۸) صاحبین کے قول کی بناء پر ہر کھیت ہر باغ اور ہر قسم کے درخت کے لئے عقد مساقات جائز ہے۔	صرف کھجور یا انگور کے لئے جائز ہے
(۵۹) ایک مسلم ذبح کے وقت تسمیہ اگر قصداً چھوڑ دے (اگر تسمیہ سے انکار نہو) ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ اور وہ ذبیحہ میتہ کے حکم میں ہوگا۔ ہاں اگر نسیاناً چھوٹ گیا ہے تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔	بعض محدثین اور شوافع کے نزدیک قصداً ہو یا نسیاناً دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال رہے گا۔ اور مالکیہ اور بعض محدثین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہوگا۔ میتہ کے حکم میں سمجھا جائیگا۔
(۶۰) ناخن یا دانت یا سینگ کسی جانور اگر اس کے جسم سے الگ کسی کے پاس موجود ہو اور چھری وغیرہ نہ ہو تو انھیں چیزوں سے اگر جانور کو ذبح کر لیا۔ تو وہ جانور حلال ہوگا۔ اگرچہ مکروہ فعل سمجھا جائے گا۔ مگر یہ کراہت اس جانور کی حلت میں موثر نہ ہوگی۔	حرام ہوگا اور میتہ کے شمار میں ہوگا۔
(۶۱) ذکاۃ اضطراری۔ جیسے کسی جانور پر دیوار گر گئی! اس کا سر وغیرہ جسم کا کل ملبے کے نیچے دبا ہوا ہے یقین ہے کہ جب تک ملبہ ہٹایا جائے جانور مر جائے گا۔ صرف ٹانگیں یا دم باہر ہے تو جو حصہ باہر ہے اسی پر چھری چلا کر تسمیہ کے ساتھ ذبح کر لیا جائے گا۔ اور جانور حلال ہوگا۔ اگرچہ حلق پر چھری نہ چلائی جا سکی۔ اسی طرح کوئی جانور ذبح کے وقت کھل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اب اگر اس کو پکڑتے ہیں تو وہ پکڑنے والوں کو ہلاک یا زخمی کر دے گا ایسی حالت میں اس کو بسم اللہ کہہ کر چھری پھینک کر زخمی کر کے گرا سکتے ہیں۔ اگر وہ زخمی ہو کر دور کسی جگہ بھاگ کر گر گیا۔ اور اب زیادہ خون بہنے سے مر گیا۔ تو حلال ہے۔ اگرچہ گردن پر کوئی زخم نہ لگا۔ اسی طرح کوئی جانور کنوئیں میں گر جائے۔ اس کے ڈوب کر مر جانے کا اندیشہ ہو تو بڑے ڈنڈے یا رسی میں چھری باندھ کر اس کو زخمی کر دیا جائے کہ کنوئیں میں زخمی ہو کر مرے اگر خون اس کے بدن سے کافی بہہ گیا ہے تو حلال ہے	ان سب صورتوں میں، وہ جانور حرام ہے کیونکہ وہ ذبح سے نہیں مرا بلکہ ملبے سے دبنے کی وجہ سے یا زخموں کی تکلیف اور زیادہ اس تکلیف میں زیادہ دوڑنے بھاگنے کی وجہ سے یا کنوئیں کے پانی میں ڈوب کر مرا ہے۔ ذبح کی وجہ سے اس کی جان نہیں نکلی۔
(۶۲) ذبیحہ کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ وہ میتہ کے حکم میں ہے۔	جائز ہے۔ (صاحبین کا بھی یہی قول ہے)
(۶۳) ضبع (بجو) ضب (گوہ) اور ثعلب (لومڑی)	حلال ہے

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
کا کھانا مکروہ تحریمی۔ یعنی حرام ہے	
(۶۳) گھوڑا مکروہ ہے	حلال ہے (صاحبین کے نزدیک بھی)
(۶۴) حرام جانوروں کو اگر ذبح کر لیا ہے بسم اللہ کہہ کر تو اس کی کھال، چربی اور گوشت طاہر ہے ناپاک نہیں۔ صرف کھانا حرام ہے۔	ناپاک ہے۔
(۶۵) دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے اور وہ بھی جو طافی نہ ہو۔ یعنی اپنی موت یا چوٹ وغیرہ سے مر کر پانی کے اوپر نہ آ گئی ہو۔ یعنی وہی مچھلی حلال ہے جو زندہ پکڑی گئی ہو۔ اس کے بعد مری ہو۔	سب دریائی جانور حلال ہیں۔
(۶۶) شیشہ، بلور یا عقیق وغیرہ قیمتی پتھروں کے برتنوں میں کھانا جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں۔	مکروہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک ناجائز۔
(۶۷) ناف سے لے کر گھٹنوں تک ستر میں داخل ہے نماز میں مردوں کے لئے ان کا چھپانا لازم ہے	صرف ستر غلیظہ کا چھپانا کافی ہے۔ یعنی چوتڑ اور کنج ران اور ان کے درمیان جو کچھ ہے۔ صرف اسی کا چھپانا لازم ہے۔ اگر کنج ران سے نیچے کا حصہ یعنی گھٹنے سے اوپر کا حصہ ران اور پیڑو کھلا ہو تو نماز ہو جائیگی۔
(۶۸) جانوروں کی لید کی بیع جائز ہے	ناجائز ہے۔
(۶۹) ہر مسجد یہاں تک کہ مسجد حرام میں بھی ذمی کافر داخل ہو سکتا ہے	بعض محدثین وشوافع کے نزدیک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری مساجد میں داخل ہو سکتا ہے بعض محدثین اور مالکیہ کے نزدیک کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔
(۷۰) انگور کا عرق پکا کر جب اس کا ثلث رہ جائے جس کو ثلث کہتے ہیں۔ اگر اس میں سکر نہ ہو تو جائز ہے	ناجائز ہے
(۷۱) شراب کا سرکہ بنا لینا جائز ہے۔ جب سرکہ بن گیا تو حلال وطیب ہے۔	حرام ہے۔ بنانا بھی حرام اور اس کا استعمال اکلاً وشرباً حرام ہے
(۷۲) شکاری نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ کہہ کے ایک شکار پر چھوڑا۔ وہ شکار کتے کے قبضے میں نہ آ سکا۔ مگر کتا ایک دوسرا شکار لے آیا۔ تو یہ دوسرا شکار بھی اس کے لئے حلال ہے	وہی شکار حلال ہوگا۔ جس پر وہ کتا چھوڑا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور شکار اس شکار کی جگہ یا اس کے ساتھ لے آتا ہے تو وہ دوسرا شکار حرام ہے۔
(۷۳) دردی خمر (تلچھٹ) اگر اس حد تک پی جائے کہ نشہ نہ پیدا ہو تو اس پینے والے پر حد نہیں جاری ہوگی۔	ضرور جاری ہوگی۔
(۷۴) تیر سے جانور شکار کیا گیا۔ ضرب کے اثر سے اس جانور کا کوئی عضو کٹ کر اس کے جسم سے علیحدہ ہو گیا۔ تو اس جدا شدہ عضو کا کھانا جائز نہیں	جائز ہے
(۷۵) عقد رہن قبضے کے بعد نافذ ہوتا ہے۔	مجرد عقد کے بعد رہن کا حکم نافذ ہو جائیگا چاہے قبضہ جتنے دنوں کے بعد ہو،
(۷۶) کوئی چیز کسی کے یہاں رہن رکھی گئی مرتہن کا اس چیز پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ چیز ہلاک یا ضائع ہو گئی۔ تو مرتہن اس مال مرہونہ کا ضامن قرار دیا جائے گا۔ اور راہن اس سے ضمان کا طالب ہو سکتا ہے۔	مرتہن کی حیثیت امانت دار کی ہے۔ اس لئے مال مرہونہ کے ہلاک وضیاع کا وہ ضامن نہیں۔ راہن کو اس پر دعویٰ ضمان کا حق نہیں۔
(۷۷) رہن مشاع (نصف مکان یا چوتھائی زمین کا رہن) جائز نہیں۔	جائز ہے

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
(۷۸) زیادۃ فی الرہن جائز ہے۔ مگر زیادۃ فی الدین جائز نہیں۔ مثلاً کسی نے ایک ہاتھ کا کنگن دس روپے پر رہن کر رکھا ہے۔ تو یہ کر سکتا ہے کہ دوسرے ہاتھ کا کنگن بھی اسی معاملے میں شامل کر دے۔ گویا وہ ایک کنگن دس روپے میں رہن نہ ہوا۔ دو کنگن دس روپے میں رہن ہوئے۔ مگر یہ نہیں جائز ہے کہ ایک کنگن پر دس روپے اور لے کر دس دس کو بیس بنا دیا جائے۔ البتہ دوسرے کنگن کا ایک الگ معاملہ رہن جائز ہے کہ دوسرا کنگن بھی دس روپے پر رہن ہے۔	بعض محدثین اور امام ابو یوسف کے نزدیک زیادۃ فی الدین بھی جائز۔ اور بعض محدثین اور امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک نہ زیادۃ فی الرہن جائز ہے نہ زیادۃ فی الدین دو میں سے کوئی بھی جائز نہیں۔
(۷۹) قتل عمد میں قاتل کو دیت (خون بہا) دینے پر قاضی یا ولی مقتول مجبور نہیں کر سکتا۔	بعض محدثین کے اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق قاتل دیت پر مجبور کیا جا سکتا ہے بعضوں کے نزدیک ولی مقتول پر معاملہ موقوف ہوگیا۔
(۸۰) قتل عمد میں کفارہ لازم نہیں ہے۔	لازم ہے۔
(۸۱) سمندر، دریا، یا تالاب یا کنویں وغیرہ میں ڈبو کر کسی کو ہلاک کرنے والے سے قصاص جانی نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ قصاص مالی یعنی دیت لی جائیگی	قتل عمد کی وجہ سے قصاص جانی لیا جائے گا۔
(۸۲) اگر کوئی دیوانہ یا کسی کا کوئی جانور کسی پر حملہ کرے۔ جس سے اس کی جان کا خطرہ ہو۔ اور وہ اس کی مدافعت میں اس کو قتل کر دے۔ تو اس کو دیت دینی ہوگی۔ اور اس جانور کی قیمت ادا کرنی ہوگی	اس صورت میں کچھ بھی دینا نہ ہوگا۔
(۸۳) مقتول کے خون بہا میں اس کے دوسرے وارثوں کی طرح بیوی یا شوہر کا بھی حق ہے۔	بعض محدثین اور مالکیہ کے نزدیک نہیں ہے
(۸۴) اگر دو آدمیوں نے کسی کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا۔ تو قصاص بدنی کسی سے بھی نہیں لیا جائے گا البتہ دونوں سے دیت وصول کی جائے گی۔	دونوں سے قصاص بدنی لیا جائیگا۔
(۸۵) کسی نے کسی کو زخمی کر دیا۔ تو زخم کے مندمل یا قریب الاندمال ہونے کا انتظار کیا جائیگا۔ اس کے بعد قصاص لیا جائے گا۔ اس خیال سے کہ یہ شاید یہ زخم مہلک ثابت ہو۔ تو پھر حکم بدل لیا جائے گا	انتظار کی کوئی ضرورت نہیں۔
(۸۶) باپ اگر بیٹے کو قتل کر دے تو بخیال اس کے کہ اس نے عمداً ایسا نہیں کیا ہوگا۔ اگر عمداً کا اندازہ ملے بھی تو شبہ عمد کا حکم لیا جائے گا۔ اور دیت اس بیٹے کے دوسرے ورثہ کو دلوائی جائے گی۔ مگر مہلت زیادہ سے زیادہ تین برس تک کی دی جائے گی جیسے شبہ عمد میں نہیں دی جاتی ہے۔	شبہ عمد کا حکم اس وقت تک نہ ہوگا جب تک شبہ عمد نہ ہو۔ اس لئے دیت فوراً دلوائی جائیگی۔ مہلت نہیں دی جائیگی۔
(۸۷) گھوڑا، سائیکل موٹر پر دو سواریوں کے درمیان ٹکر ہو گئی۔ اور دونوں مر گئے۔ تو دونوں کے وارثوں پر دیت لازم آئے گی۔ اور پوری دیت۔	نصف نصف دیت لازم آئیگی۔
(۸۸) اگر کسی محلے میں کوئی مقتول پایا گیا۔ لیکن قاتل کا پتہ نہیں ملتا۔ تو اس محلے کے پچاس آدمیوں سے قسم کھلائی جائے گی کہ ہم نے نہ خود اس کو قتل کیا ہے۔ اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ اگر محلے میں پچاس آدمی نہ ہوں۔ تو جتنے آدمی بھی ہوں ان سبھوں	اگر کوئی علامت ایسی پائی جائے۔ جس سے اہل محلہ پر شبہ کیا جا سکے تو ولی مقتول سے پچاس مرتبہ قسم کھلوائی جائے گی ورنہ کہ محلہ والوں سے اگر وہی مقتول قسم کھا لیگا تو محلہ والوں سے اس کے بعد قسمیں

عند الاحناف	عند المحدثین و شوافع وغیرہم
سے مکرر قسم کھلا کر پچاس قسموں کی گنتی پوری کی جائیگی۔ اگر سب قسم کھالیں گے تو سب سے دیت وصول کی جائے گی۔ اگرچہ ولی مقتول کا دعویٰ قتل عمد کا ہو۔ لیکن ولی مقتول سے قسم نہ لی جائیگی لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل محلہ میں سے جو قسم نہ کھائیگا اس کو قید کر دیا جائے گا اس وقت تک کہ یا تو وہ قسم کھائے کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں ورنہ قید ہی میں مرے۔	لی جائیں گی کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے۔ نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ اگر محلے والے قسم کھالیں گے تو بری کر دیئے جائیں گے۔ اور ان سے دیت وصول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر کوئی علامت ایسی نہ پائی جائے جس سے اہل محلہ پر گمان کیا جاسکے تو محلہ والوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائیگی۔ اگر پچاس آدمی نہ ہوں تو جتنے ہوں اتنی ہی قسمیں لی جائیں گی۔ تکرار قسم کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد اولیاء مقتول سے قسم لی جائیگی۔ اگر دونوں قسم کھالیں گے تو معاملہ ختم کر دیا جائے گا۔

(اسی کو قسامت کہتے ہیں)

عند الاحناف	عند المحدثین و شوافع وغیرہم
(۸۹) حضرت عمرؓ نے ایک ایک سردار کے تحت ایک لشکر کے اسماء رجسٹری درج کرائے تھے۔ ان سرداروں کو ان کے لشکروں کے ساتھ اہل دیوان کہتے تھے جن کو دیت وصول کرنے کا حق ہے۔ اور جن لوگوں میں دیت تقسیم ہوگی۔ ان کو عاقلہ کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اگر مقتول اہل دیوان سے ہے تو اس کا عاقلہ ان کا سردار ہوگا۔ جو دیت وصول کرکے مقتول کے ورثہ میں تقسیم کرے گا۔	دیت وصول کرنے کا حق اولیاء مقتول کو ہے۔ اور وہی اہل خاندان میں اس کے عاقلہ ہیں۔
(۹۰) قاتل کے حق میں مقتول کی وصیت نافذ نہ ہوگی بجز اس کے کہ دوسرے ورثاء رضامند ہوں	ہوگی
(۹۱) صبی نابالغ کی وصیت ناقابل اعتبار ہے	قابل اعتبار ہے
(۹۲) اگر کسی نے اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی تو اس کے مکان سے متصل جس کے مکانات ہیں وہی سمجھے جائیں گے۔	محلہ کی مسجد جو محلہ دار اس کے ساتھ باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے یا اس پاس کے چاروں طرف کے چالیس مکانات کے لوگ اسی سمجھے جائینگے دس مکان ہر طرف کے
(۹۳) کسی نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی تو مولیٰ غلام آزاد کردہ کو بھی کہتے ہیں۔ اور آقا کو بھی۔ اگر وہ وصیت کرنیوالا خود غلام آزاد کردہ کسی کا تھا۔ تو وہ اس کا مولیٰ تھا اور پھر اس نے بھی ایک غلام خرید کر آزاد کیا تھا۔ وہ بھی اس کا مولیٰ ہوا۔ ایسی وصیت مہمل اور لایعنی سمجھی جائے گی	دونوں کو برابر برابر اس وصیت میں سے حصہ ملے گا۔
(۹۴) اگر حلال گوشت میں حرام گوشت مل گیا اور حلال گوشت مقدار میں زیادہ تھا۔ تو ظاہر علامات رنگ و بو وغیرہ سے لبظن غالب جو گوشت حرام کا معلوم ہو۔ اس کو اتنا بھر نکال لے کہ حلال گوشت کی مقدار بھر رہ جائے۔ تو اب اس باقی حلال گوشت کو کھا سکتا ہے اگرچہ حالت اضطرار نہ ہو۔	نہیں کھا سکتا۔ اور بحالت اضطرار تو حرام ہی صرف ہو جب بھی بقدر ضرورت کھا سکتا ہے

[ان مثالوں سے آپ نے دیکھ لیا کہ زندگی کے روزمرہ کے معاملات میں حنفی مسلمانوں میں اور اہل حدیث میں کس قدر فرق ہے۔ اب سوچئے کہ جب ان دونوں کا مطالبہ یہ ہو کہ ملک میں کوئی قانون ایسا نہ بنایا جائے جو سنت کے خلاف ہو۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں گروہ پاکستان کے قوانین کے بارے میں متفق ہیں؟ یاد رکھئے کہ جب پاکستان کا قانون شریعت کے مطابق بنے گا تو اوپر کی مثالوں میں پیش کئے ہوئے تمام معاملات قانونی اہمیت حاصل کر جائیں گے۔ یہ ہے "اتباع سنت" کے اس تصور کی حقیقت جسے محض جذبات کے زور پر اس شدومد سے پیش کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو سوچنے اور غور کرنے کی مہلت (بلکہ اجازت) ہی نہیں دی جاتی۔

طلوع اسلام کا مسلک اس باب میں یہ ہے کہ اوّل، پاکستان میں یہ شرط رکھی جائے کہ اس کے قوانین کتاب اللہ کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے بنائے جائیں گے۔ اس کے بعد جب کوئی معاملہ پیش ہو جس کی بابت قانون بنانا ہو تو یہ دیکھ لیا جائے کہ قرآن کریم نے اس باب میں کیا حدود مقرر کی ہیں۔ ان حدود کو سامنے رکھ کر پھر دیکھ لیا جائے کہ اس باب میں سلف کے مختلف فرقوں کا عمل کیا ہے۔ ان میں سے جو عمل ان حدود کے اندر موزوں بیٹھتا ہو اسے اختیار کر لیا جائے۔ اگر ان میں سے کوئی طریق بھی حدود اللہ کے مطابق نہ ہو۔ یا وہ ہمارے زمانے کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو۔ تو اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہمارا اسلامی نظام خود ایک قانون مرتب کرے۔ یہ قانون قرآن کے بھی مطابق ہوگا اور سنت کے بھی۔ سنت کے مطابق اس لئے کہ خود رسول اللہ نے بھی اپنے زمانے میں اسی طرح قوانین مرتب فرمائے تھے۔ اس کا نام اتباع سنت یا خلافت علیٰ منہاج نبوت ہے۔ یہی کچھ خلفائے راشدین نے کیا تھا جو اتباع سنت میں سب سے پیش پیش تھے۔

لیکن اگر آپ اتباع سنت کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کی تمام جزئیات میں پہلے سے طے شدہ فیصلوں کی اتباع کی جائے۔ تو پھر آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ مذکورہ بالا مثالوں میں سے کون سے فیصلے کو سنت کے مطابق قرار دیا جائے گا؟

[طلوع اسلام]

طلوع اسلام کا
سالانہ چندہ
پاکستان میں دس روپے۔ ہندوستان میں پندرہ روپے
غیر ممالک میں ۲۵ شلنگ۔
ناظم ادارہ

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیز ڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد بمعہ گرد پوش ——— قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم از پرویز۔ سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصہ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات ——— قیمت ——— آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت علماء اور اسلامی جماعتوں کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔

۰۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

سلیم کے نام از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات ——— قیمت ——— چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔

۴۰۰ صفحات قیمت ——— چار روپے

اسباب زوال امت از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو تیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۰ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۴ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۷ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری

علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔

صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

نظام ربوبیت از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور۔ دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔

قیمت قسم اول ——— چھ روپے قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

اقبال اور قرآن از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارۂ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴۳ - کراچی

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت ——— ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی

(۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہوسکے گی۔

نوٹ:- کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴۳ کراچی

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبہ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴۳ کراچی

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۰ء	نومبر
۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے خریداران طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔

خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام — کراچی

جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی

جمعیت اقوام متحدہ کے دس سال

جون ۲۰ سے ۲۶ تک کے ہفتے میں سان فرانسسکو کے مقام پر ساٹھ اقوام کے نمائندوں کا ایک فقید المثال اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع منشور اقوام متحدہ کی دسویں سالگرہ منانے کے لئے منعقد ہوا۔ اسی مقام پر دس سال پہلے پچاس اقوام کے نمائندے جمع ہوئے تھے۔ ۲۵ اپریل سے ۲۶ جون کے دو ماہ کی بحث و تمحیص کے بعد اقوام متحدہ کا منشور تیار تھا۔ متعلقہ ممالک کی حکومتوں نے کاغذات تصدیق باضابطہ طور پر ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو داخل کئے۔ چنانچہ اس دن سے منشور اقوام متحدہ نافذ العمل ہوا اور یہی دن یوم اقوام متحدہ قرار پایا۔ اب دس سال کے بعد پہلی مرتبہ سان فرانسسکو کے مقام پر منشور اقوام متحدہ کی دسویں سالگرہ منائی گئی ہے۔

سان فرانسسکو کا پہلا اجتماع جس نے اقوام متحدہ کو جنم دیا، دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمے پر منعقد ہوا تھا۔ ابھی دنیا پہلی جنگ کے سہم سے بمشکل عہدہ برآ ہوئے تھے کہ دوسری جنگ نے ان کو آلیا۔ جنگ کے چھ سات سال عجیب قیامت تھے۔ اس دوران میں تباہی و ہلاکت کا پھیلنا تو قابل فہم تھا ہی، اس کے اثرات سے آج تک گلو خلاصی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس قیامت سے نظام ہست و بود درہم برہم ہو گیا۔ لیکن بادلوں کی طرح اٹھنے والے کوہ دود کے نیچے سے ایک تازہ چشمہ بھی پھوٹا۔ یہ چشمہ اقوام متحدہ کے نام سے موسوم ہوا۔ پہلی جنگ کے مضرات کا تجزیہ کرتے ہوئے اقبال نے لکھا تھا کہ "تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔" فطرت یقیناً نئے آدم اور نئی دنیا کی تعمیر میں مصروف ہے لیکن اس تعمیر کو تخریب کے کن کن مراحل سے گذرنا ہوگا، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تخریب کا عمل بے پناہ تو ایک عرصے سے جاری ہے۔ لیکن اب یہ کہنا بے محل نہیں ہوگا کہ تعمیر کا عمل۔ اقوام متحدہ کی صورت میں۔ شروع ہو گیا ہے۔ یہ عمل بڑا سست ہے، اس حد تک کہ اسے دیکھ کر امید سے کہیں زیادہ یاس ابھرتی ہے لیکن جو نگاہیں ان عوامل کا جائزہ لے سکتی ہیں جو زیر سطح پرورش پا رہے ہیں وہ اس ظلمت یاس میں امید کی روشن کرن مستور دیکھتے ہیں۔

بنظر غائر دیکھا جائے تو اقوام متحدہ کا منشور انسانیت کا شرمندۂ تخلیق ہے جو مختلف قوموں کے باہم تضادات کو ابھرتی اور ڈھلتی چلی آئی ہے پہلی عالمگیر جنگ نے اس قالب کو خصوصیت سے نمایاں کر دیا۔ اقبال کے الفاظ میں "وہ ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا۔" یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس رستاخیز نے افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت پیدا کر دی لیکن یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اس نے اس کی طرح ضرور ڈال دی۔ مرحوم جمعیت اقوام ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو معرض وجود میں آئی۔ اس کی تخلیق قومیت کو بین الاقوامیت سے ہم آہنگ کرنے کی پہلی کوشش تھی۔ یہ اس کی خوبی تھی لیکن اسی خوبی میں اس کی خرابی کی صورت بھی مضمر تھی۔ ذہن انسانی اس وقت عالمگیر انسانی تصور کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک جنگ عظیم اس ذہن پر عالمگیریت کا نقش مرتسم کرنے کے لئے ناکافی تھی۔ جانے ایسے کتنے جھٹکے اور لگیں گے اور ذہن انسانی اس تصور کو قبول کرے گا۔ بہرحال جمعیت اقوام (League of nations) نے اپنا مقصد اپنے ارکان کی سیاسی آزادی اور علاقائی سالمیت کا تحفظ قرار دیا لیکن اس تحفظ کے لئے قوت کے استعمال کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہ کیا گیا اور یہ عدم احساس اس ادارے کی کمزوری کا باعث بن گیا۔ جمعیت اقوام کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے ارکان نے جمعیت کو امن کی بحالی یا اس کی برقراری کا نہیں بلکہ صرف بین الاقوامی معاہدات کے احترام کا ذریعہ سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت بین الاقوامی سیاست میں مؤثر حربہ امن ثابت نہ ہو سکی۔ مزید برآں امریکہ کی عدم شمولیت سے اس کی عالمی حیثیت کو بڑا صدمہ پہنچا۔ لیگ آف نیشنز دم توڑ رہی تھی کہ ۱۹۳۹ء میں یعنی اس کی پیدائش کے انیس سال بعد ایک اور قیامت خیز زلزلہ آیا۔ یہ زلزلہ اپنے پیشرو زلزلے سے کہیں زیادہ شدید تھا۔ اس سے دنیا ایک ایسے نئے دور میں داخل ہو گئی جس نے اس کے تقاضوں کو یکسر بدل دیا۔ یہ دور اٹیم کا دور تھا۔ وہ اٹیم جس نے انسانیت کے لئے تباہی کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ ابھی اطراف و اکناف میں آگ برس رہی تھی اور انسانوں کی بستیوں کی بستیاں غارت ہو رہی تھیں کہ ۱۲ جون ۱۹۴۱ء کو برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ، جرمنی کے مقبوضہ ممالک بلجیم، چیکوسلوواکیہ، یونان، لکسمبرگ، ہالینڈ، ناروے، پولینڈ، یوگوسلاویہ کی جلا وطن حکومتوں اور فرانس کے جنرل ڈیگال نے ایک "اعلان لندن" شائع کیا۔ اس میں انہوں نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ ایک دوسرے اور دیگر آزاد اقوام کے ساتھ مل کر ایک ایسی پر امن دنیا کی تعمیر کے لئے کام کریں گے جو جارحیت کے خطرے سے پاک ہو۔

اس اعلان کے کوئی دو ماہ بعد یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۱ء کو صدر روزویلٹ اور وزیر اعظم چرچل نے مشہور منشور اوقیانوس (Atlantic charter) شائع کیا۔ اس میں تحریر تھا کہ "نازی استبداد کے استیصال کے بعد وہ امن کی ایسی فضا قائم کرنے کی توقع کرتے ہیں جو تمام قوموں کو موقع دے کہ وہ بھی بعافیت تمام رہیں اور تمام ملکوں کے باشندوں کو یہ ضمانت دے کہ وہ ہر قسم کے خوف اور احتیاج سے محفوظ زندگی بسر کریں۔" اس منشور میں قوت کے استعمال کے ترک کی بھی خواہش کی گئی تھی نیز جارحیت کی روک تھام کے لئے ضروری سمجھا گیا کہ جب تک عمومی تحفظ کا کوئی وسیع اور مستقل انتظام نہیں ہو جاتا ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے پر امن اقوام پر سے اسلحہ کا بوجھ کم ہو جائے۔ جنگ کے امکانات ختم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ تمام قوموں میں ایسا معاشی تعاون پیدا کر دیا جائے کہ اس سے ہر جگہ معیار زیست بلند ہو اور معاشرتی تحفظ کے سامان پیدا ہوں۔

جو قومیں جرمنی، اٹلی اور جاپان کے خلاف صف آرا ہوئیں انہوں نے اپنے آپ کو متحدہ اقوام کا نام دیا۔ یہ نام صدر روزویلٹ نے اس وقت تجویز کیا جب جاپان بھی اچانک طور پر جنگ میں آدھمکا اور اس کے خلاف امریکہ کے شریک جنگ ہو جانے سے جنگ صحیح معنوں میں عالمگیر جنگ بن گئی۔ ان متحدہ اقوام نے یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو واشنگٹن سے ایک اعلان جاری کیا۔ اس کے مطابق انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ دنیا کو مغلوب کرنے کی داعی اقوام کے خلاف اس وقت تک مشترکہ طور پر نبرد آزما رہیں گی جب تک انہیں کچل نہیں دیا جاتا۔ نیز یہ کہ وہ اپنے حلیفوں کو چھوڑ کر ان ظالم اقوام سے علیحدہ معاہدہ نہیں کریں گی۔ اس اعلان پر ۲۶ قوموں کے دستخط ثبت تھے اور چونکہ اس میں نئے حلیفوں کے لئے گنجائش چھوڑی گئی تھی اس لئے رفتہ رفتہ مزید ۲۱ قوموں یعنی کل ۴۷ قوموں نے اس پر دستخط کر دیئے۔

جنگ کی آگ تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور جرمنی، جاپان، اٹلی کی مخالف قوموں میں تمام تر توجہ جنگ پر مرکوز کرنے کا جذبہ بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ ان کے نمائندے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آپس میں ملتے اور عہد و پیمان باندھتے۔ ان میں فتح حاصل کرنے کا عزم بھی ہوتا اور یہ احساس بھی کہ جنگ کے بعد ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے عالمگیر نقض امن آسان نہ رہے۔ چنانچہ یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء کو روس، امریکہ، برطانیہ اور چین کے وزرائے خارجہ ماسکو میں جمع ہوئے۔ انہوں نے یکم نومبر کو اعلان ماسکو جاری کیا۔ ایک ماہ بعد یعنی یکم دسمبر کو صدر روزویلٹ، مارشل سٹالن اور وزیر اعظم چرچل نے اعلان طہران جاری کیا۔ ہر دو اعلانات کا مفہوم یہی تھا کہ اقوام متحدہ جنگ میں بھی اکٹھی رہیں گی اور جنگ کے بعد امن کے دور میں بھی تاکہ امن کو دوام بخشا جا سکے۔

سطور بالا سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دوسری جنگ بحر و بر و فضا میں ہی لڑی نہیں جا رہی تھی بلکہ اس کا ایک اور میدان تھا اور وہ تھا قلب انسانی۔ اگر جنگ کا میدان محض خارج میں ہوتا تو اس کے تقاضے مختلف ہوتے اور ان تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے طریقے بھی مختلف ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے بچاؤ اور تحفظ کے طبعی جذبے کے ساتھ ساتھ قلب انسانی

سے یہ تصور بھی ابھر رہا تھا کہ انسانیت کی ترقی کے لئے محض جنگیں نہیں ہونی چاہئیں بلکہ امن کی ایسی مستقل فضا قائم ہونی چاہئے جو افرادِ انسانیہ کی عافیت کی ضامن ہو۔

اس تصور کے خدوخال واشنگٹن میں ڈمبرٹن اوکس کی عمارت میں صاف طور پر سامنے آئے۔ وہاں امریکہ، برطانیہ، روس اور چین کے نمائندے ۲۱ اگست سے ۷ اکتوبر ۱۹۴۴ء تک مصروفِ غور و خوض رہے۔ بالآخر انھوں نے ایک عالمی ادارے کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے لئے یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن (U.N.O.) یعنی جمعیت اقوام متحدہ کا نام تجویز ہوا۔ اس خاکے کے مطابق تحفظِ امن کے لئے کلیدی جماعت سلامتی کونسل کو قرار دیا گیا اور پانچ بڑوں کو مستقل ارکان کا درجہ دیا گیا۔ اس کی مزید تفاصیل پر یالٹا کے مقام پر صدر روزویلٹ، مارشل سٹالن اور وزیرِ اعظم چرچل نے مزید غور کیا۔ انھوں نے ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کو اعلان کیا کہ انھوں نے اپنے اتحادیوں سے مل کر تحفظِ امن کے لئے ایک بین الاقوامی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ بھی طے کیا ہے کہ متحدہ اقوام کی کانفرنس ۲۵ اپریل ۱۹۴۵ء کو سان فرانسسکو کے مقام پر منعقد ہو اور مجوزہ جمعیت کا منشور تیار کرے۔

سان فرانسسکو کانفرنس میں جو منشور اقوام متحدہ تیار ہوا اس میں اقوام متحدہ کے باشندوں نے مصمم عہد کیا کہ وہ آنے والی نسلوں کو اس جنگ کی لعنت سے بچائیں گے جو ان کی زندگی میں دو مرتبہ نوعِ انسانی میں لاانتہا مصائب نازل کرنے کا باعث بن چکی ہے۔ انھوں نے یہ بھی عہد کیا کہ سوائے مشترکہ مفاد کے تحفظ کے فوجی قوت کا کہیں استعمال نہیں کریں گے اور اہلِ دنیا کی معاشی اور معاشرتی بہبود کے لئے بین الاقوامی ذرائع اختیار کریں گے۔

آج اس عزم کا اظہار کئے دس سال گذر چکے ہیں۔ قلبِ انسانی میں ایک نئے انقلاب کا خمیر تیار کرنے اور اسے ہیولی میں متشکل کرنے کے لئے یہ عرصہ آج کی برق رفتار دنیا میں بھی آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا اقوام متحدہ کی کارگزاری کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اس حقیقت کو خصوصیت سے نگاہ میں رکھنا ہوگا۔ جو لوگ معجزوں کی توقع کرتے تھے وہ اقوام متحدہ کی دس سالہ زندگی پر نگاہِ بازگشت ڈال کر یقیناً مایوس ہوں گے اور اس مایوسی کا عموماً مظاہرہ بھی کیا گیا ہے۔ لیکن جن نگاہوں کو یہ دیکھنے کی توفیق ارزانی ہوتی ہے کہ ایک پھول کو سرِ شاخ کھلنے کے لئے نکلنے سے شاخ میں کس کس پیچ و تاب سے گزرنا پڑتا ہے وہ دور کے مستقبل پر بھی ہوتی ہیں۔ وہ شجرِ انسانیت میں کوئی پھول نہ دیکھ کر مایوس نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ جانتی ہیں کہ اس درخت کی ساری قوتیں پھول بنانے میں لگی ہوئی ہیں اور جب ظہورِ نتائج کا وقت آئے گا تو یہ درخت پھولوں سے لد جائیگا۔

اقوام متحدہ کی زندگی کا مطالعہ کرنے کیلئے اسے دو پہلوؤں سے دیکھنا ہوگا۔ ایک پہلو سیاسی ہے۔ اس میدان میں اقوام متحدہ کوئی قابلِ فخر کارنامہ پیش نہیں کر سکتی۔ اس دوران میں جنوبی افریقہ نے صریحاً اس کی نافرمانی کی۔ اسرائیل نے اسے بالکل نظرانداز کر دیا۔ ہند میں بھی اسے پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ یہ ہندوستان کو کشمیر کے معاہدہ استصوابِ رائے کی تعمیل پر مجبور نہ کر سکی۔ چھوٹی قوموں کو شکایت رہی کہ جمعیت بڑی قوموں کی سیاستِ قوت کی آماجگاہ بن کے رہ گئی ہے۔

کمیونسٹ ممالک نے اسے امریکہ کی لونڈی کہا۔ استعماری ممالک نے اسے اپنے معاملات میں مداخلت سے باز رکھا اور تو اور یہ اپنی ایک مشترکہ فوج بھی تیار نہ کر سکی جس سے امنِ عالم کا تحفظ کیا جا سکتا۔ لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ دوسرا اور روشن رُخ یہ ہے کہ تنازعات اور کشیدگی کے باوجود اقوام متحدہ کو ناگزیر سمجھا گیا اور کئی نمائندگانِ قوم کا اضطراب و غصہ آتش فشاں لاوے کی طرح میدانِ جنگ میں بہ نکلنے کی بجائے اس کے ایوانوں میں صرفِ سخن ہو جاتا رہا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے جمعیت مباحثہ کا بین الاقوامی کلب بن گئی لیکن اس سے جنگ کا خطرہ ٹلنے کے آثار پیدا ہو گئے۔ کوریا کی جنگ اس اعتبار سے عجیب تھی کہ اس کا ایک فریق اقوام متحدہ تھی اور اسی کا ایک رکن یعنی روس فریقِ مخالف کی مدد کرتا رہا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جمعیت کا جنگ میں شریک ہونا امریکہ کی وجہ سے تھا۔ یہ ٹھیک لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اقوام متحدہ نے جنگ لڑی اور جارحیت کا مقابلہ کر کے اسے ایک حد تک روک دیا۔ اگر اقوام متحدہ کوریا کی جنگ میں ایک فریق نہ بنتی تو یہ جنگ مقامی رہنے کی بجائے بین الاقوامی بن گئی ہوتی۔ اب بھی اگر اقوام متحدہ کو اپنی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود درمیان سے نکال دیا جائے تو دنیا متحارب فریقوں میں بٹ جائیگی اور امنِ عالم دیکھتے دیکھتے خاکستر ہو جائے گا۔

اقوام متحدہ کی سیاسی ناکامیوں کو دیکھنے والے یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ غیر سیاسی میدان میں جمعیت نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ یہ جمعیت کی سرگرمیوں کا دوسرا پہلو ہے جس پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ اقوام متحدہ کے ماہرین — مرد اور عورت — دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچے ہوئے ہیں اور جہالت، افلاس اور بیماری کے خلاف مصروفِ کار ہیں۔ بعض عالمی اعداد و شمار بڑے جگر پاش ہیں۔ مثلاً انسانوں کی اکثریت ابھی ناخواندہ ہے اور کم و بیش تیس کروڑ انسان ملیریا کا شکار ہیں۔ انسانی آبادی میں ہر روز ایک لاکھ کا اضافہ ہوتا ہے لیکن اس کے ۹۰ کروڑ بچوں میں سے کوئی دو تہائی ضروری خوراک سے محروم رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی جسمانی اور ذہنی تربیت رک جاتی ہے۔ جہالت، غربت اور بیماری پہلے بھی اس سے کم نہیں تھی لیکن اب جو ان کا شکار ہیں وہ اس حقیقت سے باخبر ہو گئے ہیں کہ ایسے ترقی یافتہ ممالک ہیں جہاں کے خوش قسمت باشندے اس عذاب سے محفوظ ہو چکے اور انھوں نے اپنی زندگیاں بہتر اور خوشگوار بنائی ہیں۔ وہ انھیں حسرت سے دیکھتے ہیں لیکن حالات کی وجہ سے مجبور ہیں اور کچھ کر نہیں پاتے۔ لیکن ان کی یہ مجبوری کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے کیونکہ اقوام متحدہ کے نمائندے ان کی خدمت اور مدد میں لگے ہوئے ہیں۔ ہنوز ان کوششوں کا آغاز ہے لیکن ان سے دور رس نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ان کوششوں کا علم رکھنے والے کبھی یہ گوارہ نہیں کرینگے کہ انھیں ایک لمحہ کے لئے بھی معطل کر دیا جائے چہ جائیکہ انھیں ختم کر دیا جائے۔

بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اقوام متحدہ کی کمزوری یہ نہیں کہ وہ دولِ عظمیٰ کی لونڈی بن کے رہ گئی ہے بلکہ آزاد اقوام کا ادارہ ہونے کی وجہ سے وہ ارکان ممالک کے معاملات میں پوری ذمہ داری سے مداخلت نہیں کر سکتی۔ جب تک قومی آزادی برقرار ہے اقوام متحدہ کی کمزوری باقی رہیگی۔ لہٰذا اقوام متحدہ کے نکتہ چینوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ قوموں کے دل سے اس مطلق آزادی کا خبط نکالیں اور انھیں ایک عالمی حکومت کے لئے تیار کریں جسے امن کی بحالی کے لئے جنگ نہ کرنا پڑے بلکہ وہ اپنی پولیس کی مدد سے حالات پر قابو پالے اور سائنس کی انقلاب انگیز ایجادات کو انسانیت کی تباہی کا ذریعہ بنانے کی بجائے انسانی بہبود و ترقی کا ضامن بنائے۔ اقبال کے الفاظ میں اس ادارے کا مقصد جمعیتِ آدم ہونا چاہئے نہ کہ جمعیتِ اقوام۔ جب تک انسانی شعور میں ایسا انقلاب نہیں آ جاتا اور وہ اقوام کی بجائے انسانی سطح پر سوچنے کی استعداد پیدا نہیں کر لیتا جمعیت اقوام متحدہ جیسے ادارے کی ضرورت اپنی خامیوں کے باوجود ناگزیر رہے گی۔ اور ان خامیوں کا ازالہ بھی اس انقلاب سے پہلے ممکن نہیں۔

سُنّتِ رسول اللہ

کا پمفلٹ چھپ چکا ہے اور اب تک جو فرمائشیں آئی تھیں ان سب کو پورا کیا جا چکا ہے۔ جن اصحاب کو ضرورت ہو وہ بہت جلد طلب کریں۔

قیمت فی نسخہ ۲ر بمعہ محصول ڈاک

ترجمان

بزمِ طلوعِ اسلام

پوسٹ بکس ۷۳۱۳ کراچی

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے - ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا - اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے - یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے - اس طرح - - -

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی - اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی - اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے -

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے - جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں -

★ ★ ★

قرانی دستور پاکستان

نئی مجلس دستور پاکستان معرض وجود میں آگئی ہے - وہ پاکستان کے لئے کونسا آئین بنائیگی؟ پاکستان کا آئین کیا ہونا چاہئے؟ اسلامی آئین کیا ہے؟ ملا کا آئین کا تصور کیا ہے؟ حکومت کا کیا؟ قرآنی دستور پاکستان کیا ہے؟

ان مباحث کا جامع مجموعہ

صفحات ۲۲۴ — قیمت اڑھائی روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ - کراچی - ۳

فالتو روپیہ

تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

جسکے پاس "فالتو روپیہ" ہے وہ اسے چھپائے چھپائے پھرتا ہے تاکہ کوئی چھین نہ لے۔
وہ جیب میں رکھتا ہے تو جیب کترا نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیش بکس میں
چور نقب لگا لیتا ہے۔ بنک میں ٹیکسوں والے گھیر لیتے ہیں۔ یہاں سے کچھ بچے
تو "نذرانے" والے آموجود ہوتے ہیں۔

قرآن کسی کی جیب سے روپیہ نہیں نکالتا۔

وہ اس کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ وہ فالتو روپیہ

معاشرہ کے حوالے کردیتا ہے۔

یہ انقلاب کیسے واقع ہوتا ہے؟

اس کی داستان کے لئے دیکھئے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

عہد حاضرہ کی عظیم کتاب۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھہ روپے
قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM

طلوع اسلام

جلد نمبر ۸ شمارہ ۲۳	کراچی : ہفتہ - ۱۶ - جولائی ۱۹۵۵ء	قیمت چار آنہ سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

قرآن نے تمام مسلمانوں کو ایک امت (ایک قوم - ایک جماعت - ایک پارٹی) قرار دیا ہے - اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (۳/۱۰۹) - تم ایک بہترین قوم ہو جسے نوع انسانی کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے - یعنی تم سب ایک قوم کے افراد ہو اور تمہاری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تم تمام انسانوں کے لئے منفعت بخش کام کرو - دوسری جگہ اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے - وکذالک جعلنکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس (۲/۱۴۳) - اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی حیثیت کی امت بنایا ہے تاکہ تم نوع انسانی کے اعمال کی نگرانی کرو -

قرآن کی ان واضح تصریحات سے ظاہر ہے کہ تمام مسلمان ایک امت ہیں - لہذا ان میں مذہبی فرقہ بندیوں یا سیاسی پارٹیوں کا وجود قرآن کی تعلیم کی کھلی ہوئی مخالفت ہے -

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ

۱. تمام نوع انسانی کے مسائل حل کرنے کے لئے عقل کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے اس لئے نوع انسانی اب قرآن کے بغیر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۳. حاملِ علم کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے خلاف ہے وہ یکسر غلط ہے۔

۴. حضور نبی اکرم نے انسانی سیرت و کردار کے بہترین نقوش پیش فرمائے لیکن ہماری تاریخ میں ایسی روایات بھی شامل کر دی گئیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہوتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط ہیں جن میں حضورؐ کی سیرت کو کمزور دکھایا گیا ہے۔ اس کا معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک ہی نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶. اس نظام کی اساس زندگی کی مستقل اقدار ہیں جو قرآن میں محفوظ ہیں۔ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۸. ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے قرآنی نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ

پاکستان میں قرآنی نظام ربوبیت قائم ہو جائے جو صفات خداوندی کی روشنی میں انسانی صلاحیتوں کی کامل نشوونما کا ضامن ہو اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ فکری صلاحیت ★ نئی مجلس دستور ساز ★ استصواب کشمیر ★ خان عبدالغفار خان ★ بزم طلوع اسلام
★ سرگزشت اسلام ★ تاریخی شواہد ★ عورت کا قرآن ★ مجلس اقبال
★ خدا اور رسول میں فرق ★ باب المراسلات ★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی جائزہ

As. -/4/-

سلیم کے نام

نوجوانوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ
اور اسلام کی واضح تصویر۔

صفحات ۸ ۔ ۔ م　　قیمت چھ روپے

فردوس گم گشتہ

پرویز صاحب کے [illegible]
مجموعہ [illegible]

صفحات [illegible]

نئی مجلس دستور ساز

بننے سے پھر یہ سوال پیدا ہوگیا ہے کہ پاکستان کا آئین کیا ہوگا۔ یہ سوال بڑا اہم ہے۔ لیکن اس کا جواب؟ ۔ ۔ اس کے لئے دیکھئے ۔

قرآنی دستور پاکستان

جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کے مطابق دستور پاکستان کیا ہوسکتا ہے؟ مملکت پاکستان کے لئے اسلامی آئین مرتب کرنے کی پہلی اور منفرد کوشش۔ اس میں ان کوششوں کا محاکمہ بھی ہے جو دستور مرتب کرنے کے سلسلہ میں حکومت اور علماء کی طرف سے کی گئی ہیں۔ یہ دستور اور متعلقہ مباحث کی ایسی مکمل کتاب ہے جس کا مطالعہ آئین میں دلچسپی لینے والوں کے لئے ناگزیر ہے۔

صفحات ۳۲۲　　قیمت [illegible] روپئے آٹھ آنے

دستور کے ساتھ

آپ یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ اسلامی نظام کیا ہے اور اس کی عملی شکل کیا ہوسکتی ہے۔ اس کے لئے آپ ملاحظہ کیجئے۔

اسلامی نظام

جس میں اس موضوع پر مفسر قرآن جناب پرویز نے سیر حاصل بحث کی ہے اپنی قسم کی واحد کتاب ۔

صفحات ۱۸۰　　قیمت [illegible] روپئے

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳ [illegible] کراچی ۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸	کراچی:- ہفتہ ۱۶ر جولائی ۱۹۵۵ء	نمبر ۲۴

فکری صلاحیت

انسان اور حیوان میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ حیوان اپنی جبلت کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اس میں سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس انسان کو فکری استعداد دی گئی ہے کہ وہ ہر پیش آمدہ معاملہ پر غور و فکر کرے۔ اس کے ماله وما علیہ کو سامنے رکھے۔ اور اس طرح کسی نتیجہ پر پہنچے۔ انسان کی فکری استعداد ہی ہے۔ جس نے اس دنیا کو جو ابتداً مٹی کے گھروندے سے زیادہ کچھ نہ تھی اس قدر لطیف و نفیس اور شاداب و حسین بنا دیا۔ علم الاسماء (اشیائے کائنات کا علم) جسے آدم کا طغرائے امتیاز کہا گیا ہے۔ اس کی فکری صلاحیت ہی کا نتیجہ ہے اس سے یہ مسجود ملائک اور مخدوم خلائق بنتا ہے۔ اسی سے یہ کائنات کی قوتوں کو جو قانون کی زنجیروں میں جکڑی دی گئی ہیں۔ اپنے مصرف میں لاتا ہے۔

نزول قرآن سے پہلے انسانی ذہن اپنی ناپختگی کے دور سے گذر رہا تھا۔ اس لئے اس کی فکری صلاحیت ہنوز خام تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں انفرادی طور پر ایسے لوگ پیدا ہوتے تھے۔ جن کی فکری صلاحیت اپنے دور سے بہت آگے ہوتی تھی۔ لیکن یہ اس دور کا کلیہ نہیں تھا۔ بلکہ مستثنیات تھیں تاریخ انسانیت میں قرآن وہ پہلا ضابطہ حیات ہے جس نے انسانی فکری نشو ونما کو بطور ایک تحریک کے پیش کیا اور اسے دین کا بنیادی تقاضا قرار دیا۔ اس نے کہا کہ اب وہ دور آگیا ہے کہ۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (۸/۴۲)

جسے تباہ و برباد ہونا ہے۔ وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے برباد ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے زندہ رہے۔

قرآن کی رو سے انسانی سطح کی زندگی ایمان کا نتیجہ ہے۔ اور حیوانی سطح کی زندگی کفر کی زندگی ہے۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ انسان اور حیوان میں مابہ الامتیاز خصوصیت فکری صلاحیت ہے۔ چنانچہ قرآن نے ان انسانوں کو جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے انسان نہیں حیوان قرار دیا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ وہ لوگ ہیں لهم قلوب لا يفقهون بها ان کے پہلو میں دل تو ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس سے سمجھنے اور سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ ولهم اعين لا يبصرون بها ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے ولهم اذان لا يسمعون بها ان کے کان ہوتے ہیں لیکن وہ ان سے سننے کا کام نہیں لیتے اولٰئک کالانعام بل هم اضل (۷/۱۷۹) یہ لوگ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ ان سے بھی پست حالت میں دوسری جگہ اسی کو کفر کی علامت بتایا گیا ہے۔ جہاں کہا ہے کہ ان کے دلوں اور کانوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔ اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں (۲/۷)۔ یعنی کفر کی زندگی حیوانی سطح کی زندگی ہے۔ جس میں عقل و فکر سے کام نہیں لیا جاتا۔ اور ایمان کی زندگی انسانی سطح کی زندگی ہے۔ جس میں انسان غور و تدبر کے بعد راستے اختیار کرتا ہے۔ غور و فکر سے کام نہ لینے والوں کو قرآن نے شر الدواب (۸/۲۲)، یعنی بدترین خلائق قرار دیا ہے۔ قرآن غور و فکر پر کس قدر زور دیتا ہے۔ اس کا اندازہ سورۂ سبا کی اس عظیم آیت سے لگائیے جس میں رسول اللہ صلعم سے کہا گیا کہ قل انما اعظكم بواحدة۔ ان سے کہدو کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ غور کیجئے کہ وہ بات کتنی اہم ہوگی جس کے متعلق خدا کا رسول یہ کہتا ہے کہ میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ وہ بات کیا ہے؟ ان تقوموا لله مثنى وفرادى تم ایک ایک دو دو کر کے اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر کرو کیا؟ ثم تتفكروا (۳۴/۴۶) پھر تم غور و فکر کرو۔ یعنی یہ ہے وہ ایک بات جو وحی کی ہدایت کے مطابق رسول اللہ صلعم نے کہی۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ قرآن کی رُو سے غور و فکر کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھئے۔ عام طور پر مومن کی سب سے بڑی صفت یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ خدا کے احکام پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتا چلا جائے۔ لیکن قرآن نے جو مومنین کی صفت بتائی ہے۔ وہ اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مومن وہ ہے اذا ذكروا بايت ربهم لم يخروا عليها صما وعميانا (۲۵/۷۳) کہ اور تو اور جب ان کے سامنے خدا کی آیات بھی پیش کیا جاتا ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ قرآن غور و خوض اور تدبر و تفکر کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ وہ آیات خداوندی کو بھی بلا سوچے سمجھے ماننے کی اجازت نہیں دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے نبوت کا دروازہ بند ہی اس لئے کیا تھا کہ ذہن انسانی کی کڑیاں کھل جائیں۔ اس نے زندگی کے غیر متبدل اصول قرآن میں بیان کر دیئے۔ اور پھر یہ کہہ دیا کہ ان حدود کے اندر تمہیں پوری آزادی ہے کہ عقل و فکر سے کام لے کر اپنے لئے آپ فیصلہ کرو۔

چونکہ نبی اکرم صلعم قرآن ہی کے اصولوں پر عمل کرنے اور کرانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی عدیم النظیر تعلیم اور فقید المثال تربیت سے اپنے رفقائے کار کے دلوں میں حریت فکر اور آزادی رائے کا وہ جذبہ بیدار کیا۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔ بڑے بڑے صحابہؓ تو ایک طرف۔ مدینہ کی لونڈیوں تک کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ ان سے کوئی بات کہتے تو وہ پوچھتیں کہ یہ خدا کا حکم ہے یا آپ کا ذاتی مشورہ ہے۔ اور جب آپ فرماتے کہ وہ آپ کا ذاتی مشورہ ہے تو وہ بڑی آزادی سے کہ دیتیں کہ معاف فرمایئے! اس باب میں ہماری رائے کچھ اور ہے۔ حضورؐ نے اپنی تعلیم و عمل سے فضا ایسی تیار کر دی تھی کہ اس میں نہ تو ایسا کچھ کہنے والوں کے دل میں یہ خیال گذرتا تھا کہ ہم کس سے یہ کچھ کہہ رہے ہیں۔ اور نہ ہی سننے والے کی پیشانی شکن آلود ہوتی کہ اس نے میرا مشورہ کیوں نہیں قبول کیا۔ یہ تھی وہ تربیت جس سے دنیا کے تاریک ترین خطہ میں رہنے والے لوگ دنیائے علم و فکر کی امامت کے سزاوار قرار پا گئے۔

یہ تو تھا زندگی کا طریق جسے قرآن نے متعین کیا اور جس پر رسول اللہ صلعم نے عمل کر کے دکھایا۔ لیکن اسلام کے خلاف جو سازشیں ابھریں انھوں نے سب سے پہلا وار یہ کیا کہ مسلمان پر غور و فکر کو حرام قرار دے دیا۔ انھوں نے یہ عقیدہ پیدا کر دیا کہ جو کچھ ہم تک اسلاف سے نقل ہوتا ہوا پہنچا ہے اسے اسی طرح تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اگر اس میں کوئی بات تمہیں کھٹکتی ہے۔ تو یہ کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لینا چاہیے کہ بجائے بزرگ بہر حال ہم سے بہتر علم رکھتے تھے۔ اس لئے ہم مجاز نہیں ہو سکتے کہ ان کے فیصلوں میں دخل اندازی کر سکیں۔ امت کے ساتھ یہ کچھ صدیوں سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قرآن نے عقل و فکر پر اس قدر زور دیا تھا اسکی حامل جماعت اور جس رسول (صلعم) نے حریت فکر و آراء کی اس قدر پرورش کی تھی۔ اس کی نام لیوا امت نے فکر و تدبر کی صلاحیت سے یکسر محروم ہو چکی ہے۔ علمائے حیاتیات کا کہنا ہے کہ اگر کوئی نوع اپنے کسی عضو یا صلاحیت سے کچھ عرصہ تک کام لینا چھوڑ دے۔ تو فطرت اس عضو یا صلاحیت کو بے کار سمجھ کر نابود کر دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں کے جمود و تعطل سے

مسلمان سے فکری صلاحیت سلب ہو چکی ہے۔ اور ان میں اگر کہیں کوئی صاحب فکر پیدا ہوتا ہے تو اس کا شمار مستثنیات ہی میں ہو سکتا ہے۔ پیشوائیت (Priesthood) کا مدار ہی اس پر ہے کہ قوم سے سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت کو سلب کر لیا جائے۔ انھیں بتایا یہ جائے کہ زندگی کے تمام معاملات کے فیصلے پہلے سے ہو چکے ہوئے ہیں۔ اور اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ ان فیصلوں کو آنکھ بند کر کے قبول کرتا چلا جائے۔ چونکہ ان تمام کتابوں پر عبور حاصل کرنا جن میں اسلاف کے یہ فیصلے مذکور ہیں ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے عام افراد امت کو لامحالہ مذہبی پیشواؤں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ان کی تکنیک یہ ہوتی ہے کہ جہاں کسی نے امت کو عقل و فکر کی دعوت دی یہ اسلاف کی عظمت و بزرگی کے نام پر عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیتے ہیں۔ اور یہ طوفان بلا فکری دعوت کی اس آواز کو اپنی بے پناہ رو میں بہا کر لے جاتا ہے۔ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں ان لوگوں کو از خود قوت و اختیار حاصل ہو۔ جہاں نہیں اقتدار حاصل ہو وہاں انکا ہاتھ براہ راست اس کے گلے تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے فکری دعوت کی آواز نکلی ہو۔ مسلمانوں کی تاریخ میں یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے۔ اور یہی آج ہو رہا ہے۔

پاکستان میں اس کی توقع تھی کہ یہاں نظام زندگی علم و فکر کی ان روشوں پر استوار کیا جا سکیگا۔ جنھیں قرآن نے متعین کیا۔ اور حضور نبی اکرمؐ نے پروان چڑھایا تھا۔ لیکن یہاں بدقسمتی سے پیشوائیت کی قوتیں اس طرح طوفان بن کر اٹھ کھڑی ہوئی ہیں کہ انھوں نے سوچ اور بچار اور فکر و تدبر کے تمام راستے روک دیئے ہیں۔ پاکستان اس وقت ایک بڑے نازک دوراہے پر کھڑا ہے۔ اگر اس نے فکر و بصیرت کے اس راستے کو اختیار کر لیا جسے قرآن نے وجہ شرف انسانیت قرار دیا ہے۔ تو یہ نہ صرف اہل پاکستان کی سربلندی و سرفرازی کا ضامن ہو جائیگا بلکہ دنیا کی امامت بھی اس کے حصہ میں آ جائے گی۔ لیکن اگر اس پر جمود و تعطل کی رجعت پسند قوتیں غالب آگئیں تو یہ نہ صرف کالانعام رہ جائے گا بلکہ ان سے بھی اضل۔

ہم ملک کے اس طبقے سے جو عقل و فکر کو کچھ بھی اہمیت دیتا ہے پوچھتے ہیں کہ کیا انھوں نے اس دوراہے کی نزاکت کا کچھ بھی احساس کیا ہے۔ جس پر پاکستان اس وقت کھڑا ہے؟ اگر انھوں نے اس کا احساس کیا ہے تو پھر انھوں نے اسے اس ہلاکت سے بچانے کے لئے کیا تدبیر سوچی ہے؟ طلوع اسلام ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے آپ کی تجاویز و تدابیر دوسروں تک پہونچ سکتی ہیں۔ اور اس طرح آپ سب میں باہمی تعاون کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ اس ذریعے سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اپنے آپ کو اور اپنی آنیوالی نسلوں کو تباہی سے بچانے کی کوشش کریں۔ چونکہ یہ کوشش قانون فطرت کے مطابق ہوگی اس لئے اس قانون کی تائید و نصرت بھی آپ کے ساتھ شامل ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس طرح اس سفینۂ برگ گل کو گرداب بلا سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جائیں واللہ المستعان علیہ توکلت والیہ انیب۔

تماشاگاہ مری

سات طویل سالوں میں اسلامی دستور تو کیا ایک عام دستور تک مرتب نہ کر سکنے کی وجہ سے جب گورنر جنرل نے کم و بیش نو ماہ پیشتر پاکستان کی پہلی دستور ساز مجلس کو برطرف کیا تو ملک میں بجا طور پر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی تھی اور اس اطمینان قلب کا عام طور پر اظہار کیا گیا تھا کہ اب ارباب سیاست کی سازشوں کا قلع قمع ہو جائیگا اور تسوید آئین کی راہ میں نام نہاد واضعین آئین کی خود غرضی، اقتدار پرستی اور نا اہلیت نے جو موانعات پیدا کر دیئے تھے اور جن کی بدولت کاروبار آئین سازی متاخر ہی نہیں پر پیچ بھی ہو گیا تھا، وہ بالآخر راستے سے ہٹا دیئے جائیں گے اور اب پاکستان کا آئین بلا دشواری مرتب ہو جائے گا۔ چند دن ملک میں اسی خوش فہمی کا دور دورہ رہا اور یہ بلاوجہ نہیں تھا۔ جن ماہرین حکومت کو وحدت اور ترتیب آئین کے کام پر مامور کیا گیا انھوں نے حیرت انگیز حد تک قلیل مدت میں ان کی تکمیل کر لی اور یہ اعلانات کئے جانے لگے کہ وحدت اور آئین کے نفاذ کے لئے بس بٹن دبانے کی دیر ہے۔ سات سال کی ناامیدی اور بددلی کے بعد اس سے زیادہ خوش کن اور حوصلہ افزا اعلان اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مجلس آئین کے پٹے ہوئے مہرے اٹھے اور ارباب حکومت کے گلوگیر ہو گئے۔ قریب آٹھ مہینے تک یہ دنگل ہوتا رہا۔ سیاست کے پہلوان تو اسی میں محو رہے کہ یہ گرا، اس کی پیٹھ لگی۔ لیکن ملک میں پھر عام بددلی پھیل گئی اور پھر پہلا سا کال پیدا ہو گیا۔ گذشتہ آٹھ مہینے ملک کے لئے برطرف مجلس دستور ساز کے سات سال سے کسی طرح کم کرب انگیز و جان گسل نہیں تھے۔

بارے ہزار ذلتوں اور جگ ہنسائیوں کے بعد جدید مجلس دستور ساز معرض وجود میں آئی۔ اگرچہ ملک میں جس قسم کی افسردگی اور بددلی چھا گئی تھی اس سے اس جدید مجلس کے وجود پذیر ہونے سے کوئی خاص گرم جوشی پیدا نہیں ہوئی، تاہم اس نامکمل کام کے تکمیل پذیر ہونے کے کچھ آثار ضرور نظر آنے لگے۔ ملک بھر کی نظریں مری پر جمنے لگیں۔ یہ دور افتادہ، اونچا اور صحت بخش مقام تھا اور یہ توقع وابستہ کی جانے لگی کہ ہمارے نئے واضعین آئین سیاسی ہنگاموں سے دور اور سازشوں سے بالا ہو کر صحت مندانہ فضا میں پوری یکسوئی سے اپنے فریضۂ منصبی کی بجا آوری میں منہمک ہو جائیں گے۔ لیکن بہر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیداست کے مصداق مری میں شروع ہی سے وہ کچھ ہونے لگ گیا جس سے تنگ آ کر سابقہ اسمبلی کو توڑا گیا تھا۔ وہاں کی خلوت گاہوں میں جو ہوا سو ہوا، اسمبلی ہال کی جلوتوں میں جو کچھ ہوا وہ بھی غیرت والوں کو آب آب کر دینے کے لئے کافی ہے۔

تادم تحریر جدید مجلس دستور ساز کے تین اجلاس منعقد ہوئے ہیں۔ پہلا ۷ر تاریخ کو دوسرا ۸ر کو اور تیسرا ۹ر کو۔ ان تین دنوں کی کیا صرف پہلے دن کی کارروائی بلکہ آغاز کار ہی کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ "ترا اے کاش کہ مادر نزادے"۔

یہ ناقابل رشک امتیاز اس بدقسمت ملک کو ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ ہنوز ارکان دستوریہ نے حلف بھی نہیں اٹھائے تھے اور بقول وزیر قانون وہ باقاعدہ رکن بھی نہیں بن پائے تھے کہ ایک صاحب نے یہ ہنگامہ پیدا کر دیا کہ فلاں صاحب کو عارضی صدر کیوں بنا دیا گیا ہے۔ اور اس پر جو بات چلی ہے تو پھر پرانے کینوں اور عداوتوں کے اس قسم کے مظاہرے ہوئے جنھیں دیکھ کر کوئی غایت درجہ کا خوش فہم ہوگا جو یہ یقین کریگا کہ یہ پاکستان کے وہ فرزند ہیں جنھیں قوم نے اس لئے منتخب کر کے یہاں بھیجا ہے کہ یہ اس اہم فریضہ کو سرانجام دیں جو آٹھ سال تک سرانجام نہیں دیا جا سکا اور جس کے بغیر ان کا ملک سرزمین بے آئین کہلا رہا ہے۔

کیفیت کار سے صرف نظر کر کے اگر ہم محض کمیت کار کو دیکھیں تو بھی بار ندامت سے سر جھک جاتا ہے۔ ۱۰ر جولائی کو مجلس کی تین بڑی جماعتوں نے یہ متفقہ اعلان کیا کہ ۱۲ کو اجلاس ختم کر دیا جائے اور اس کے بعد آئندہ اجلاس ۵ر اگست کو کراچی میں منعقد کیا جائے۔ واضح رہے کہ یہ جماعتیں اس کے علاوہ کسی ایک نقطہ پر مجتمع نہیں ہو سکیں، ان کا اتفاق بھی ہوا تو اس پر کہ اجلاس ملتوی کر دیا جائے اور مقام اجلاس بدل دیا جائے۔ محض وقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک مہینہ یونہی ضائع ہو جائیگا۔ اس سے لامحالہ آئین کی تیاری میں مزید تاخیر واقع ہوگی۔ گویا ۲۴ر اکتوبر کے گورنر جنرل کے فرمان کے بعد جس کام کے دو ماہ میں پورے ہو جانے کی قومی امید تھی وہ ایک سال بعد تک بھی نافذ العمل نہیں ہو سکے گا۔ اس سے وحدت مغربی کا کام بھی خواہ مخواہ تعویق میں پڑ گیا۔ پہلے یہ خیال تھا کہ یکم جنوری سے اس کا نفاذ ہو جائے گا۔ پھر یہ تاریخ ۲۳ر مارچ تک ملتوی کی گئی۔ اب ۱۴ر اگست کا اعلان تھا۔ لیکن مری کی تازہ ترین اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ جشن آزادی کے موقع پر وحدت کا نفاذ تو ایک طرف اس کا مسودہ قانون تک بھی منظور نہیں ہو سکے گا۔ یہ تخمین ہیں مجلس دستور ساز کے اور وزیر اعظم صاحب کہتے رہتے ہیں کہ آئین کا کام دو ماہ میں مکمل ہو جائیگا۔

اب نیا اجلاس مری کی بجائے کراچی میں منعقد ہوگا۔ ہم نے آج تک قصداً مری کے انتخاب پر کچھ نہیں لکھا تھا گو اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا، ہم نے اسے نظر انداز کیا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اہمیت کام کی تھی نہ کہ جگہ کی۔ اگر یہ کام مری میں اطمینان اور عافیت سے طے پا سکتا تو اس سے خنک تر اور خوش تر شہر اور کونسا ہو سکتا تھا۔ لیکن چار اجلاس منعقد کر کے مری کو خیرباد کہہ دینا ہمارے نزدیک غایت درجے کی معاملہ نافہمی اور بد اندیشی ہے۔ اگر مری کا انتخاب صحیح تھا اور وہ جگہ کام کے لئے موزوں تر تھی تو اس کے بدلنے کی کوئی وجہ نہ ہونی چاہیئے تھی۔ اور اگر یہ انتخاب غلط تھا تو حکومت نے تبدیلی کے مطالبہ کے باوجود اس پر جو ضد کی وہ ناقابل فہم اور درخور مذمت ہے۔ مری میں سارے اجلاس منعقد کرنے میں کچھ مصلحت ہو یا نہ ہو وہاں پر چار اجلاس منعقد کرنے میں یقیناً کوئی مصلحت نہیں ہو سکتی۔ وہاں اجلاس کے لئے کوئی ہال

نہیں تھا۔ چنانچہ کلب ہال کو خاص طور پر اس لئے تیار کیا گیا۔ اجلاس کے لئے فرنیچر مہیا کیا گیا۔ ارکان دستور یہ کے لئے رہائش کا بندوبست کیا گیا اور ان کے لئے دیگر آسائشیں مہیا کی گئیں اسمبلی کے دفاتر کے ضروری حصے کراچی سے مری لے جائے گئے یہ چند چیدہ شقیں ہیں جن پر جتنا کچھ بھی خرچ کیا گیا۔ وہ فضول اور بیکار ثابت ہوا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں کونسی مصلحت تھی اگر حکومت کو مری کلب کی سرپرستی مقصود تھی۔ تو اسے عطیہ دیا جاسکتا تھا۔ اگر ارکان دستور یہ کو مری کی سیر کرانے کا خیال تھا تو اس کی دوسری صورتیں بھی پیدا کی جاسکتی تھیں۔ لیکن یہ کیا ضرور تھا کہ ملک اور قوم سے مذاق کیا جائے؟ اس ضیاع اور زیاں کے لئے ہم تنہا حکومت کو ذمہ دار قرار نہیں دیتے۔ اس جرم میں ارکان مجلس دستور ساز بھی شریک ہیں جو مواخذہ سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ مری کے انتخاب کے بارے میں حکومت کے خلاف جو کچھ بھی کہا جائے۔ یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ ارکان مجلس نے اس مسئلہ کو سیاست کا مسئلہ بنا دیا۔ جن جن افراد کو حکومت سے ذاتی شکایت تھی انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ مری میں رہنے سے ملک کو فائدہ پہنچے گا یا نہیں یا اب یہاں سے لاد لدا کر کراچی چلے جانے سے کیا نقصان ہوگا! انھوں نے صرف یہ دیکھا کہ حکومت کا فیصلہ ہے لہٰذا اس کی مخالفت ضروری ہے ہمیں یقین ہے کہ اگر اب بھی ان میں سے کسی کو حکومت کی کرسی مل جائے تو ان کی مخالفت آن واحد میں ختم ہو جائیگی

سطور بالا میں ان امور کی طرف توجہ دلانے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ اب بھی اس گھناؤنے کھیل کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اور کامل توجہ سے پیش نظر کام کو نپٹایا جاسکتا ہے اگر کراچی میں بھی یہی داستان دہرائی گئی تو جدید مجلس دستور ساز بھی سابقہ مجلس سے بہتر سلوک کی مستحق نہیں رہے گی اور اس کا ٹھکانہ بھی اسی قبرستان میں ہوگا جہاں اس کی پیش رو کا مدفن ہے۔

کس قدر سوختہ بخت ہے یہ ملک اور کتنے بدنصیب ہیں اس ملک کے رہنے والے! ان واقعات سے بار بار حقیقت سامنے آتی ہے کہ جس ملک کے سیاسی شعور اور قومی کردار کا یہ عالم ہو اسے جمہوریت راس آ ہی نہیں سکتی۔

استصواب کشمیر

وزیر اعظم محمد علی صاحب مہینوں کے انتظار کے بعد بالآخر مئی کے مہینے میں پنڈت نہرو سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوئے تو آپ نے دنیا بھر کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ دہلی کے مذاکرات میں بات آگے بڑھی ہے اور انھیں ناکام نہیں کہا جاسکتا۔ یہ خوش فہمی صرف انہی کی ذات تک محدود تھی اور ان کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس نے مذاکرات سے متعلق اطلاعات کو پڑھا ہو اور ان سے یہ استنباط کیا ہو کہ ہندوستان کی ضد میں ایسی کمی واقع ہوئی ہے جس سے یہ توقع وابستہ کی جاسکتی ہو کہ استصواب کشمیر کے مسئلہ اصول کی جزئیات طے ہو سکیں گی اور ان پر عمل درآمد کیا جاسکیگا۔ وزیر اعظم صاحب کے ابتدائی بیانات اطمینان کن ہی نہیں بلکہ پریشان کن بھی تھے کیونکہ ان سے یہی مترشح ہوتا تھا کہ استصواب کے موقف سے انحراف کر لیا گیا ہے اور اب اہل کشمیر کی منشا جاننے کا کوئی اور ذریعہ اختیار کیا جائیگا۔ شدید نکتہ چینی کے جواب میں آپ نے بالآخر وضاحت فرمائی اور اعتراف کیا کہ وہ بیانات دیتے وقت "بلند آواز سے سوچ رہے تھے" ورنہ جہاں تک کشمیر کے مستقبل کا تعلق ہے وہ استصواب اور صرف استصواب کے ذریعہ طے ہوگا۔ اور پاکستان نہ اس مطالبہ سے دستبردار ہوگا اور نہ اقوام متحدہ سے مقدمہ کشمیر واپس لیگا بلکہ اگست کی ملاقات کے بعد سمجھوتہ نہ ہو سکا تو کشمیر کو پھر سے سلامتی کونسل میں پیش کر دیا جائیگا۔

یہ اعلان اس اعتبار سے غنیمت تھا کہ اس میں پہلی مرتبہ صاف گوئی سے کہا گیا تھا کہ پاکستان عمر بھر ہندوستان کا منہ تکتا نہیں رہیگا بلکہ آئندہ مذاکرات کے نتیجے کو دیکھے گا اور اگر بات نہ بنی تو براہ راست مذاکرات کے فریب کا پردہ چاک کر کے معاملہ پھر سے سلامتی کونسل کے روبرو پیش کر دیگا۔ اس قسم کے واضح اعلان کی بہت عرصہ پہلے ضرورت تھی کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ استصواب کو اصولاً تسلیم کرنے کے باوجود ہندوستان اسے عملاً بیکار بناتا چلا آرہا ہے اور اس میں اس نے کم و بیش سات سال گذار دیئے ہیں۔ کشمیر کو اتنے طویل عرصہ کیلئے معلق رکھنا چالیس لاکھ بندگان خدا کو عذاب عظیم میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ مظلوم و بیکس کشمیری ہندوستان کی بے رحم فوجوں کے تصرف میں ہیں اور انھیں معمولی شہری آزادی تک میسر نہیں۔ ان کے جذبہ آزادی کو بڑی شدت سے کچلا جارہا ہے۔ فوج کے علاوہ بخشی غلام محمد کی نیشنل کانفرنس کے نام نہاد "امن بریگیڈ" نے بھی ایک آفت مچا رکھی ہے۔ چند دن ہوئے لندن کے اخبار ٹائمز نے اپنے نمائندے کے حوالے یہ خبر شائع کی تھی کہ صرف ایک شہر اننت ناگ میں محض اس لئے باشندوں کو مارا پیٹا اور لوٹا جارہا ہے کہ وہ شیخ عبداللہ کے حامی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کشمیر کو ہندوستان میں مدغم کیا جارہا ہے اور اس ادغام کو مستقل بنانے کے لئے ساری ریاست کو ہندو بنایا جارہا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں کشمیر کے شہری بننے کی سابقہ شرائط کو بدل کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جو شخص دس سال تک ریاست میں رہے اور غیر منقولہ جائداد بنالے وہ اس کا شہری کہلائے گا۔ اس کا ایک ہی نتیجہ نکلیگا اور وہ یہ کہ ریاست میں اکثریت ہندوؤں کی ہو جائے گی۔ اس اکثریت سے جو ممکن نتائج ہو سکتے ہیں ان کا تصور چنداں دشوار نہیں۔

کشمیر میں یہ کچھ علانیہ اور بڑی ڈھٹائی سے ہو رہا ہے لیکن حکومت پاکستان ہے کہ وہ خاموشی سے اس کا تماشا ہی نہیں دیکھ رہی بلکہ وزیر اعظم صاحب اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ دہلی کے مذاکرات میں بات آگے بڑھی ہے۔ بات کہاں تک آگے بڑھی ہے؟ اس کا پیمانہ شائد پنڈت پنت کے تازہ بیانات ہیں۔ پنڈت پنت ہندوستان کے وزیر داخلہ ہیں اور انھیں یوپی وزارت سے ہٹا کر خاص طور پر پنڈت نہرو کا ہاتھ بٹانے کے لئے مرکز میں لایا گیا تھا۔ ان کی پوزیشن کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مذاکرات دہلی میں شریک رہے ہیں۔ انھیں پنڈت نہرو کا دست راست اور ضمیر بردار کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے ۹ جولائی کو سرینگر میں اعلان کیا کہ "سرینگر اسمبلی" کی وساطت سے اہل کشمیر کی مرضی اور رائے دریافت کی جا چکی ہے "اسمبلی" کا فیصلہ عوام کا فیصلہ ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا خط متارکہ کے اس طرف (یعنی مقبوضہ کشمیر میں) تو استصواب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب دوسری طرف (یعنی آزاد کشمیر) کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر کشمیر کا مسئلہ اتنا عرصہ طے نہیں ہو سکا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان ناممکن القبول شرائط پیش کرتا رہا۔ کم و بیش اسی بیان کو انھوں نے پھر دہرا دیا۔ اس کے بعد ۸ جولائی کو تو اور کھل کر بات کر دی یعنی یہ کہ جن حالات میں ہندوستان نے استصواب کا وعدہ کیا تھا اب وہ بدل چکے ہیں۔ لہٰذا اب استصواب کا معاملہ ختم سمجھنا چاہئے۔

گو اس سے پہلے بھی ہندوستان کے ذمہ دار لیڈروں نے ازرہ غایت غیر ذمہ داری افسوسناک بیانات دیئے ہیں اور اس اعتبار سے پنڈت پنت کے تازہ بیان پر اچنبھا نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ ہر غیر ذمہ دارانہ بیان موقع اور محل سے خصوصی مناسبت رکھتا تھا اور وہ ہندوستانی ذہنیت کا صحیح صحیح آئینہ ہوتا تھا۔ اب پنڈت پنت اس میدان میں اترے ہیں تو انھوں نے مطلقاً اس کا خیال نہیں کیا کہ دونوں وزرائے اعظم کے درمیان مذاکرات ہو رہے ہیں اور وہ ابھی ختم نہیں ہوئے۔ لہٰذا فی الحال کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے جس سے ان پر زد پڑنے کا احتمال ہو لیکن اس نزاکت کو سمجھنا تو ایک طرف وہ سرے سے اس اساس کو کالعدم قرار دے رہے ہیں جن پر مذاکرات کئے جارہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی فراموش کر دیا کہ جب ۱۹۵۱ء میں کشمیر کی نام نہاد مجلس دستور ساز سنگینوں کے زور پر معرض وجود میں لائی گئی تھی اور پاکستان نے اس کے خلاف احتجاج کیا تھا تو ہندوستان نے سلامتی کونسل میں اعلان کیا تھا کہ مجلس کو کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور یہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت ہند اس کی رائے یا فیصلے کی پابند نہ ہوگی ۔۔۔ مذاکرات اسی اصل پر جاری رہیں کہ کشمیر کا فیصلہ بذریعہ استصواب ہوگا۔ گذشتہ سال دہلی میں وزرائے اعظم کی ملاقات کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ شائع ہوا تھا اس میں بھی یہ مذکور تھا کہ اہل کشمیر کی رائے دریافت کرنے کا صحیح ترین طریقہ استصواب رائے ہے۔ اب پنڈت پنت کا یہ کہنا کہ استصواب مقبوضہ کشمیر میں ہو چکا ہے اور اب اسے آزاد کشمیر میں ہونا چاہئے یا یہ کہ حالات ایسے بدل چکے ہیں کہ استصواب سرے سے خارج از بحث ہو گیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ ہندوستان تقسیم کشمیر کے حق میں فضا پیدا کر رہا ہے۔ تقسیم سے متعلق ایک عرصہ سے اعصابی پروپیگنڈہ جاری ہے اور تو اور وزیر اعظم پاکستان تک سے یہ بات منسوب کر دی جاتی ہے کہ وہ تقسیم پر راضی ہیں اور پاکستان کی رائے عامہ کو اس کے حق میں تیار کرنے کی فکر میں ہیں۔

بہرکیف پنڈت پنت کا بیان غلط فہمی کی ذرہ بھر گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا اور اس کا بین ثبوت ہے کہ ہندوستان کشمیر کو نہ تو ہاتھ سے چھوڑنے کے لئے تیار ہے اور نہ اس سے متعلق کسی قسم کے مذاکرات کے لئے آمادہ۔ اگر صورت یہی ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اب کوئی شبہ نہیں رہا، تو ہم وزیر اعظم صاحب پوچھتے ہیں کہ اب وہ کس امید میں اگست کا انتظار کر رہے ہیں؟ اس موہوم امید کا فائدہ صرف ہندوستان کو پہنچیگا کیونکہ وادی کشمیر جو مسلم آبادی کا گھر ہے اس کے قبضے میں ہے اور اس قسم کے بیکار مذاکرات سے جو سے مہلت مل جاتی ہے اس سے وہ اپنے قدم اور مضبوطی سے جماتا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اول تو ہندوستان کی سابقہ روش کے پیش نظر ہی مزید مذاکرات کی ضرورت نہیں تھی لیکن اب اس بیان کے بعد کوئی خوش فہم سے خوش فہم شخص بھی یہ نہیں کہہ سکیگا کہ وزرائے اعظم پاکستان اور ہندوستان کا ملن کسی سمجھوتے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وزیر اعظم پاکستان کو چاہیئے کہ اس بیان کی بنا پر مذاکرات کا ڈھونگ ختم کریں اور کشمیر کو فی الفور سلامتی کونسل میں پیش کریں۔ کیونکہ ہمارے پاس پر امن تصفیہ کی یہی ایک صورت رہ گئی ہے۔ ہمیں یہ اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں لیجانے کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اس کی جو مٹی نئی دہلی میں پلید ہوئی اسی طرح نیو یارک میں جا کر ہو۔ ہمیں یہ مقدمہ پھر سے سلامتی کونسل میں لیجا کر سب کے اچھی طرح کان کھول دینے چاہئیں کہ اگر اس میں مزید تاخیر و التوا کی گنجائش چھوڑ دی گئی تو پاکستان آمادہ ہوگا کہ وہ کشمیر کے چالیس لاکھ مظلومین کو ہندوستان کے آہنی چنگل سے نجات دلانے کے لئے وہ کچھ کرے جو حالت اضطرار میں قوموں کے پاس آخری اور ناگزیر چارہ کار ہوتا ہے۔ ہمیں اس پر مجبور کیا گیا تو ہمیں اس کا مطلقاً لحاظ نہیں ہوگا کہ جو آگ بھڑکے گی وہ کہاں کس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

بالآخر بول لے!

خان عبدالغفار خان نے بالآخر ایک یونٹ کے متعلق اپنی پوزیشن واضح کر دی ہے اور پہلی مرتبہ صاف الفاظ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ ایک یونٹ کے مخالف ہیں۔ گو اس سلسلہ میں انھوں نے اس سے پہلے غلط فہمی کی چنداں گنجائش نہیں چھوڑی تھی لیکن پھر بھی واضح اعلان کی عدم موجودگی میں ان کے متعلق بعض حلقوں میں اس خوش فہمی کا اظہار کیا جاتا تھا کہ وہ وحدت مغربی کے مخالف نہیں۔ فریب کا یہ پردہ بالآخر چاک ہو گیا لیکن اس سے کہیں اہم وہ باتیں ہیں جو اس سلسلہ میں آپ نے کہی ہیں۔ وزیر داخلہ، جنرل اسکندر مرزا نے پچھلے دنوں خان صاحب موصوف کے بیانات کے بارے میں یہ کہا کہ ریڈیو کابل انھیں اپنے پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرتا ہے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے خان صاحب نے کہا کہ پاکستان کا حکمران گروہ پہلے تو رائے عامہ کو دبانے کے لئے کشمیر کو استعمال کرتا رہا ہے لیکن اب جب کشمیر ایک زندہ مسئلہ نہیں رہا تو اس نے افغانستان کا ڈھونگ کھڑا کر دیا ہے۔ اس ایک تیر سے بیک وقت کشمیر اور افغانستان دونوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ خان عبدالغفار خان صاحب کے نزدیک کشمیر اب زندہ مسئلہ نہیں اور افغانستان سے متعلق جو کچھ ہوا وہ محض ایک ڈھونگ ہے۔ کشمیر کے بارے میں پنڈت پنت اور بخشی غلام محمد تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ زندہ مسئلہ نہیں لیکن اپنے آپ کو پاکستانی کہلانے کے باوجود خان عبدالغفار خان ان کی ہمنوائی میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اسی طرح افغانستان کے قضیہ کو ڈھونگ صرف خان صاحب ہی نے کہا ہے۔ ورنہ خود افغان حکمرانوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ کابل قندھار اور جلال آباد میں غنڈہ گردی ہوئی اور اس کی تلافی ہونی چاہیئے۔ اس قسم کے زہریلے بیانات دینے کے بعد بھی خان صاحب کو شکایت ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں نے رائے عامہ کو دبایا ہے۔ اگر پاکستان میں رائے عامہ ہوتی تو آج خان صاحب کو پاکستان کے اپنے اصولی معاملات کے متعلق یوں لب کشائی کی جرأت کبھی نہ ہوتی۔ اگر انھوں نے اس کا کچھ اندازہ لگانا ہو تو اپنے محبوب رفقاء کے وطن (بھارت) میں تشریف لیجا کر اس قسم کے بیانات نشر فرمائیں اور اس کے بعد دیکھیں کہ ان کی قیام گاہ کہاں بنتی ہے؟

اسلامی دستور کیا ہے؟

قرآن کیا تصور دیتا ہے؟

ملّا کا تصور کیا ہے؟

اور

حکومت کا تصور کیا؟

قرآنی دستور پاکستان

میں آپ کو پوری تفصیل سے ملے گی

صفحات ۲۲۴

قیمت ۳ روپیہ ۸ آنہ

بزم طلوع اسلام

مظفر گڑھ

عبدالغفور صاحب چغتائی، ترجمان بزم طلوع اسلام مظفر گڑھ اطلاع دیتے ہیں کہ بزم کا اجلاس ۳ جولائی کو چودھری رحمت علی صاحب وکیل کی اقامت گاہ پر منعقد ہوا۔ اراکین کے علاوہ شیخ غلام نبی صاحب، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول، انسپکٹر انجمن امداد باہمی لفٹیننٹ ولایت علی شاہ صاحب، سکریٹری سوشل ویلفیئر اور چودھری گلزار احمد صاحب وکیل بھی شریک اجلاس تھے۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ بزم کی لائبریری کے لئے کتب وغیرہ مہیا کرنے کے لئے ارکان بزم چار آنے ماہانہ ادا کیا کریں۔ یہ رقم اراکین ملک فرید صاحب کے پاس جمع کرا دیا کریں گے۔ یہ بھی طے پایا کہ مساجد شہر کے اماموں سے ملکران کے اعتراضات کا مناسب جواب دیا جائے اور انھیں طلوع اسلام کے مسلک سے متفق کرایا جائے۔ ترجمان بزم نے اراکین کو تلقین کی کہ وہ عملی زندگی میں شعائر اسلامی پر زیادہ سے زیادہ پابندی کریں۔

بزم کا آئندہ اجلاس ۷ اگست کو بعد از مغرب بمکان ترجمان منعقد ہوگا۔

اجلاس کے خاتمہ پر غلام حسن صاحب، مالک سٹار لکتب نے "سنت رسول اللہ" کے بیس پمفلٹ حاضرین میں مفت تقسیم کئے۔

ایبٹ آباد

ایبٹ آباد میں بزم کی تشکیل عمل میں لائی جا چکی ہے۔ بزم کے ترجمان ڈاکٹر سمیع الدین صاحب میڈیکل افسر پولیس لائن ہیں۔ عدالت حسین صاحب کو ان کا معاون مقرر کیا گیا ہے۔ بزم کا پہلا اجلاس ۳ جولائی کو ڈاکٹر صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر مہینے کی یکم اور پندرہ کو اجلاس منعقد کئے جائیں۔ تمام اجلاس ڈاکٹر صاحب کے مکان پر ہوا کریں گے۔ جو مقامی حضرات بزم کے رکن نہیں بن سکے وہ ڈاکٹر صاحب سے رابطہ پیدا کریں۔

کلری ضلع جھنگ

محمد خان صاحب خالد ترجمان بزم طلوع اسلام کلری (براستہ سلانوالی ضلع جھنگ) اطلاع دیتے ہیں کہ بزم ایک عرصے سے معرض وجود میں آچکی ہے۔ ترجمان صاحب نے اپنی ذاتی لائبریری عام فائدہ کے لئے کھول دی ہے۔ اس میں مطبوعات طلوع اسلام کے علاوہ دیگر اخبارات رسائل اور کتب بھی موجود ہیں۔

جلال پور جٹاں

رائے محمد اکبر صاحب، پنشنر، پاکستانی محلہ جلال پور جٹاں (ضلع گجرات) سے متعلق ۲۵ جون کے طلوع اسلام میں یہ اعلان شائع ہوا تھا کہ وہ بزم کی تشکیل کے لئے کوشاں ہیں۔ اب وہ اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے بزم کی تشکیل کر لی ہے۔ بزم کے ترجمان میر علاؤ الدین صاحب مقرر ہوئے۔ اجلاس ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب ہومیوپیتھ کے ہاں منعقد ہوا کریں گے۔

جھنگ مگھیانہ

تجمل حسین صاحب، ترجمان اطلاع دیتے ہیں کہ ان کا موجودہ پتہ حسب ذیل ہے۔
مکان نمبر ۲۱۵ - بلاک ۶، جھنگ بازار (جھنگ مگھیانہ)

تاریخی شواہد

(۲۳)

اسوقت ہر جابر و مستبد قوم کی طرح۔ اس قوم کی بھی یہ حالت ہو چکی تھی کہ وہ ملک میں فساد برپا[1] کرتے تھے اس لئے ان سے کہا گیا کہ۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (۷۴/۷)

اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ!

ارباب حکومت و اقتدار بے حد سرکش و مفسد تھے۔

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ (۲۶/۱۵۱-۱۵۲)

اور دیکھو صالح نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ "اے قوم ثمود!) حد سے تجاوز کرنیوالوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو۔ جو زمین میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) اصلاح حال (کا ارادہ بھی) نہیں کرتے۔

جب رزق کی تقسیم قوانین خداوندی کے مطابق نہیں ہوتی تو انسانی معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کو فساد فی الارض کہا جاتا ہے۔ یعنی انسانی معاشرہ کی ناہمواریاں۔ جب یہ ناہمواریاں (قوانین خداوندی کے مطابق) ہمواریوں میں بدل جاتی ہیں تو اسے اصلاح کہا جاتا ہے۔ قوم ثمود کے معاشرہ میں اسی قسم کی ناہمواریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دار الحکومت میں نو وزراء تھے جن کے سپرد علاقہ کا انتظام تھا۔ اور چونکہ پورے کا پورا نظام حکومت بگڑ چکا تھا اس لئے یہ سب کے سب مفسد و مستبد تھے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (۲۷/۴۸)

اور شہر میں نو آدمی (سربرآوردہ اور ذمہ دار) تھے جو (ہمیشہ) ناہمواریاں پیدا کرتے رہتے تھے۔ اور اصلاح حال کی طرف توجہ (ہی) نہیں کرتے تھے

ان کا سرغنہ ان سب سے بڑھ کر شقی و بدبخت تھا۔

إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ۝ (۹۱/۱۲-۱۳)

(اور یاد کرو) جب اس (قوم) کا بدبخت ترین شخص اٹھا۔ تو اللہ کے رسول (صالح) نے ان لوگوں سے کہا…… !

ان حالات کے ماتحت بھلا احکام الٰہیہ کی طرف کون توجہ دیتا؟

وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ (۱۵/۸۱)

اور دیکھو، ہم نے انہیں اپنے قوانین عطا کئے۔ مگر انھوں نے ان سے کوئی نفع نہ اٹھایا! چنانچہ وہ ان سے روگردانی کرنے والے ہی رہے۔

یہ تھے وہ حالات جن میں حضرت صالحؑ کی بعثت ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور قوم کو اسی اساسی اور اصولی پیغام خداوندی کی طرف دعوت دی جو آسمانی سلسلہ رشد و ہدایت کی اولین کڑی ہے۔ فرمایا۔

قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۝ (۷/۷۳)

اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی عبودیت (اطاعت و محکومیت) اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی اللہ (حاکم اور آقا نہیں) حکومت صرف ایک خدا کی۔ کسی انسان کی نہیں۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۝

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ "اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی عبودیت (اطاعت و محکومیت) اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔

اور اس حکومت کی عملی تشکیل اس طرح کہ دلوں میں تقویٰ اور مرکز کی اطاعت۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ (۲۶/۱۴۲-۱۴۴)

(اور اے پیغمبر اسلام! یاد کرو) جب ان سے ان کے بھائی بند صالح نے کہا کہ کیا تم قوانین خداوندی کی نگہداشت نہیں رکھتے؟ یاد رکھو میں تمہارے لئے ایک امانت دار خدا کا پیغامبر ہوں (جو ٹھیک ٹھیک اس کے احکام تم تک پہنچا دیتا ہے۔ پس خدا کے نظام کی حفاظت میں آ جاؤ اور (چونکہ میں اس نظام کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہوں) میری اطاعت (فرمانبرداری) کرو یعنی مفسدین کی حکومت کی اطاعت مت کرو۔ بلکہ اطاعت فقط حکومت الٰہیہ کی کرو۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ (۲۶/۱۵۰-۱۵۲)

پس قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اور میری (بحیثیت مرکز) اطاعت کرو۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو۔ جو (صرف یہی جانتے ہیں کہ) ملک میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) اصلاح حال (کا ارادہ تک) نہیں کرتے۔

کتنا بڑا اعلان بغاوت اور کیسا عظیم الشان نعرۂ انقلاب ہے! حقیقت یہ ہے کہ علمبرداران حکومت خداوندی دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ دوسرے انقلابات کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک کی حکومت کی جگہ دوسرے کی حکومت قائم کر دی جائے۔ لیکن آسمانی انقلاب کے معنی یہ ہیں کہ حکومت و اقتدار کی کنجیاں انسانوں کے ہاتھوں سے چھین کر اقتدار و اختیار کے حقیقی مالک۔ خدائے ارض و سماوات کے سپرد کر دی جائیں۔ اس سے بڑا انقلاب اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس میں کسی انسان کو کسی شکل میں کسی دوسرے انسان پر حکومت کا حق ہی حاصل نہ ہو اور رزق کے معاملہ میں کوئی انسان کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو۔ سب انسان برابر اور ایک خدا کے قانون کے محکوم جو رب العالمین ہے۔ جس کی حکومت میں ظلم و استبداد۔ سلب و نہب اور غصب حقوق و معاوضات کا امکان ہی نہیں۔ یہ تھی وہ حکومت جو حضرت صالحؑ قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ ارباب قوت و سلطنت جن کے چہرے کی سرخیاں اور حریم ناز کی رنگینیاں انسانی خون کی رہین منت تھیں کس طرح اپنے اقتدار و اختیار سے دستکش ہو کر مخلوق خدا کے خدام کی صف میں کھڑے ہو جاتے! لہٰذا وہی ہوا جو ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا چلا جائے گا۔ کمزور و ناتواں اور مظلوم و مقہور انسانوں نے جو انسانی چیرہ دستیوں سے تنگ آ چکے تھے اس دعوت ربانی پر آگے بڑھ کر لبیک کہا اور ارباب دولت و قوت اس کی مخالفت میں صف آرا ہو گئے۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ (۷/۷۵-۷۶)

قوم کے جن سربرآوردہ لوگوں کو اپنی دولت و طاقت کا گھمنڈ تھا۔ انھوں نے مومنوں سے کہا ان لوگوں سے جنہیں انکی چیرہ دستیوں نے سخت کمزور کر رکھا تھا کیا تم نے سچ مچ کو معلوم کر لیا کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی نہیں دیتی) انھوں نے کہا: ہاں بے شک۔ جس پیام حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اس پر ان سرکش و متکبر سرداروں نے کہا: تمہیں جس بات کا یقین ہے۔ ہمیں اس سے انکار ہے!

[1] فساد برپا کرنے سے ہمارا ذہن ڈاکہ زنی، قزاقی، بدامنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ لیکن فساد کا قرآنی مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ نظام جو غیر خداوندی قوانین پر متشکل ہو۔ فساد ہے خواہ اس میں بظاہر کیسا ہی امن کیوں نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں اصلاح صرف اسی نظام کا نام ہے جو قوانین خداوندی پر قائم ہو۔ اس مفہوم کو سامنے رکھنے سے فساد اور مفسد کی قرآنی اصطلاحات کے صحیح معنی سمجھ میں آ سکیں گے۔ (تفصیل اس اجمال کی اپنے مقام پر ملے گی)

عورت کا قرآن

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ　(نساء ع ۴)

اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لا چکے ہوں[1]۔ اس سے جو بات ہو گئی وہ ہو گئی بیشک یہ بڑی ہی بے حیائی کی بات تھی، نہایت مکروہ و مردود شیوہ تھا اور بڑا برا دستور۔ تم پر حرام کی گئی ہیں (۱) تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری بھانجیاں، تمہاری دودھ پلانے والی مائیں، تمہاری رضاعی بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں، تمہاری ان بیویوں کی، جن سے زناشوئی کا تعلق بھی ہو گیا ہو، وہ بیٹیاں جو ان کے پہلے شوہر سے ہیں اور جو تمہاری پرورش میں ہیں مگر اگر ان بیویوں سے زناشوئی کا تعلق نہ ہوا ہو تو ان کی پہلے شوہروں کی بیٹیوں سے نکاح میں کوئی حرج نہیں۔ تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں۔ اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو۔ لیکن جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے اور

وہ عورتیں بھی جو شوہر والیاں ہیں الا یہ کہ وہ تمہاری مملوک ہوں[2]۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا، ٹھہرا دیا ہے۔ ان عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم نفس پرستی کے لئے نہیں بلکہ ازدواجی زندگی کے قید و بند میں رہنے کے لئے اپنا مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرو۔ پھر جن عورتوں سے تم نے ازدواجی تعلق کا فائدہ اٹھایا ہے تو چاہئے کہ جو مہر ان کا مقرر ہوا تھا وہ ان کے حوالہ کر دو۔ اور مہر مقرر کرنے کے بعد اگر آپس کی رضامندی سے کوئی بات ٹھہر جائے (یعنی اس میں کمی بیشی منظور کر لے یا اس کا کوئی جزو یا سب کا سب اپنی خوشی سے معاف کر دے) تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ اس پر تم سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے اور تم میں جو کوئی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں، نکاح کرے۔ اور تمہارے ایمان کی پوری حالت تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (یعنی ہو سکتا ہے کہ ایک مومن لونڈی ایمان کے لحاظ سے بہتر درجہ رکھتی ہو اور ایک آزاد عورت ایمانی خصائل سے محروم ہو) تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو۔ سو ان لونڈیوں سے ان کے مالکوں سے اجازت لیکر نکاح کر لیا کرو اور دستور کے مطابق ان کا مہر انکے حوالے کر دو۔ مگر دیکھ لو کہ وہ عفیفہ اور پاک دامن ہوں نہ تو علانیہ بدکاری کرنیوالیاں ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی۔"

(۵) وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا　(احزاب ع ۷)

"اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم رسول کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بڑی بھاری بات ہے۔"

(۶) وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝　(احزاب ع ۵)

"اور جب تم اے پیغمبر! اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی مہربانی کی تھی اور تم نے بھی، یہ کہہ رہے تھے کہ "اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دو۔ اور خدا سے ڈرو۔ تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے ہو جس کو اللہ ظاہر کرنیوالا موجود ہے اور تم لوگوں سے ڈر رہے ہو۔ حالانکہ ڈرنا تو خدا ہی سے سزاوار ہے[3]"۔ مگر جب زید کا اس عورت سے جی ہی بھر گیا، تو ہم نے اس کا نکاح تم سے اس لئے کر دیا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی دقت اور رکاوٹ نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں۔ اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا ہی تھا۔

(۷) اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ　(مائدہ ۱)

"آج تمام اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی گئیں۔ جو اہل کتاب ہیں ان لوگوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان لوگوں کے لئے حلال ہے۔ نیز اس قوم کی پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ ان کے مہر ان کے حوالہ کر دو۔ اس طرح سے کہ تم ان کو بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی۔ اور یاد رکھو کہ جو کوئی ایمان کے ساتھ کفر کریگا۔ (یعنی ایمان لانے کے بعد کفر کے کام کرے گا) تو سمجھ لو کہ اس شخص کا عمل اکارت گیا اور وہ شخص آخرت میں زیاں کار ہو گا۔"

---

[1] اسلام سے قبل عرب میں یہ رواج تھا کہ سوتیلی ماؤں کو نکاح میں لے آتے تھے۔ [2] مزید وضاحت کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمہ سنیئے:۔ اور (دیکھو) وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں۔ ہاں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) جو عورتیں تمہارے قبضے میں آگئی ہوں (تو ظاہر ہے کہ ان کے سابقہ نکاحوں کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا)۔ (ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۳۲۷)

[3] پیغمبر صلعم زید سے جو کچھ فرما رہے تھے اس کو قرآن نے نقل کیا ہے۔ وہ جملہ یہاں تک ہے۔ لیکن لوگوں نے "تم اپنے دل..." سے اس کو نبی صلعم کی جانب منسوب کر دیا ہے، یہ ایسی گستاخی ہے کہ خدا کی پناہ۔ اس اہم موضوع پر میں نے "امہات المومنین" کے عنوان میں روشنی ڈالی ہے۔

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

(تمہید۔ مسلسل)

سابقہ قسط میں یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ رومی نے اقبال کو خواب میں کیا پیغام دیا۔ اور اس زندگی بخش پیغام سے وہ کس طرح حرکتِ پیہم اور حرارتِ مسلسل بن گیا۔ اس ضمن میں اقبال کہتا ہے کہ

چوں نواز تارِ خود برخاستم　　جنتے از بہرِ گوش آراستم

رومی کے اس پیغام سے میں اس طرح ہنگامہ خیزیوں کا پیکر بن گیا۔ جس طرح سفرابِ تار کے اندر خوابیدہ نغمہ بیکبیر شورِ محشر بن جاتا ہے۔ میں ایک نغمۂ بیدار کی طرح ابھرا اور میں نے گوشِ عالم کے لئے موسیقی کی ایک جنت آراستہ کر دی۔

برگرفتم پردہ از رازِ خودی　　وانمودم سرِ اعجازِ خودی

میں نے خودی کے اس راز کو جو اس وقت تک دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا بے نقاب کر دیا اور اس کے مستور معجزوں کو دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ یہ کچھ تو میں نے دوسروں کے لئے کیا۔ لیکن جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے۔

بود نقشِ ہستیم انگارۂ　　ناقبولے، ناکسے، ناکارۂ

میری ہستی ایک نقشِ ناتمام تھی۔ مکمل تصویر نہیں بلکہ ایک بے رنگ خاکہ۔ تکمیل شدہ مجسمہ نہیں بلکہ ناتراشیدہ جس کی نہ کوئی قدر و قیمت ہو۔ نہ وہ کسی کی نگاہوں میں جچے۔ بیکار اور بلا مصرف

عشق سوہاں زد مرا، آدم شدم　　عالمِ کیف و کم عالم شدم

کہ عشق نے مجھے تراشنا شروع کیا۔ تمام حشو و زوائد کو مجھ سے الگ کر دیا۔ اس پیکر کو ایک خاص صورت عطا کر دی۔ اس خاکے میں رنگ بھر دیئے۔ اور میں ایک ناتراشیدہ مجسمہ سے آدم بن گیا۔ اور مجھے اس وسیع و عریض کائنات کی تمام تصادیر کا علم حاصل ہو گیا۔ اقبال نے ان دو شعروں میں تخلیقِ آدم کے ان تمام مراحل کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ جن کا تفصیلی ذکر قرآن میں آیا ہے۔ مِّنۡ اَخۡلَقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ (۳۲) تخلیقِ انسانی کی ابتداء بے جان مادے سے کی۔ پھر اسے مختلف مراحل میں سے گذارتے ہوئے اس سے حشو و زوائد کو دور کر کے اسے نہایت موزوں اور مناسب حالتِ اعتدال پر لے آئے رثُمَّ سَوّٰىهُ) پھر اس میں الوہیاتی توانائی کا ایک شمہ ڈال دیا گیا (وَ نَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ) اور اس طرح وہ صاحب عقل و شعور انسان بن گیا۔ پھر اسے اشیائے فطرت کا علم عطا کر دیا۔ (وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا۔ ۲/۳۱) اور اس طرح وہ "عالمِ کیف و کم عالم" ہو گیا۔ اقبال کہتا ہے کہ کائنات کے اس علم کا نتیجہ یہ ہے کہ

حرکتِ اعصابِ گردوں دیدہ ام　　در رگِ مہ گردشِ خوں دیدہ ام

میں نے آسمان کے اعصاب کی حرکت تک کو دیکھ لیا۔ میں نے مشاہدہ کر لیا کہ گردشِ افلاک کی علت کیا ہے۔ ان کی حرکت کس وجہ سے ہے اور کس مقصد کے لئے۔ حتیٰ کہ میں نے چاند کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی حرکت کو بھی دیکھ لیا۔ چاند کے متعلق تحقیقات یہ ہے کہ یہ نہایت ٹھنڈا کرہ ہے۔ جس میں حرارت بالکل باقی نہیں رہی۔ لیکن عشق نے اقبال کی نگاہوں میں وہ بجلیاں بھر دیں کہ اس نے اس قدر بارد کرہ کی رگوں میں چلنے والے خون کی حرکت تک کا بھی مشاہدہ کر لیا لیکن یہ تمام مشاہدات ایک سائنسدان کے تجربات نہیں تھے۔ جو اپنے معمل میں بیٹھا سب کچھ میکانکی طور پر کرتا رہتا ہے۔ اور اسے اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ انسانوں کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے اقبال کی کیفیت اس علم اور دیدہ وری کے بعد بالکل مختلف ہو گئی۔

بہرِ انساں چشمِ من شبہا گریست　　تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست

میری آنکھ انسان کے دکھ اور مصیبت پر سینکڑوں راتیں روتی رہی۔ تا آنکہ میں نے زندگی کے چھپے ہوئے رازوں سے تمام پردے اٹھا دیئے اور انسانوں کو بتا دیا کہ ان کی مصیبتوں کا سبب کیا ہے اور ان کا علاج کیا۔ اقبال نے (بانگِ درا میں) نوعِ انسانی کو جسم سے تشبیہ دی ہے اور شاعر کو دیدۂ بینائے قوم کہا ہے۔ اور اس کے بعد لکھا ہے کہ جس طرح یہ کیفیت ہے کہ جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو، آنکھ کے آبگینے میں آنسو ڈھلک آتے ہیں۔ اسی طرح نوعِ انسانی پر کہیں بھی کوئی مصیبت آئے شاعر کا دل اس سے بیقرار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اقبال نے جو کچھ شاعر کے متعلق کہا ہے۔ قرآن یہی کچھ مردِ مومن کے متعلق کہتا ہے کیونکہ وہ امنِ عالم کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور اس کی زندگی ان کاموں کے لئے وقف ہو جاتی ہے جو عالمگیر انسانیت کے لئے منفعت بخش اور حیات آور ہوں۔ بہرحال، اقبال نے کہا ہے کہ وہ انسانیت کے درد میں مدتوں روتا رہا تا آنکہ وہ اس قابل ہو گیا کہ رموز و اسرارِ حیات کے پردوں کو اٹھا دے۔

از درونِ کارگاہِ ممکنات　　برکشیدم سرِّ تقویمِ حیات

میں (یعنی اقبال) اس کائناتِ کیف و کم کی گہرائیوں کے اندر چلا گیا۔ اور وہاں سے میں نے اس راز کو بے نقاب کیا کہ زندگی کن عناصر سے عبارت ہے۔ اور اس میں صحیح توازن تناسب کس طرح رکھا جا سکتا ہے۔

یہاں تک اقبال ایک فرد کی حیثیت سے گفتگو کرتا ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ وہ درحقیقت ملتِ اسلامیہ کا ایک جزو ہے۔

من کہ ایں شب را چو مہ آراستم　　گردِ پائے ملتِ بیضا ستم

میں نے انسانی فکر و نظر کی تاریک رات کو جو اس طرح چاند کی طرح منور و آراستہ کر دیا ہے تو میں کوئی الگ تھلگ انسان نہیں ہوں۔ میں درحقیقت ملتِ اسلامیہ کے پاؤں کی گرد ہوں۔ اقبال کے سارے پیغام کی لَم یہی ہے۔ یعنی ملت کا جزو بن کر رہنا۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اقبال اپنے آپ کو اسی ملتِ شریفہ کا جزو لاینفک اور گردِ پا قرار دیتا ہے

ملتے در باغ و راغ آوازہ اش　　آتشِ دلہا ز سوزِ تازہ اش

وہ ملت کہ جس کا غلغلہ اس دنیا کے گوشے گوشے میں بلند ہو گیا۔ جس کا زندہ و پائندہ پیغام ہزارہا دلوں کے لئے سرمایۂ سوز و گداز ہے۔

ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد　　خرمن از صد رومی و عطار کرد

وہ ملت کہ جس نے اپنے مزرعِ سعی و عمل میں چھوٹے چھوٹے ذرے بوئے اور وہ آفتاب کا ڈھیر بن کر سامنے آگئے۔ یعنی اس کی فضا میں تربیت حاصل کرنے کا اثر یہ ہے کہ ایک ذرۂ ہیچ مقدار آفتاب عالمتاب بن جاتا ہے۔ یہ رومی اور عطار جو جہانِ علم و عشق میں گوہرِ درخشندہ دکھائی دیتے ہیں۔ سب اسی ملت کی کھیتی کی پیداوار ہیں۔ خود میری (اقبال کی) کیفیت یہ ہے کہ

آہِ گرمم، رخت بر گردوں کشم　　گرچہ دودم، از تبارِ آتشم

میں آہِ گرم کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن میں خاک کی پستیوں کو چھوڑ کر آسمان کی بلندیوں میں سیر کرتا پھر رہا ہوں۔ یہ سب اسی ملت کی تربیت کا اثر ہے میں محض دھواں ہوں۔ لیکن میری نسبت آگ کے خاندان سے ہے۔ اس لئے مجھ میں وہی آتش نوائی اور شعلہ صفتی موجود ہے اسی کا اثر ہے کہ

خامہ ام از ہمتِ فکرِ بلند　　رازِ ایں نہ پردہ در صحرا فگند

میرے قلم نے بلندیٔ فکر کی ہمت سے اس وسیع و عریض کائنات کے تمام سربستہ رازوں کو بے نقاب کر کے صحرا میں پھینک دیا کہ جس کا جی چاہے۔ انہیں کھلے کھلے طور پر دیکھ لے۔

قطرہ تا ہمپایۂ دریا شود　　ذرہ از بالیدگی صحرا شود

تاکہ قطرۂ ناچیز (کائنات کے رازہائے سربستہ کو پا کر) دریا کا ہم مرتبہ ہو جائے اور ذرۂ بے مقدار اس طرح پرورش پا کر وسعت اور فراخی میں صحرا بن جائے۔ یہ پیغام اقبال کی دوسری لَم ہے دیانت اور تصوف میں زندگی کا منتہائے کمال یہ سمجھا گیا ہے کہ جزو اپنی ہستی کو فنا کر کے کل میں جذب ہو جائے۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

اور دورِ حاضرہ کی سیاست میں فرد کا کمالِ زندگی یہ قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مملکت (اسٹیٹ) کی قربانگاہ میں بھینٹ چڑھا دے لیکن اقبال کے نزدیک زندگی کا منتہائے کمال یہ ہے کہ فرد اپنی جداگانہ ہستی کو اس قدر محکم اور پائیدار بنالے کہ کوئی قوت بھی اسے اپنے اندر جذب نہ کر سکے۔ اس کے نزدیک مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ فرد کی تربیت سے اس کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما کرے۔ یعنی مملکت فرد کے لئے ہے نہ کہ فرد مملکت کے لئے۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں انکی حیات عقلیہ کس طرح کی تھی۔ ان کے حالاتِ اخلاقی اور اجتماعی کوائف پر کس طرح اثر انداز تھے۔ آج کی فرصت میں حیات عقلیہ کا وہ بیان جاری ہے جو سابقہ اشاعت میں شروع کیا گیا تھا

مثال کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معتمد لوگوں نے ان اشعار کو ضعیف قرار دیا ہے جنھیں ابن اسحٰق نقل کرتا ہے۔ ایسے ہی انھوں نے حماد الراویہ اور خلف الاحمر پر طعن کیا ہے۔ لہٰذا جن اشعار کو یہ لوگ نقل کرتے ہیں ہمیں انہیں چھوڑ دینا چاہئے جبکہ دوسرے قابل اعتماد راوی ان کی روایتوں کی تائید نہ کر رہے ہوں۔ لیکن علماء لغت نے ابو عمرو بن العلاء اور اصمعی وغیرہ کو قابل اعتماد شمار کیا ہے لہٰذا جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں اسے ہمیں لے لینا چاہئیے بشرطیکہ متن کے ضعیف ہونے اور اس کے جھوٹا ہونے پر کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ شاید ـــ اس کے بعد اتنا صالح مجموعہ ہمارے پاس بچ رہیگا جس سے ہم ان کی حیات عقلیہ کا پتہ لگا سکیں گے۔

علاوہ ازیں غور و فکر کے لئے ایک دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے یعنی یہ بات کہ ایک موضوع اور گھڑا ہوا شعر بھی تو جاہلیت کی حیات عقلیہ کا صحیح طور پر آئینہ دار ہو سکتا ہے جب کہ اس شعر کو گھڑنے والا فنون شعر سے اچھی طرح پر واقف اور اسالیب شعر پر اسے کما حقہ عبور حاصل ہو۔ مثلاً خلف الاحمر کے بارہ میں ابن سلام کا قول ہے کہ ”ہمارے اصحاب کا اس پر پورا اتفاق ہے کہ خلف الاحمر کو شعر کی پوری پوری فراست حاصل تھی اور وہ زبان کا سچا تھا“۔ شعر میں فراست سے ابن سلام کا مطلب یہ ہے کہ اسے شعر کا علم اور بصیرت حاصل تھی۔ چنانچہ خلف الاحمر کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ کوئی قصیدہ گھڑتا تھا تو لوگوں کو سخت شبہ میں ڈالدیا کرتا تھا۔ وہ جاہلی شعراء کے طرز پر چلتا اور مہارت و حذاقت میں ان کے اتنا قدم بقدم چلتا تھا کہ بڑے بڑے ناقدوں کو اس کے اشعار اور جاہلی شعراء کے اشعار میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا تھا۔

تو اس کے بعد آخر کیا مضائقہ ہے اگر ہم خلف الاحمر کے اس گرانقدر علم سے امور جاہلیت کا استفادہ کرلیں۔ اگر خلف الاحمر جاہلیت کے حالات کو بیان کرتا ـــ جبکہ وہ ان سے اس قدر واقف تھا ـــ تو کیا اس کے قول کی کوئی بڑی قیمت نہ ہوتی؟ تو اس کے ان اشعار کی قیمت کیوں نہ ہوگی جو اگرچہ جاہلی شعراء کی طرف منسوب کرکے وہ خود ہی گھڑتا ہے۔ مگر ان میں حیات جاہلیت کا کوئی عمدہ نمونہ پیش کر دیتا ہے۔

(۱) ـــ زبان اور لغت

لغت، حیات عقلیہ پر اس جہت سے روشنی ڈالتا ہے کہ ہر قوم کی زبان ہر زمانہ میں اُسکی عقل کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہوتی ہے۔ کیونکہ زبان اور لغت یکبارگی پیدا نہیں ہوا کرتے۔ پچھلے لوگ اگلے لوگوں سے اس کو مکمل طور پر نہیں پاتے۔ لوگ ابتداء میں چند الفاظ بناتے ہیں جو ان کی ضرورتوں کے بقدر ہی ہوتے ہیں۔ جب دوسری نئی چیزیں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے لئے وہ نئے الفاظ وضع کرتے ہیں۔ جب ان میں سے کچھ چیزیں مٹ جاتی ہیں تو انکے الفاظ بھی مٹ جاتے ہیں۔ زبان اور لغت پر اسی طرح مسلسل حیات اور موت طاری ہوتی رہتی ہے۔ یہی حال اشتقاقات اور معتبرات کا ہوتا ہے کہ جو بھی کسی قوم کی ترقی کے ماتحت بڑھتے اور ارتقا کی منازل طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ایسی چیز ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے چونکہ واقعہ یہی ہے اس لئے ـــ اگر ہم کسی لغت کی کتاب کا احاطہ کر سکیں جسے کوئی قوم اپنے کسی خاص عہد میں استعمال کرتی ہوتی ہو ـــ تو ہم ان مادی چیزوں کا پتہ لگا سکتے ہیں جن سے وہ قوم واقف تھی یا واقف نہیں تھی۔ ایسے ہی ان معنوی چیزوں کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں جن سے وہ قوم اس عہد میں واقف تھی یا واقف نہیں تھی۔ البتہ اگر لغت کی یہ کتابیں بعد کے زمانہ کی لکھی ہوئی ہوں تو ان سے کچھ پتہ لگانا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ جیسے لغت عربی کی وہ کتابیں جنھیں ہم آجکل استعمال کرتے ہیں کہ ان سے ہمارے لئے رہنمائی حاصل کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ وہ ہمارے لغت کی کتابیں نہیں ہیں۔ نہ ہی یہ کتابیں ہمارے ساتھ ساتھ چلی ہیں اور نہ ہی جاہلی زمانہ کا وہ نمونہ ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شعراء اور نثر نگار اکثر ان لغت کی کتابوں سے بغاوت کر جاتے ہیں۔ یہ کتابیں صحیح معنی میں عہد عباسی یا اس کے بعد کے عہد کی لغت کہلا سکتی ہیں لیکن آج بھی دوسری زندہ قوموں کے لغت کی کتابیں ان کی حیات عقلیہ پر روشنی ڈال سکتی ہیں۔ آپ اب سے سو سال پہلے کی فرانسیسی لغت کی کوئی سی کتاب ہاتھ میں لے لیجئے۔ اگر اس کتاب میں آپکو ٹیلیگرام اور ٹیلیفون کا لفظ نہیں ملتا ہے تو یقیناً اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فرانسیسی قوم اب سے سو سال پہلے ان چیزوں سے واقف نہیں تھی۔ ایسے ہی جب تمہیں اس کتاب میں کوئی ایسا کلمہ نہیں ملتا جو کسی خاص معنی پر دلالت کرتا ہو تو اس سے آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ اب سے سو سال پہلے اس معنے سے آشنا نہیں تھے۔

لہٰذا جب ہم ان عربی کلمات کا احاطہ کرلیں جو زمانہ جاہلیت میں استعمال ہوتے تھے تو ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ مادی چیزیں کیا کیا تھیں جن سے وہ جاہلیت کے زمانہ میں واقف تھے۔ اور وہ چیزیں کیا کیا تھیں جن سے وہ واقف نہیں تھے۔ ایسے ہی معانی، عواطف اور نفسانی ملکات میں سے وہ کون سے معانی، عواطف اور ملکات تھے جن سے وہ اس عہد میں واقف ہو چکے تھے اور وہ کون سے تھے جن سے وہ واقف نہیں تھے ـــ مثلاً ـــ اگر ہم جاہلی زمانہ میں ـ ملکہ، عاطفہ، اور شعور کے الفاظ نہیں پاتے ہیں تو اس سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ اس عہد میں ان معانی سے واقف نہیں تھے جبھی تو انھوں نے ان کے لئے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے ـــ لیکن بڑا ہی افسوس ہے کہ اس طرح کی کوئی کتاب ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم ان امور کا پتہ دوسرے ذرائع سے لگا سکتے ہیں؟ یقیناً ہمارے اس راستے میں سارے ہی موانع موجود ہیں۔

(اوّل) زمانہ جاہلیت کے زیادہ تر اشعار اور ذخیرۂ نثر ضائع ہو چکا ہے۔ ابو عمرو بن العلاء کا بیان ہے کہ عربوں نے جتنا کچھ کہا ہے تم تک اس کا بہت تھوڑا حصہ پہنچ سکا ہے۔ اگر وہ سب کا سب تم تک پہنچ جاتا تو علم اور شعر کا بڑا ذخیرہ تمہیں مل سکتا تھا۔ اس وجہ سے ہم ثبوت تو مہیا کر سکتے مگر انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اگر زمانہ جاہلیت کا کوئی شعر ہمارے نزدیک صحیح قرار پا جائے تو ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے الفاظ اور اس کے معانی سے عرب کے لوگ اس عہد میں واقف تھے لیکن ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ اگر ہم کوئی چیز نہیں پاتے تو ہم یہ کہدیں کہ عرب کے لوگ فلاں عہد میں فلاں لفظ اور فلاں معنے سے واقف نہیں تھے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ چیز ان کے ہاں موجود تو ہو مگر ہم تک نہ پہنچ سکی ہو۔ اسی طرح عربوں کی حیات عقلیہ کے مظہر کا ایک بڑا حصہ منہدم ہو جاتا ہے۔

اقبال اور قرآن

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے دلکش مضامین اور انقلاب آفریں تقاریر کا مجموعہ

قیمت :- دو روپے

خدا اور رسول میں فرق

ترجمان القرآن بابتہ اپریل ۱۹۵۵ء میں محترم امین احسن صاحب اصلاحی کا ایک مقالہ شائع ہوا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ

جس طرح اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق نہیں کی جا سکتی اسی طرح اسلام میں کتاب اور سنت کے درمیان کی تفریق کی گنجائش نہیں۔ سنت سے میری مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت شدہ طریقہ ہے۔ اسلام میں اس سے انحراف کھلا ہوا کفر ہے۔

اس پر ہم نے ۱۰ مئی ۱۹۵۵ء کے طلوع اسلام میں لکھا تھا کہ قرآن میں بصراحت مذکور ہے کہ رسول خدا کا عبد ہوتا ہے اور عبد اور معبود میں فرق نہ کرنا کھلا ہوا شرک ہے۔ اس کے بعد قارئین طلوع اسلام میں سے ایک صاحب نے ہمیں لکھا کہ سورۂ نساء میں یہ آیا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ .... اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے خود ہی یہ لکھ دیا کہ اس آیت سے اصلاحی صاحب کا منشا پورا نہیں ہوتا۔ اس خیال کے ماتحت ہم نے اس کا فوری جواب لکھنا ضروری نہ سمجھا۔ البتہ ہم نے یہ محسوس ضرور کیا کہ بہتر ہوتا کہ ہم اپنے ۱۰ مئی کے شذرہ میں اس آیت کا صحیح مفہوم بیان کر دیتے۔ اس کے لئے ہم نے سوچا کہ کسی آئندہ اشاعت میں اس کی وضاحت کر دینی چاہئے لیکن ابھی اس کی باری نہ آئی تھی کہ مئی ۱۹۵۵ء کا ترجمان القرآن موصول ہو گیا۔ اس میں انھوں نے اس نکتہ کو بہت اچھالا ہے اور حسب عادت یہاں تک بھی لکھ دیا ہے کہ

احادیث پر دست درازی کرتے کرتے کیا اب اتنی چابک دستی اور ہاتھ کی صفائی پیدا ہو گئی ہے کہ قرآن پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا گیا ہے یا پھر اس آیت سے اعراض کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ اس کے آئینہ میں طلوع اسلام کو اپنی یا اپنے سے ملتی جلتی تصویر نظر آ رہی ہے۔

ہم اس طعن و تشنیع سے صرف نظر کرتے ہوئے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں تاکہ جو لوگ اپنے آپ کو قرآن کی رہنمائی کا محتاج سمجھتے ہیں ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے اور اصلاحی صاحب نے اس کی ہمنوائی میں خود ترجمان القرآن نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ کس طرح قرآن کی کھلی ہوئی تعلیم کے خلاف اور منجر الی الشرک ہے۔

قرآن نے پانچ اجزائے ایمان قرار دیئے ہیں ــــ اللہ پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، اور آخرت پر ایمان ــــ اس نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ ان تمام اجزاء پر ایمان لانے سے ایک شخص مومن کہلا سکتا ہے۔ اگر اس نے یہ کیا کہ ان میں سے بعض پر ایمان لے آیا اور بعض کو چھوڑ دیا تو یہ ایمان نہیں کفر ہے حتیٰ کہ اگر اس نے ایسا کیا کہ خود رسولوں میں سے بھی بعض کو مان لیا اور بعض سے انکار کر دیا تو یہ بھی کفر ہے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن کریم نے سورۂ نساء کی محولہ بالا آیت میں اشارہ کیا ہے۔ یہ آیت اور اس سے بعد کی آیت یوں آئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ (۴/۱۵۰)

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے انکار کرتے ہیں (وہ پکے کافر ہیں) نیز وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کریں (وہ بھی کافر ہیں)

اب سوال یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنے سے مراد کیا ہے۔ سو اس کا جواب آیت کے اگلے ٹکڑے میں ان الفاظ میں دیا گیا ہے کہ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں۔ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا اور وہ چاہتے ہیں کہ بین بین کا کوئی راستہ اختیار کریں یہ لوگ پکے کافر ہیں۔

ان آیات سے واضح ہے کہ قرآن نے کہا یہ ہے کہ پکے کافر وہ ہیں

(۱) جو خدا سے انکار کریں اور اس کے رسولوں سے انکار کریں۔ یا

(۲) جو خدا کو مانیں لیکن اس کے رسولوں سے انکار کریں۔ یا

(۳) جو بعض رسولوں کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں

یہ کافروں کی نشانی بتائی اور اس کے ساتھ ہی مومنوں کے متعلق یہ بتایا کہ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ (۴/۱۵۲) یعنی وہ لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ نہیں کرتے۔ ان آیات سے کھلے طور پر واضح ہے کہ تفریق بین اللہ و بین الرسل کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کو ماننا اور رسولوں کو نہ ماننا۔ یعنی خدا کی ہستی کا تو اقرار کرنا لیکن انسانی راہنمائی کیلئے خدا کی طرف سے وحی کی ضرورت سے انکار کرنا قرآن نے کہا ہے کہ اس قسم کا خدا پر ایمان، ایمان نہیں، کفر ہے۔ ہمارے ہاں ہندوستان میں برہمو سماجی فرقہ موجود ہے جو خدا کو مانتا ہے لیکن وحی خداوندی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ادھر یورپ میں یہ چیز آجکل عام ہو رہی ہے حتیٰ کہ ہکسلے نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی شائع کی ہے جس کا نام ہے (Religion without Revelation) یعنی "وحی کے بغیر مذہب"۔ یہ ہے تفریق بین اللہ و بین الرسل۔ اسی کی ذرا سی بدلی ہوئی شکل ہے جسے ابوالکلام صاحب آزاد نے اپنی تفسیر میں پیش کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خدا پرستی اور نیک عمل کی زندگی ہی اصل دین ہے۔ یہاں اتنا بتا دینا غیر محل نہ ہوگا کہ جب ۱۹۳۱ء میں ابوالکلام صاحب آزاد کی تفسیر کی پہلی جلد شائع ہوئی ہے تو ملک کے گوشہ گوشہ سے اس کی تعریف و ستائش کے غلغلے بلند ہوئے۔ لیکن یہ بصیرت اور جرأت صرف ایک شخص کو نصیب ہوئی جس نے معارف میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا اور اس میں بتایا کہ جب تک رسالت محمدیہ پر ایمان نہ لایا جائے خدا پرستی اور نیک عمل کے الفاظ کچھ معنی نہیں رکھتے (محترم پرویز صاحب کے اس مقالہ نے بڑی شہرت حاصل کی تھی اور اب یہ ان کے مجموعۂ مضامین ــــ فردوس گم گشتہ ــــ میں شامل ہو چکا ہے۔ عنوان ہے۔ "کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟") ہم یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنے کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ خدا پر ایمان لایا جائے اور رسول پر ایمان نہ لایا جائے۔ اس سے یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ خدا اور رسول میں (معاذ اللہ) کوئی فرق نہ کیا جائے اور اسی طرح کتاب اللہ اور حضرت رسول کو بھی ایک سطح پر رکھا جائے اور ان میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔ قرآن نے مقام رسالت کو نہایت واضح الفاظ میں متعین کر دیا ہے اور خدا اور اس کے رسول میں نمایاں طور پر فرق کر کے دکھلا دیا ہے۔ اس نے رسول کو خدا کا عبد یعنی خدا کا بندہ بتایا ہے۔ مثلاً بقرہ کے شروع ہی میں ہے۔

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا (۲/۲۳)

یہاں خدا کو قرآن کا نازل کرنے والا اور رسول کو خدا کا عبد کہا گیا ہے۔ پھر رسول کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سب سے پہلے خود اس وحی پر ایمان لاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۲/۲۸۵)

وہ اس وحی پر ایمان لا کر اسکی اتباع کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے کہ ان سے کہہ دے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (۶/۵۰) کہ میں اتباع اس وحی کے جو میری طرف کی جاتی ہے کسی اور چیز کی اتباع نہیں کرتا۔ اسی کو سورۂ اعراف میں حصر کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (۷/۲۰۳) ان سے کہہ دو کہ میں صرف اسکی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور اس طرح اعلان کرتا ہے کہ میں اول المسلمین ہوں (۶/۱۶۳) یعنی میں سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے خدا کا فرمانبردار ہوں حتیٰ کہ وہ اس کا بھی اعلان کرتا ہے کہ۔ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اھْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ (۳۴/۵۰) کہ اگر میں کہیں غلطی کرتا ہوں تو وہ میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے اور اگر میں سیدھے راستہ پر

ہوتا ہوں تو وہ امر، وحی کی رو سے ہے جو خدا کی طرف سے مجھے ملتی ہے۔ وہ قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا (۱۰/۱۵)، بلکہ وہ اسکی پوری پوری اتباع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (۱۰/۱۵) اگر میں اپنے خدا کی نافرمانی اختیار کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ حتیٰ کہ جو کچھ خدا نے حلال قرار دیا ہے لوگوں کے لئے تو ایک طرف رہا وہ اسے اپنی ذات کے لئے بھی حرام قرار نہیں دے سکتا۔ سورہ تحریم میں ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ (۶۶/۱) مختصراً یہ کہ وہ خود بھی وحی خداوندی کی اطاعت کرتا ہے اور جماعت مؤمنین کو بھی اسی کی اطاعت کراتا ہے۔ وہ ان معاملات کے فیصلے قرآن ہی کی رو سے کرتا ہے۔ (۵/۴۸) اور انہی فیصلوں کی اطاعت اس جماعت کے افراد پر فرض ہوتی ہے کیونکہ اطاعت کے بغیر کوئی نظام باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی کا نام اطاعت فی المعروف ہے جس کی معصیت (نافرمانی) سے سختی سے روکا گیا ہے۔ (۶۰/۱۲) اسی تفصیل کو سمٹا کر ان الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (۳/۷۸) کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ وہ یہی کہے گا کہ تم اس کتاب کے ذریعہ جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو اللہ والے بن جاؤ۔

ان آیات سے واضح ہے کہ دین، خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملتا ہے اور رسول کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس دین پر ایمان لائے، اس پر عمل کرے اور دوسروں سے اس پر عمل کرائے۔ خدا اور اس کے رسول میں یہ اتنا بڑا فرق ہے جس سے کسی صورت میں بھی آنکھ بند نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا سورہ نساء کی اس آیت سے جس میں تفریق بین اللہ و بین الرسل سے منع کیا گیا ہے یہ دلیل لانا کہ جس طرح خدا اور رسول میں کوئی فرق نہیں اسی طرح خدا کی کتاب اور رسول کی سنت میں کسی فرق کی گنجائش نہیں، رسول کو خدا کے ہم مرتبہ اور اس کے قول و فعل کو کتاب اللہ کے ہم پایہ قرار دیدینا ہے۔ اقوام سابقہ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ اپنے رسولوں میں شان الوہیت پیدا کر دیتے تھے۔ اس غلطی سے روکنے کیلئے قرآن نے بار بار رسول کو خدا کا عبد اور اس کے احکام کا فرمانبردار ظاہر کیا ہو لیکن مسلمانوں نے قدم قدم پر وہی کچھ کیا جو اقوام گذشتہ نے کیا تھا۔ تصوف والوں نے یہ عقیدہ پیدا کر لیا کہ

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر　　اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

۔۔۔۔۔ اور ارباب شریعت نے رسول کے اقوال کو قرآن کے ساتھ قرآن جیسا (مثلہ معہ) قرار دیکر خدا اور رسول کے فرق کو مٹا دیا اور رسول کو ہم پایۂ خدا بنا دیا۔ حالانکہ رسول کا صحیح مقام یہی ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر!

آخر میں یہ بھی دیکھئے کہ یہ حضرات جو یہ عقیدہ پیش کرتے ہیں کہ جس طرح خدا اور رسول میں کوئی فرق نہیں اسی طرح کتاب و سنت میں بھی کوئی فرق نہیں، خود ہی کتاب و سنت میں کتنا بڑا فرق سمجھتے ہیں، سب سے پہلے سورہ نساء کی وہ آیت لیجئے جس سے انھوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اور سنت میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یہ روش کہ خدا پر ایمان لایا جائے اور رسولوں پر ایمان نہ لایا جائے کفر کی روش ہے۔ اس آیت کی تشریح خود مودودی صاحب اپنی تفسیر میں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> یعنی کافر ہونے میں وہ لوگ جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ اس کے رسولوں کو اور جو خدا کو مانتے ہیں مگر رسولوں کو نہیں مانتے اور وہ جو کسی رسول کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے۔ سب یکساں ہیں ان میں سے کسی کے کافر ہونے میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔ (تفہیم القرآن جلد اول ص۴۱۷)

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک بھی اس آیت کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ انھوں نے یہ مفہوم بالکل نہیں لیا کہ خدا اور رسول ہم پایہ اور کتاب و سنت ہم مرتبہ ہیں۔ اب اس سے آگے بڑھئے اور یہ دیکھئے کہ خود ان کے نزدیک آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں کتنا بڑا فرق ہے مودودی صاحب تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں۔

> قرآن کے کلام اور محمد صلعم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اسقدر مختلف اسٹائل کبھی ہو نہیں سکتے ...... حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں ان کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اسقدر مختلف ہے کہ زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا نقاد یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔ (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۵۲ء، صفحہ ۲۵)

یہ تو رہا الفاظ کا فرق، اب یہ دیکھئے کہ رسول اللہ صلعم کے فیصلوں کے متعلق ان کا کیا عقیدہ ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ کلمات اللہ میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے اصول و قوانین زمان و مکان کے حدود سے بہت اونچے ہیں، زمانہ کے تقاضوں سے ان میں کسی رد و بدل کی گنجائش نہیں لیکن سنت رسول اللہ کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

> یہ حقیقت یقیناً ناقابل انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لیکر اپنے احکام کی بجا آوری کیلئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسی بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے جو حالات عہد رسالت اور صحابہؓ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے لازم نہیں کہ بعینہ وہی حالات ہر زمانہ اور ہر ملک کے ہوں لہٰذا احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں ان کی ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح و حکم کے لحاظ سے ان کی جزئیات میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جسکو روح اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں۔ (تفہیمات حصہ دوم ص۳۴۴)

یہ ہے سنت نبوی کے متعلق ان کا عقیدہ اور اس کے باوجود اعلان یہ ہے کہ کتاب اور سنت میں کسی قسم کے فرق کی گنجائش نہیں۔ (ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر یہ حضرات اپنی بات کی پچ میں کل کو یہ کہدیں کہ ہم قرآن میں بھی اس قسم کے تغیر و تبدل کو جائز سمجھتے ہیں۔)

احادیث اور قرآن کے الفاظ کے فرق، اور ابدیت کے لحاظ سے کتاب اور سنت کے فرق کو آپ دیکھ چکے اب لگے ہاتھوں یہ بھی دیکھ لیجئے کہ خود سنت کے تعین میں ان لوگوں کا مسلک کیا ہے۔

سنت کا تعین احادیث کی رو سے ہوتا ہے۔ احادیث کے مجموعوں میں بخاری کے مجموعہ کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مودودی صاحب نے اپنی پوزیشن کو واضح کرتے ہوئے، لکھا ہے کہ

> اس کے بارہ میں بھی یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ اسکی تمام احادیث آنکھیں بند کر کے قبول کر لی جائیں۔ اسکی احادیث کو بھی اہل علم نے جانچا اور پرکھا ہے۔ اور جس نے بھی قبول کیا ہے تحقیق کے بعد ہی قبول کیا ہے۔ آج اگر کوئی اسکی احادیث پر تنقید کرے تو محض اس بناء پر کہ وہ بخاری کی حدیث پر کلام کر رہا ہے قابل ملامت نہ ہوگا بشرطیکہ وہ قواعد کے مطابق تنقید کرے۔ محض من مانے طریق بیان کو رد نہ کرے۔ وہ دلیل سے بات کریگا تو اہل علم دیکھ لیں گے کہ اسکی دلیل میں کوئی وزن ہے یا نہیں۔
>
> (المنیر مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۵۵ء)

ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ کیا مودودی صاحب کے نزدیک قرآن کی بھی یہی پوزیشن ہے یا اس میں اور احادیث کے مجموعوں میں فرق ہے؟ یعنی انھوں نے بخاری کے متعلق تسلیم کیا ہے کہ ایک صاحب علم کو یہ حق حاصل ہے کہ اسکی حدیثوں کو پرکھے اور اگر وہ علم و دلیل کی بناء پر سمجھے کہ فلاں حدیث رسول اللہ کی نہیں ہو سکتی تو اسے مسترد کر دے۔ کیا قرآن کے متعلق بھی یہ اجازت ہے کہ کوئی صاحب علم مسلمان اس کی آیات کو پرکھنا شروع کر دے اور علم و دلیل کی بناء پر بعض آیات کے متعلق یہ کہدے

کرو (معاذ اللہ) خدا کلام نہیں ؟ اگر مودودی صاحب کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ میں یہ بنیادی فرق تسلیم کرتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہ کتاب و سنت میں کسی تفریق کی گنجائش نہیں کس قدر باطل ہے۔

ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ تصریحات بالا پر غور کریں اور پھر سوچیں کہ جماعت اسلامی والوں کا یہ دعویٰ کہ جس طرح خدا اور رسول میں فرق نہیں کیا جا سکتا اسی طرح کتاب اور سنت میں بھی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں، قرآن کی رو سے درست ثابت ہوتا ہے یا طلوع اسلام کا یہ دعویٰ کہ خدا، خدا ہے۔ اور رسول، رسول اور انہیں ایک مقام پر نہیں رکھا جا سکتا، از روئے قرآن صحیح ہے ؟

اس میں شبہ نہیں کہ یہ اعلان کرنا کہ ہم خدا اور رسول میں کوئی فرق نہیں کرتے عوام کے نزدیک بڑا خوش کن ہوتا ہے اور اس سے ان میں مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن دین کو اس طرح سے پیش کرنا بہت بڑی مداہنت اور بہت بڑی جسارت ہے۔ جس کے فتنے سے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۱ء	مئی تا نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔

خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام — کراچی

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت — از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے تقریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد بمعہ گردپوش ——— قیمت — بیس روپے

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات ——— قیمت — آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو بیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے ؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات قیمت — چار روپے

اسباب زوال امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا ؟ ایک سو چالیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۶ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی ؟ مزاج شناس رسول ! مزاج شناس کون ہے ؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۰ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی دو جلدیں ہر جلد کے تقریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۲ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔
قیمت قسم اول ——— چھ روپے قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

اقبال اور قرآن — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ :- ادارۂ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

جاوید پریس بیکلوڈ روڈ کراچی

باب المراسلات

لاہور سے ہمارے ایک کرم فرمانے جنھیں طلوع اسلام سے قریبی تعلق ہے اور جن کا دل مسلمانوں کے درد سے لبریز ہے۔ ہمیں ایک تفصیلی خط لکھا ہے جس میں بہت سی باتیں آگئی ہیں۔ ان کے یہ خیالات درحقیقت نتیجہ ہیں اس مایوس کن فضا کا جو ملک میں ارباب حل وعقد کے عدم تدبر اور فقدان کردار کی وجہ سے پیدا ہو چکی ہے اور جس کی شدت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ چونکہ یہ فضا اس وقت اذہان وقلوب کو بالعموم متاثر کئے جا رہی ہے اسلئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان میں سے بعض اہم نکات کا تذکرہ طلوع اسلام میں کر دیا جائے تاکہ قارئین میں سے دیگر حضرات بھی جو اس فضا سے متاثر ہو گئے ہیں ان حقائق پر غور کریں۔

۱۔ پنڈت نہرو

انھوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ پنڈت نہرو کے سفر ماسکو پر جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ آپ کے شایان شان نہیں۔ کیونکہ جو کچھ آپ کے ارباب حل وعقد کر رہے ہیں ان میں اور اس کے عمل وفکر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ تو آپ کے سامنے ہے کہ ان کو ہندوستان ملا تو انھوں نے ہندو کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے اور ہم کو پاکستان ملا تو ہم نے مسلمان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے

طلوع اسلام!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پنڈت نہرو اپنی مملکت اور اپنی قوم کے لئے بہت کچھ کر رہے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہاں کے ارباب حل وعقد اپنے عمل اور ایثار سے ہندوؤں کو ایک طاقتور قوم بناتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ چیز ان کے لئے واقعی قابل ستائش ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ اپنی تمام قوت کو پاکستان کی تخریب کے لئے وقف کر دیں۔ ان کی شبانہ روز محنت کا مقصود یہ ہو کہ پاکستان کو تباہ اور برباد کر دیا جائے تو کیا ہم اس پر بھی ان کی تعریف ہی کرتے چلے جائیں؟ مثال کے طور پر یہ دیکھئے کہ ہندوستان نے بڑی محنت اور ہمت سے بھاکڑا ڈیم تعمیر کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اتنے بڑے منصوبہ کی تکمیل ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ لیکن اس بھاکڑا ڈیم سے مقصود یہ ہے کہ پیچھے سے آنیوالا سارا پانی اس میں انڈیل لیا جائے اور پاکستان کو تڑپا تڑپا کر مار دیا جائے۔ چنانچہ اپنے اس منصوبہ کی کامیابی کی خوشی میں اس قوم نے بہت بڑا جشن منایا اور پنڈت نہرو کی خدمت میں اپنی حسن عقیدت کے پھول پیش کئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں بھی یہی کرنا چاہئے تھا کہ پنڈت نہرو کو مبارکباد کے تار بھیجتے اور ان سے کہتے کہ شاباش مردِ خدا ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

طلوع اسلام نے ان کی اس محنت کی داد دی اور یہاں کے ارباب بست وکشاد کو اس سے غیرت دلائی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ ہندوؤں کے یہ مقاصد انسانیت کی نگاہ میں کبھی عزت واحترام سے نہیں دیکھے جا سکتے۔ اپنی قوم کی بہبود کی خاطر ہمسایہ اقوام کا خون چوس لینا سیکیاڈ سیاست میں تو بیشک قابل تعریف قرار پا سکتا ہے لیکن انسانیت کی بارگاہ میں اسے کبھی واجب الاحترام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی صورت پنڈت نہرو کے ماسکو کے سفر کی ہے۔

بین الاقوامی سیاست میں جس طرح وہ اپنے لئے نئی راہیں تراشتے جا رہے ہیں وہ ان کے اور ان کی قوم کے لئے باعث فخر و ناز ہو سکتا ہے لیکن اس تمام جد وجہد کی تہ میں جذبہ یہی کارفرما ہے کہ پاکستان کے سر پر مستقل خطرات کھڑے کر دیئے جائیں۔ کیا ہم اپنی قوم کو ان خطرات سے آگاہ نہ کریں! اور پنڈت نہرو کے حسن تدبر کے قصیدے پڑھتے رہیں؟ طلوع اسلام ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ صرف اسی اقدام کی تعریف کرتا ہے جو قانون کائنات کی رو سے سزاوار حمد وستائش ہو۔

۲۔ امریکہ پرستی

انھوں نے اپنے مکتوب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک بات اور جو کھٹکتی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ طلوع اسلام خواہ مخواہ اشتراکیت کے خلاف لکھتا رہتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع اسلام امریکہ پرستی کا شکار ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طلوع اسلام کے ہر شذرہ اور مقالے سے امریکہ پرستی کی بو آتی ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے دنیا کا ہر فرد امریکہ کی پالیسی سے نفرت رکھتا ہے یہاں تک کہ جو انسان امریکہ کا محتاج ہے جسکو وہ روٹی دیتا ہے جسکو وہ کپڑا دیتا ہے۔ وہ بھی امریکہ سے نفرت رکھتا ہے۔

طلوع اسلام

طلوع اسلام کی قسمت بھی عجیب ہے۔ مخالفین کا اعتراض یہ ہے کہ طلوع اسلام اشتراکیت کا علم بردار ہے اور روس سے ساز باز رکھتا ہے۔ اور اس کے موافقین کو اس کے ہر شذرہ اور مقالے سے امریکہ پرستی کی بو آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس "امریکہ پرستی" کے خلاف جذبہ محرکہ یہ ہے کہ پاکستان نے امریکہ سے مدد کیوں لی؟ اس باب میں طلوع اسلام اپنے مسلک کو متعدد بار واضح کر چکا ہے مختصراً صورت حالات یہ ہے کہ اس وقت دنیا کی کوئی چھوٹی سلطنت کسی حالت میں بھی خود مکتفی نہیں رہ سکتی۔ اسے کسی نہ کسی بڑی طاقت کی مدد کی ضرورت ہے۔ ان بڑی طاقتوں کے اس وقت دو گروہ ہیں۔ ایک امریکن بلاک اور دوسرا روسی بلاک۔ جہاں تک روسی بلاک کا تعلق ہے ہم نے آج تک نہیں سنا کہ روس نے کسی قوم کو کوئی امداد دی ہو۔ اگر اس نے کسی کو کوئی امداد دی بھی ہے تو وہ صرف وہ اقوام ہیں جنھوں نے اپنے ہاں اشتراکی نظام کو رائج کر لیا ہے وہ کسی غیر اشتراکی مملکت کو کبھی مدد نہیں دیتا۔ اس لئے بھی کہ غیر اشتراکی مملکتوں میں عوام کا خوش حال رہنا اشتراکیت کے مفاد کے خلاف ہے۔ اشتراکیت کے آگے بڑھنے کا تو راز ہی یہ ہے کہ لوگ تباہ حال ہوں اور انھیں ضروریات زندگی تک میسر نہ آتی ہوں۔ جب کسی ملک میں یہ حالات پیدا ہو جائیں تو اسکی فضا اشتراکیت کے لئے خود بخود سازگار ہو جاتی ہے۔ بہرحال پاکستان کے لئے دو ہی راستے کھلے تھے۔ یا تو وہ اشتراکیت کو قبول کر کے روسی مدد حاصل کرتا اور یا امریکن بلاک کی طرف رجوع کرتا۔ اس نے دوسری صورت اختیار کی اور خود ہماری بھی یہ رائے ہے کہ ان دونوں بلاؤں میں سے اس نے بہرحال کم خطرناک بلا کو قبول کیا۔

یہ ہے ہماری وہ روش جس سے بعض دوستوں کو امریکہ پرستی کی بو آتی ہے۔ ورنہ اگر وہ اس خیال سے ہٹ کر طلوع اسلام کا مطالعہ کرتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ امریکہ نظام سرمایہ داری کا مؤید ہے اور طلوع اسلام قرآن کی رو سے نظام سرمایہ داری کو انسانیت کیلئے بدترین لعنت سمجھتا ہے۔ اس کے لئے اور نہیں تو خود طلوع اسلام کے ان مقاصد ہی کو دیکھ لینا چاہئے جو اسکی ہر اشاعت میں ٹائیٹل پر چھپتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ ان مقاصد کا حامل پرچہ اپنے اندر ان عناصر کو کس طرح آنے دیگا جن سے امریکن نظام سرمایہ داری کی تائید کی بو آتی ہو۔ ہمارے ہاں مصیبت یہ ہے کہ کسی کو کسی سے ایک معاملہ میں اختلاف ہو تو پھر اسکی ہر ادا میں اسے وہی اختلافی بات نظر آنے لگ جاتی ہے۔

۳۔ تشکیل پاکستان

آگے چل کر یہ صاحب لکھتے ہیں کہ پاکستان میں ہماری زبان، ہمارے کلچر، ہمارے دین ہماری نسل کا جو حال ہو رہا ہے اس کو دیکھکر خیال آتا ہے کہ مسلمان اگر آزاد ہندوستان کے مطالبہ میں شامل رہتا تو بہت فائدہ میں رہتا۔ اسکو سماجی، مذہبی، ثقافتی، آزادی خود بخود حاصل رہتی۔ کیونکہ ملازمت میں آپکے حقوق مسلم ہو چکے تھے۔ تجارت میں مسلمان نے اپنی استعداد سے ایک مقام حاصل کر لیا تھا۔ تعلیم میں برابر کا حصہ دار تھا ہندو آپ سے ہر گھڑی ڈرتا تھا اور ہر بات میں آپکا احترام کرتا تھا۔ اب وہ نہ آپ سے اور نہ آپ کے کسی جذبات کا اسکو احترام ہے۔ آپ ہی کہئے جس بنا پر آپ نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا اور جس بنا پر آپ کو پاکستان

ملا تھا کیا وہ پوری بات آپ کو حاصل ہو گئی ہے؟ جہاں تک میرا خیال ہے ڈاکٹر اقبال کا مقصد ہرگز اس پاکستان سے نہیں تھا جو ہم کو حاصل ہوا ہے۔

طلوع اسلام یہ ہے وہ مقام جہاں مایوسی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

سب سے پہلے تو یہی چیز واقعہ کے خلاف ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے تجارت میں ایک مقام حاصل کر لیا تھا تعلیم میں برابر کا حصہ دار تھا۔ ہندو اس سے ہر گھڑی ڈرتا تھا اور ہر بات میں اس کا احترام کرتا تھا۔ لیکن اسے بھی چھوڑیئے کہ اس وقت کیا صورت تھی۔ دیکھئے یہ کہ آج اس ہندوستان میں جہاں ہندو کا مقام اتنا اونچا ہو گیا ہے، مسلمان کی حالت کیا ہے۔ اس کیلئے ہم سے نہ پوچھئے۔ اور نہیں تو کم از کم متحدہ قومیت کی حامی، کانگریس کی ہمنوا جمعیۃ العلماء ہند کے ترجمان روزنامہ الجمعیۃ کے فائل اٹھا کر دیکھئے آپ کو نظر آ جائیگا کہ وہاں مسلمانوں پر عرصۂ حیات کس طرح تنگ کیا جا رہا ہے اور اگر اخباروں کو بھی نہ دیکھنا ہو تو کھوکھراپار کے رستے ہوئے ناسور کو دیکھئے۔ جہاں سے ستم رسیدہ اور مفلوک الحال مسلمان کارواں در کارواں پاکستان کی طرف امنڈے چلے آ رہے ہیں۔ پاکستان میں مہاجرین کی جو حالت ہے وہ ہندوستان کے مسلمانوں سے پوشیدہ نہیں۔ آپ سوچئے کہ یہاں کے حالات کا علم ہونے کے باوجود جو مسلمان اپنا گھر بار، اعزاء و اقارب اور اثاث البیت وغیرہ چھوڑ چھاڑ ہزاروں تباہیوں اور بربادیوں کو برداشت کرتے ہوئے یہاں چلے آ رہے ہیں وہ وہاں کتنے اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہوں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی یہاں نہایت لطیف انداز سے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا تھا کہ ہم نے ہندوستان سے الگ ہو کر اپنا بڑا نقصان کیا ہے اس پروپیگنڈے کا سرچشمہ ہندوستان میں اکھنڈ بھارت کی تحریک تھی (اور اب بھی ہے) یہ پروپیگنڈا ان لوگوں کی طرف سے ہو رہا ہے جو تقسیم سے پہلے بھی تشکیل پاکستان کے مخالف تھے۔ وہ لوگوں میں مسلسل اور متواتر یہ زہر پھیلاتے چلے جا رہے ہیں۔ اور بدقسمتی سے ہمارے ارباب حل و عقد کی بوالہوسیاں اور مفاد پرستیاں ان کے اس پروپیگنڈہ کی تقویت کا موجب بنتی ہیں۔ یہی ہے وہ پروپیگنڈہ جس سے وہ سادہ لوح حضرات بھی متاثر ہو رہے ہیں جو پاکستان کے حامی تھے اور اب یہ مسلمان کا درد اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ ہم متعدد بار ارباب بست و کشاد کی توجہ اس طرف منعطف کرا چکے ہیں کہ ان کی نالائقیوں، بدعنوانیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کی وجہ سے ملک کی فضا مسموم اور مکدر ہوتی چلی جا رہی ہے اور لوگ جس مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں وہ نہایت خطرناک نتائج پر منتج ہو سکتی ہے۔ لیکن انھوں نے اس پر کان نہیں دھرا۔ اس کے باوجود ہم ملک کے ہوشمند طبقہ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر انھوں نے بھی (اپنی) خطوط پر سوچنا شروع کر دیا تو اس کا انجام کیا ہو گا۔ یاد رکھئے فلاح کی صورت یہ نہیں کہ ہم یہ کہہ کر اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں کہ پاکستان کا بنانا ہی غلطی تھا۔ پاکستان کی تحریک اسلام اور اہل پاکستان دونوں کے لئے آیۂ رحمت تھی۔ اور اب بھی پاکستان کا خطۂ ارض ان دونوں کے لئے آیۂ رحمت بن سکتا ہے بشرطیکہ ہمارا ہوش مند طبقہ ان خطوط پر سوچنا شروع کر دے کہ یہاں کی خرابیاں کس طرح دور کی جا سکتی ہیں نہ یہ کہ اسے ہندو کے حوالے کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ طلوع اسلام اور سیاست آخر میں انھوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ طلوع اسلام ہفتہ وار ہو کر دن بدن سیاسی ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ اسکے مسلک کے خلاف ہے۔

طلوع اسلام طلوع اسلام کو تو ہفتہ وار کیا ہی اسلئے گیا ہے کہ وہ سیاست حاضرہ پر قرآن کی روشنی میں تبصرہ کر سکے۔ اگر قرآن کی روشنی سیاست مدن میں ہی کوئی راہنمائی نہیں دیتی تو اس کتاب کا (معاذ اللہ) مقصد ہی کیا رہ جاتا ہے۔ قرآن یہ سکھانے کیلئے آیا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں زندگی کس طرح بسر کرنی چاہئے۔ اور اسی کو سیاست مدن کہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن اس دنیا میں جس قسم کی زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے اس سے انسان کی اگلی زندگی بھی سنور جاتی ہے۔ باقی رہا یہ خیال کہ اس طرح طلوع اسلام میں علمی مضامین کا حصہ کم ہو گیا ہے تو یہ چیز غلط فہمی پر مبنی ہے۔ آپ ان پانچ ماہ کے ہفتہ واری پرچوں کو دیکھئے۔ ان میں جس قدر علمی مضامین شائع ہوئے ہیں وہ ماہنامہ طلوع اسلام کی سال بھر کی مجموعی اشاعت سے بھی زیادہ نکلیں گے۔

حرف آخر جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے ہم نے اس خط کے اہم حصص اور ان کے جوابات کو اسلئے طلوع اسلام میں شائع کیا ہے کہ دیگر قارئین بھی ان سے مستفید ہو سکیں۔ طلوع اسلام کے ناظرین سے ہماری ہمیشہ درخواست رہتی ہے کہ طلوع اسلام میں جس عنوان پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ اسے قرآن کی روشنی میں پرکھیں اور جہاں انھیں کوئی بات قرآن سے ہٹی ہوئی نظر آئے اسے فوراً ہمارے نوٹس میں لائیں اس کے لئے ہم ان کے بدل شکر گذار ہوں گے۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبہ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳۔ کراچی

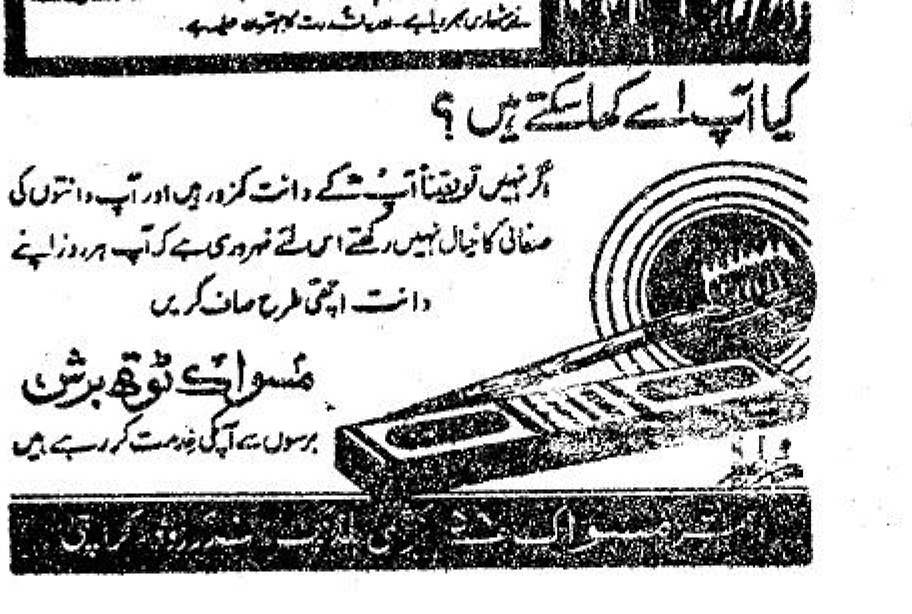

عالمِ اسلامی

عراق اور ترکی معاہدے میں پاکستان کی شمولیت کے اعلان نے شرق وسطیٰ کے دفاع کو ایک یقینی منزل میں داخل کر دیا ہے۔ اس معاہدے میں برطانیہ بھی شریک ہو چکا ہے۔ اور اسی شرکت کا نتیجہ ہے کہ برطانیہ نے عراق سے ۱۹۳۰ء کا معاہدہ ختم کر دیا ہے اور فوجی اڈے خالی کر دیئے ہیں۔ ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا کیونکہ نئی صورت حال میں عراق میں برطانوی اڈوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی نیز نئے معاہدے میں شریک ہو کر تمام معاہد ممالک کا درجہ مساوی ہو جاتا ہے۔ قومی آزادی کے نقطۂ نگاہ سے عراق کے لئے یہ بڑے نفع کا سودا ثابت ہوا ہے۔

اب پاکستان کے آنے سے معاہد اقوام کی تعداد چار تک پہونچ گئی ہے۔ پاکستان کے باقاعدہ شریک ہو جانے پر معاہدہ کی رو سے چاروں ممالک کے وزرائے خارجہ کا اجتماع ہوگا۔ جس میں دفاعی تنظیم کی تشکیل پر غور کیا جائے گا۔ گویا اب اس دفاعی سلسلہ کا دوسرا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس معاہدے میں مزید توسیع کی توقع ہے۔ ایران کے متعلق ایک عرصہ سے قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں کہ وہ اس میں شریک ہو جائے گا۔ پاکستان نے شرکت کا اعلان کیا تو طہران کی اطلاعات سے مترشح ہوتا ہے کہ حکومت ایران بھی معاہدہ کے مالہٗ و ماعلیہ پر غور کر رہی ہے۔ ایران کی شرکت صرف وقت کا سوال ہے کیونکہ ایران کی خارجہ پالیسی جس ڈگر پر جا رہی ہے وہ اس شرکت کا موید ہے۔ ایران کی راہ سے ایک اہم رکاوٹ دور ہو چکی ہے۔ یہ رکاوٹ روس کی طرف سے پیدا کی گئی تھی۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جب روس نے شمالی ایران پر قبضہ کیا تو اس نے ایران کا گیارہ ٹن سونا ہتھیا لیا تھا۔ لڑائی کے بعد سے اس گراں قدر سونے کی واپسی کے لئے مذاکرات ہو رہے تھے۔ اور گو روس اس کی واپسی کے لئے رضامند تھا۔ لیکن وہ عملاً اس میں لیت و لعل کرتا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب ایران کے مشرق وسطیٰ کے دفاع میں شریک ہونے کا امکان نظر آیا۔ تو یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ روس اس سونے کو روک لے گا اور ایران کو اس شرکت سے باز رکھے گا۔ یہ سونا بالآخر ایران کو واپس مل گیا ہے۔ اب کم از کم روس کی طرف سے کسی مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایران کے ساتھ امریکہ کے بھی اس معاہدے میں شریک ہونے کی توقع ہے۔ امریکہ کی شرکت کو بھی یقینی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اب تو برطانیہ بھی شریک ہو چکا ہے نیز امریکہ کی شرکت کے بغیر مجوزہ دفاعی تنظیم اتنی مضبوط و موثر نہیں ہو سکتی جتنی کہ ہونی چاہیئے۔ پاکستان کی شرکت کے بعد تو یہ خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں کہ امریکہ شرکت پر غور کر رہا ہے۔ لیکن امریکی حکومت کی طرف سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ اغلب یہی ہے کہ امریکہ مناسب وقت پر اپنے فیصلے کا اعلان کرے گا۔

افغانستان جسے ایسی تنظیم میں لازماً موجود ہونا چاہیئے تھا اندھا دھند دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ افغانستان مسلمان ملک ہی نہیں بلکہ جغرافیائی اعتبار سے اس کا تعلق بیرونی دنیا سے صرف پاکستان کے ذریعہ ہے۔ گویا اس کا قدرتی رجحان پاکستان لہٰذا مسلمان ممالک کی طرف ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ ان تقاضوں کو ٹھکرا کر ماسکو کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس طرح اس نے دنیائے اسلام کے لئے ایک سنگین مسئلہ پیدا کر دیا ہے کیونکہ یہ خطرہ یقینی سا ہو گیا ہے کہ وہ ممالک اسلامیہ کے لئے کمیونزم کا دروازہ ثابت ہو۔ پاکستان نے غایت درجے کے اشتعال کے باوجود بین الاقوامی قواعد کے مطابق مزید اقدام نہیں کیا۔ مزید اقدام نہ کرنے کی ...... ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترکی اور ایران مصالحت کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہر دو ممالک نے شروع میں مصالحت کی پیشکش کی تھی۔ لیکن سعودی عربیہ کے نمائندے نے مصالحت کا آغاز کر دیا اور وہ رک گئے۔ اب وہ اپنے طور پر کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایران کے سفیر متعینہ پاکستان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ وہ بڑی کوشش کر رہے ہیں کہ انقطاع تعلق تک نوبت نہ پہونچے۔ شہزادہ مساعد نے مصالحت کے لئے جتنی سرتوڑ کوشش کی وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ مصالحت کو کامیاب بنانے کے لئے پاکستان نے غیر متعلق امور تک میں مراعات دیں لیکن افغانی حکمرانوں کی ضد نے انھیں ناکام بنا دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ترکی اور ایران اس ضد کو کیسے توڑ سکتے ہیں۔ وہ کامیاب ہو جائیں تو عالم اسلامی کے لئے یہ نیک فال ہوگا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس سے پیشتر کون سی کسر رہ گئی تھی جسے ترکی اور ایران پوری کریں گے اور اس سے اہم تر سوال یہ ہے کہ وہ بھی ناکام ہوئے تو کیا ہوگا؟ بحالات موجودہ افغانستان اس سے یہی نتیجہ نکالے گا کہ اس کی خوشامد کی جا رہی ہے اور وہ بڑی مضبوط پوزیشن میں ہے۔ کیونکہ وہ کبھی ممالک اسلامیہ کو ٹکا سا جواب دے سکتا ہے۔ اگر اس کا حل نہ سوچا گیا تو مزید مذاکرات مصالحت بے سود ہی نہیں خطرناک بھی ثابت ہوں گے۔

اگر مسلمان ممالک کسی ایک مسلمان ملک کو زیادتی اور فتنے سے باز نہیں رکھ سکتے تو یہ توقع عبث ہے کہ وہ مظلوم مسلمانوں کو اغیار کے چنگل سے نجات دلوائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب اقصیٰ کے مسلمان فرانسیسی مظالم کا زیادہ سے زیادہ شکار ہوتے جا رہے ہیں اور بظاہر ان کی مصیبت کے ختم ہونے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ فرانس ناٹو کی ضروریات کو پس پشت ڈال کر وہاں سے فوجیں منتقل کر کے شمالی افریقہ میں جمع کر رہا ہے لیکن امریکہ اس کا منہ دیکھ رہا ہے۔ اسے احساس ہے کہ اس سے یورپ کا محاذ کمزور ہو گیا ہے۔ لیکن وہ فرانس کو اس سے باز نہیں رکھ سکتا۔ عرب اور دیگر مسلمان ممالک بھی زبانی جمع خرچ میں لگے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں مظلومین مغرب اقصیٰ کا اپنے آپ کو تنہا سمجھنا بالکل قابل فہم ہے۔ انہی دنوں الجزائر میں یوم ماتم منایا گیا۔ یہ یوم فرانسیسی قبضے کا ایک سو پچیسواں سالانہ دن تھا۔ دیکھا جائے تو یہ فرانسیسی قبضے کا ہی ماتم نہ تھا مسلمان حکومتوں کے صریح تغافل کا بھی ماتم تھا۔

ترکی میں ان دنوں ایک کمیونسٹ سازش پکڑی گئی ہے جسے حکومت کے بیان کے مطابق بلغاریہ کے وائس قونصل کی سرپرستی حاصل تھی۔ چنانچہ وائس قونصل کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان کے چند ایک ترک شرکائے جرم کو بھی۔ ترکی جس انداز سے کمیونزم کے خلاف دفاعی تنظیم تشکیل کر رہا ہے اور ممالک اسلامیہ کو ایک مرکز پر مجتمع کر رہا ہے۔ اس کے پیش نظر ایسی سازشوں کا ہونا بالکل قابل فہم ہے۔ لیکن غنیمت ہے کہ حکومت کی ہوشیاری سے اس کا سراغ مل گیا۔ اور اس کے سرغنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان حالات میں اس پر تعجب آتا ہے کہ ترکی کی حزب مخالف یعنی ری پبلکن پارٹی پر حکومت نے الزام لگایا ہے کہ وہ عارضی معاشی نشیب و فراز کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی ہے اور یہ مشہور کر رہی ہے کہ ملک عظیم معاشی بحران سے دوچار ہے۔ پوری تفصیل کے بغیر اس پر رائے مشکل ہے۔ لیکن اگر حزب اختلاف محض برسر اقتدار پارٹی کو بدنام کرنے کے لئے ملک کی معاشی تصویر کو اس رنگ میں پیش کر رہی ہے۔ تو وہ ملک کی خدمت بجا نہیں لا رہی بلکہ دشمنان وطن کے ہاتھ مضبوط کر رہی ہے ترکی جن خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اس میں اتحاد و یکجہتی کی زیادہ ضرورت ہے۔ وہ جمہوریت بھی مستحسن قرار نہیں دی جا سکتی جس سے ملکی مفاد کو نقصان پہنچے۔

انڈونیشیا میں ایک عجیب طرح کا ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہے۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ صدر سوئیکارنو نے میجر جنرل بوتو یو کو چیف آف اسٹاف مقرر کیا تو فوج نے ان کی تقرری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس تقریب میں اس تقرری کا اعلان ہوا۔ اس کا فوجی افسروں نے بائیکاٹ کر دیا تھا۔ گو ان کے سرغنے کو معطل کر دیا گیا ہے۔ لیکن ہنگامہ فرو نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تقرری میں وزیر دفاع کا ہاتھ تھا جو روس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ان کے بیوی بچے اب بھی روس میں رہ رہے ہیں۔ وہ پہلے ہی سے بدنام ہیں کہ فوج میں جگہ بہ جگہ اپنے آدمی لگا رہے ہیں۔ اس سے فوج میں ان کے خلاف کافی فضا پیدا ہو گئی ہے اور کوئی عجب نہیں کہ یہ مطالبہ شروع ہو جائے کہ انھیں برطرف کر دیا جائے فوج میں اس تازہ تقرری کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ اس طریق سے کمیونسٹوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ انڈونیشیا کی موجودہ حکومت کو کمیونسٹوں کی تائید حاصل ہے۔ چنانچہ اس پر الزام لگایا گیا ہے کہ آنے والے انتخابات کے پیش نظر وہ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی خصوصیت سے کوشش کر رہی ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ یہ ہنگامہ روس کے سفیر کے آنے کے بعد ہوا۔ یہ سفیر رومانیہ میں انقلاب پیدا کرنے کا سہرا حاصل کر چکا ہے۔ یہ معاملہ یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ صدر سوئیکارنو جو حج کے سلسلہ میں روانہ ہونے والے تھے اور کئی ممالک کا دورہ کر کے مکہ معظمہ پہونچنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن انھیں آخر وقت پر اپنا پروگرام غیر معین عرصے کے لئے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس ہنگامے سے پتہ چلتا ہے کہ انڈونیشی جسد سیاست میں کمیونزم کا ناسور کتنا گہرا ہے۔

بین الاقوامی جائزہ

۱۸ر جولائی سے جو چوٹی کی کانفرنس جنیوا میں منعقد ہو رہی ہے اس سے متعلق یہ توقع تو کم پائی جاتی ہے کہ جو تنازعہ فیہ مسائل عالمی کشیدگی کا باعث ہیں ان کے تصفیہ کی کوئی صورت ہو جائے گی لیکن یہ آس بالعموم لگائی جا رہی ہے کہ عالمی کشیدگی کے کم ہونے کے سامان ضرور پیدا ہو جائیں گے۔ ایسی کانفرنس کا انعقاد فی الواقعہ بین الاقوامی سیاست میں ایک سنگ میل ہے اور اس سے دور رس نتائج نکلنے کی توقع ہو سکتی ہے۔ اس کانفرنس کا خیال انگلستان کے سابق وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل کے دل میں سٹالن کی موت کے بعد آیا تھا کیونکہ انھوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اس قائد کے اٹھ جانے سے روس میں ایسی فضا پیدا ہو گئی ہے جس سے امن عالم کی برقراری کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سٹالن کے جانشینوں سے براہ راست ملاقات کر کے انھیں آزما لیا جائے۔

مغربی یورپ میں اس تجویز کو تائید حاصل ہو گئی لیکن امریکہ نے اس میں چنداں دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو وہ مصر تھا کہ جب تک روس ایسے عملی ثبوت نہیں دیتا جن سے پتہ چلے کہ وہ واقعی امن کا خواہاں ہے اس وقت تک کسی قسم کی ملاقات بے کار ہے۔ دوسرے اسے ڈر تھا کہ روس امن کا سبز باغ دکھا کر اقوام مغرب میں پھوٹ ڈلوانے کا موجب بن جائے گا۔ امریکہ کا موقف بالکل قابل فہم تھا۔ چنانچہ مغرب کی طرف سے ایک طرف یہ کوشش شروع ہو گئی کہ روس امن پسندی کا عملی مظاہرہ کرے اور دوسری طرف یہ کہ اگر روسی قائدین سے ملاقات تک نوبت آئے تو اقوام مغرب میں آپس میں کامل ہم آہنگی پیدا ہو چکی ہو۔

اس کا فائدہ اقوام مغرب کو ضرور پہنچا کیونکہ اس دوران میں انھوں نے معاہدات پیرس کی تصدیق کر کے مغربی جرمنی کی اسلحہ بندی کا بھی فیصلہ کر لیا اور اسے ناٹو کا رکن بھی بنا لیا روس نے ان معاہدات کی تصدیق سے پیشتر تو بڑے اضطراب اور غصے کا اظہار کیا اور متعلقہ اقوام کو طرح طرح کی دھمکیاں بھی دیں لیکن جب وہ ان مساعی کو بے نتیجہ نہ کر سکا تو خلاف توقع اس نے اپنی چال بدل لی۔ اب وہ قول میں مکمل طور پر اور عمل میں بہت حد تک امن پسند بن گیا۔ اس نے آسٹریا سے معاہدہ امن کی داغ بیل بھی رکھ دی حالانکہ کوئی دس سال سے بڑی طاقتوں کے اختلافات کی وجہ سے یہ معاہدہ طے نہیں ہو رہا تھا۔ اس میں البتہ اس نے یہ صورت ضرور پیدا کر لی کہ آسٹریا غیر جانبدار رہے۔ گویا اس کی حکمت عملی یہ ہو گئی کہ غیر جانبداروں کا ایک سلسلہ تیار ہو جائے تاکہ اقوام مغرب اپنی دفاعی تنظیموں میں ناکام ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا حالانکہ اسے سٹالن کے عہد میں راندہ درگاہ قرار دیدیا گیا تھا اور اس کے حق میں کبھی کلمۂ خیر نہیں کہا گیا تھا۔ لیکن لائحہ عمل کی تبدیلی کے بعد روس کے اعلیٰ قائدین بلگانن اور کروشیف بذات خود بلگریڈ گئے اور طرح طرح سے اس کی خوشامدیں کیں۔ مارشل ٹیٹو نے بعض روسی مطالبات (مثلاً یہ مطالبہ کہ سرخ چین کو اقوام متحدہ کا رکن بنا لیا جائے) کی تائید ضرور کی لیکن ابھی اس کا ثبوت نہیں مل سکا کہ وہ غیر جانبدار ہو جائیگا۔ کیونکہ ابھی تک وہ مغرب کی طرف جھکا ہوا ہے۔

یوگوسلاویہ کے بعد روس نے مغربی جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر اڈینار کو ماسکو آنے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر اڈینار وحدت جرمنی کے تو پر جوش خواہاں ہیں لیکن وہ پوری طرح مغرب کے ساتھ ہیں اور جرمنی کی اسلحہ بندی کو جس پر اقوام مغرب نے اتفاق کر لیا ہے کسی نتیجہ تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ دعوت ملتے ہی انھوں نے وضاحت کر دی کہ وہ غیر جانبدار نہیں ہونگے بلکہ بدستور مغرب کے حلیف رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی وہ امریکہ بھی گئے اور وہاں امریکی، برطانوی اور فرانسیسی قائدین سے مل کر اپنا موقف طے کر آئے ہیں۔ وہ چوٹی کی کانفرنس کے بعد ماسکو جائیں گے۔ اس کانفرنس سے ان کا راستہ بہت حد تک صاف ہو جائیگا۔

اس پس منظر میں جنیوا میں صدر آئزن ہاور وزیر اعظم فار اور وزیر اعظم ایڈن کی کانفرنس منعقد ہو گی۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے روس کے متعلق ایک یہ خیال پایا جاتا ہے کہ سٹالن کی عظیم شخصیت سے محروم ہو کر روس میں اضمحلال کے آثار پیدا ہو گئے ہیں اور اس کے نئے لیڈروں کے مابین اقتدار کی ایسی جنگ شروع ہو گئی ہے جس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے وہ مجبور ہیں کہ بیرونی طور پر امن کی فضا پیدا کریں اور اسے برقرار رکھیں۔ ظاہر ہے کہ روس اس رائے کو پسند نہیں کر سکتا۔ اسے غلط ثابت کرنے کے لئے انہی دنوں ماسکو میں ہوائی قوت کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی کمیونسٹ پارٹی کے پہلے سکرٹیری کروشیف نے اقوام مغرب کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ روس کی امن پسندی کے مظاہرے اس کی کمزوری کی دلیل نہیں لہٰذا وہ یہ غلط فہمی دل سے نکال دیں اور پورے خلوص سے امن کی بحالی کے لئے کوشش کریں تاکہ جنیوا کانفرنس سے خاطر خواہ نتائج پیدا ہوں۔ اقوام مغرب اس نظریے سے متفق تو نہیں ہو سکتیں لیکن ان کا رویہ مفاہمت پسندانہ ضرور ہے۔ خود امریکہ اس کانفرنس سے حسن ظن رکھتا ہے۔ فرانس اور برطانیہ میں تو خصوصیت سے کوشش ہو رہی ہے کہ ایسی تجاویز پہلے سے مرتب کر لی جائیں جو قائدین روس کے روبرو پیش کی جا سکیں تاکہ مفید نتائج پیدا ہو سکیں۔ وزیر اعظم ایڈن اس سلسلہ میں خاص طور پر سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ انھوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ امریکہ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے، ناٹو کو نہیں توڑیں گے اور جرمن وحدت کے لئے کوشاں رہیں گے۔ ان اصول ثلاثہ پر مفاہمت ناقابل تصور ہے البتہ باقی امور پر روس سے کھل کر بات کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے ایک تجویز تیار کر کے ماسکو بھیجی ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ روس کو یقین دلایا جائے کہ اقوام مغرب اسکے خلاف جارحیت کا کوئی خیال نہیں رکھتیں اس میں تحدید اسلحہ اور جرمن وحدت سے متعلق تجاویز ہیں ماسکو کی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اس کا اثر خوشگوار ہوا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ روس جنیوا میں جرمن وحدت کو بھی تسلیم کرے اور اس پر بھی رضامند ہو جائے کہ متحدہ جرمنی مغرب کا حلیف رہے۔ روسی قائدین کا پارہ مزاج ان دنوں کافی

گزشتہ سال کی جنیوا کانفرنس کی طرح اس کانفرنس پر بھی پنڈت نہرو کا سایہ پڑ رہا ہے۔ وہ ماسکو کا دورہ کر چکے ہیں اور اقوام مغرب کو یہ باور کرانے میں مصروف ہیں کہ وہی روسی ذہن کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ ماسکو سے ان کے اور مارشل بلگانن کے دستخطوں سے جو مشترکہ اعلامیہ شائع ہوا ہے اس میں پنچ شیلا[1] کا خصوصی ڈھنڈورہ پیٹا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان نے روسی مطالبات ہی کی تائید کی ہے۔ اندرون ہند اس دورے نے عجیب فضا پیدا کر دی ہے۔ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی اپنی پالیسی کو اس کے مطابق کر رہی ہے۔ چنانچہ وہ بین الاقوامی معاملات میں پنڈت نہرو کی تائید کرے گی کیونکہ وہ روسی حکمت عملی کے مؤید ہوں گے اور اندرون ملک ان کی مخالفت کرے گی کیونکہ وہ بہر حال اپنے اقتدار کا راستہ صاف کرے گی۔ گویا بیرون ملک تو پنڈت جی از خود روسی حلقہ اثر میں جا رہے ہیں اور اندرون ملک کمیونسٹ پارٹی کمیونزم کے حق میں فضا تیار کرے گی۔ اس سے لامحالہ کمیونزم کو فروغ ہوگا۔ یہ وہ خطرہ ہے جسے پاکستان نظر انداز نہیں کر سکتا۔ پنڈت جی نے ہوس قیادت میں اپنے ملک کے لئے تو مصیبت پیدا کی تھی وہ ہمارے لئے بھی یہ خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔

پنڈت جی دنیا بھر کو امن کا پیغام دے رہے ہیں لیکن اپنے گھر میں یہ حالت ہے کہ سکھوں اور مسلمانوں جیسی اہم اقلیتوں کو امن و عافیت میسر نہیں۔ سکھوں کو پنجابی صوبے کا مطالبہ کرنے کے جرم میں جو سزا دی جاتی سو دی جاتی انھیں یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ اسکے حق میں نعرے لگا سکیں۔ چنانچہ انھوں نے نعرے لگانے کا حق تسلیم کرانے کے لئے مورچہ لگا رکھا ہے۔ یہ تحریک دو ماہ سے جاری ہے اور اب تک ہزاروں سکھ گرفتار ہو چکے ہیں۔ ....

[1] پنچ شیلا یا پانچ اصول یہ ہیں (۱) ایک دوسرے کی آزادی کا احترام (۲) عدم جارحیت (۳) دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت (۴) برابری اور باہمی امداد (۵) پرامن بقاء باہم۔ یہ وہ پانچ اصول ہیں جو تبت سے متعلق ہندوستان اور چین میں سمجھوتے کے دوران میں وضع ہوئے تھے انہی اصولوں کی بنا پر ہندوستان کو چین نے تبت سے بیدخل کر دیا تھا۔ لیکن اس پسپائی کو چھپانے کیلئے پنڈت جی نے انھیں "امرت دھارا" ہی بنا لیا اور جگہ جگہ اسکا چرچا کرتے پھرتے ہیں۔

مشرقی پنجاب کی حکومت کی یہ حالت ہے کہ اس کی کابینہ ہمہ وقت صورت حال پر غور کرتی رہتی ہے۔ ہر چند یہ تحریک پرامن تھی اس کے باوجود پولیس پچھلے دنوں رضاکاروں سے متصادم ہوگئی۔ اس نے فائرنگ کر کے دربار صاحب امرتسر کو گھیرے میں لے لیا۔ چنانچہ اب تک دربار صاحب پر پولیس کا قبضہ ہے اور سکھوں کے چار کے چار روزناموں کو سربمہر کر دیا ہے چنانچہ اس وقت سکھوں کا کوئی اخبار نہیں چلتا۔ حکومت کی اس زیادتی کا اثر یہ ہوا ہے کہ جو سکھ اب تک مورچے کے حق میں نہیں تھے۔ وہ بھی اس کے مؤید ہوگئے ہیں۔ وہ یہ بھی مطالبہ کر رہے ہیں کہ پولیس کے تشدد کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے۔ اور مجرموں کو سزا دی جائے

حکومت کے رویہ میں ابھی تک نرمی کے آثار نظر نہیں آتے اور سکھ تحریک زور پکڑتی جارہی ہے۔

مسلمانوں پر مظالم تو معمول بن چکے ہیں۔ چنانچہ تازہ اطلاع ہے کہ بنگلور کے دس ہزار مسلمانوں کو محکمہ کسٹوڈین کی طرف سے نوٹس جاری کر دیئے گئے ہیں کہ انھیں کیوں نہ تارک وطن قرار دیا جائے۔ بیٹھے بٹھائے مسلمانوں کو گھروں سے ہی نہیں بلکہ وطن سے باہر نکال دینا پنڈت نہرو کی حکومت کے لئے ہی باعث فخر ہو سکتا ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا میں جنوبی ویٹ نام کا ہنگامہ ابھی فرو نہیں ہوا۔ وزیر اعظم ڈیم کا پلڑا بھاری نظر آرہا ہوگیا ہے۔ اور وہ اپنے حریفوں کو شکست دیئے چلے جارہے ہیں لیکن ان کی مشکلات میں کمی کی توقع بے سود ہے۔ وہ ہواہاؤ کو قریباً شکست دے چکے تھے کہ انقلابی کمیٹی نے انھیں الٹی میٹم دے دیا کہ حکومت کو برطرف نہ کیا گیا تو وہ بغاوت کر دے گی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اس سے کیا صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اس کی پڑوسی ریاست لاؤس میں پھر سے بدامنی شروع ہو گئی ہے یہ بدامنی کمیونسٹوں نے پیدا کی ہے۔ ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ باغی کمیونسٹ ملک میں باہر سے داخل ہوئے ہیں یا اندر سے ہی حکومت کے خلاف صف آرا ہوگئے ہیں امر واقعہ کچھ بھی ہو اس سے سیٹو اقوام کے لئے دردسر ضرور پیدا ہوجاتا ہے کیونکہ یہ علاقہ سیٹو کے حلقہ اثر میں ہے۔

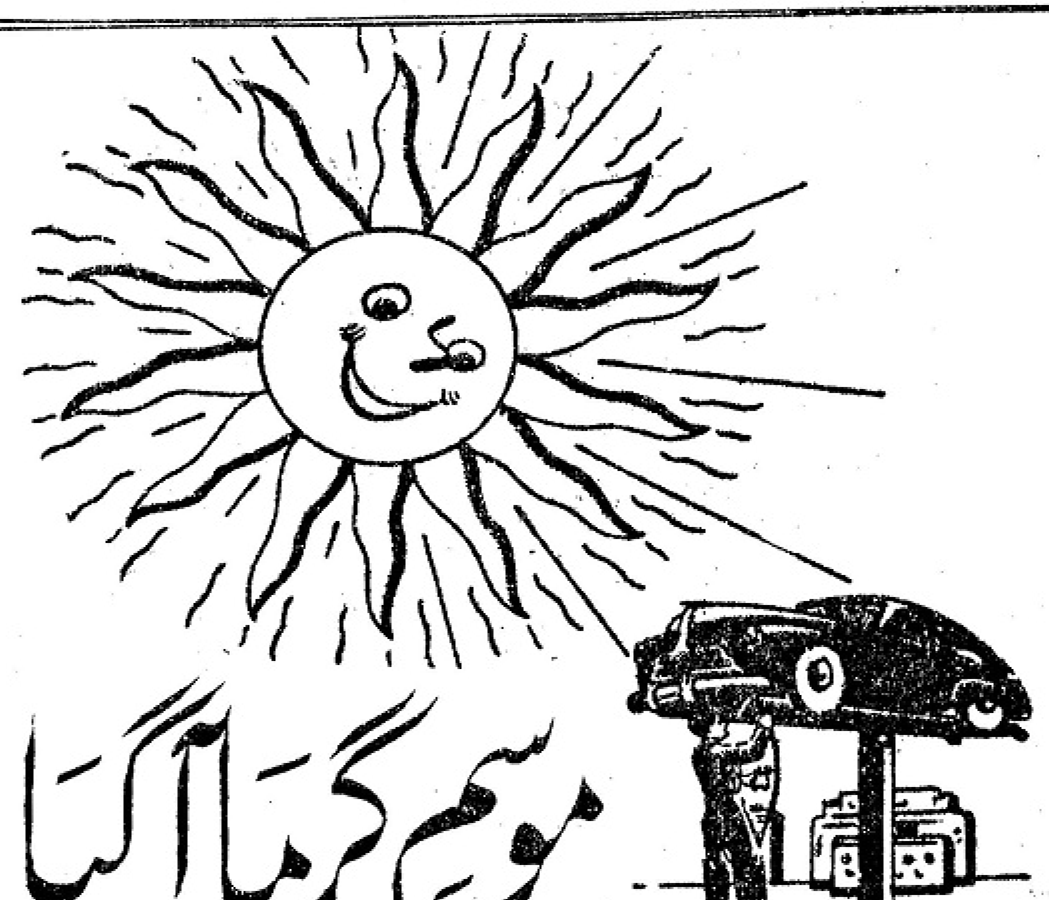

موسم گرما آگیا

یہی وقت ہے کہ مارفک لبری ٹیکشن کے ذریعہ آپ اپنی موٹر کو گرمی کے مضرت رساں اثرات، گرد اور ریت سے محفوظ رکھیں مارفک لبری ٹیکشن سروس پر باقاعدگی کے ساتھ عمل کرنے سے آپ کی موٹر کی زندگی میں خواہ وہ نئی ہو یا پرانی اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور وہ بہتر طریقے پر چلے گی۔ اس "سسٹم" کے مرتب کرنے اور ترقی دینے کی غرض یہ ہے کہ آپ کی موٹر کو مناسب وقفوں پر صحیح طریقہ پر کالٹکس لبری کنیٹس سے چکناہٹ حاصل ہوتی رہے۔ لبری کنیٹس اعلیٰ کارکردگی اور طویل سروس فراہم کرنے کے لئے خصوصی طور پر تیار کئے جاتے ہیں۔ جو اتفاقی طور پر نہیں بلکہ چارٹ کے ذریعہ تربیت یافتہ میکینکس استعمال کرتے ہیں (چارٹ سے مراد آپ کی موٹر کے لئے وہ خصوصی نقشہ یا خاکہ ہے جس میں لبری کیشن کے پوائنٹس، گریس، نیپلز وغیرہ دکھائے گئے ہیں، اور موزوں کالٹکس لبریکنٹ اور اس کے طریق استعمال کی وضاحت کی گئی ہے)

کالٹکس لبری ٹیکشن سروس کے لئے اپنے خوش خلق ڈیلر سے آج ہی تعین وقت کرلیں

آپ کی موٹر زیادہ خاموشی اور سکون کے ساتھ چلے گی۔ سفر میں آرام حاصل ہوگا اور موٹر کی زندگی میں اضافہ ہوگا

کالٹکس
پٹرولیم پروڈکٹس

مارفک
MARFAK
Lubritection
لبری ٹیکشن

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں۔

★ ★ ★

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے؟ ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

ہر فرد کی عقل

کا تقاضا اس کے اپنے مفاد کا تحفظ ہے۔
اسی طرح
ہر قوم کا تقاضا اس قوم کے مفاد کا تحفظ ہے۔

نہ فرد کی عقل

کسی دوسرے فرد کا مفاد سوچ سکتی ہے اور نہ

قوم کی عقل

کسی دوسری قوم کے مفاد کا خیال رکھ سکتی ہے۔ لہذا

فرد یا قوم

کے بس کی بات نہیں کہ وہ نوعِ انسانی کے مفاد کے لئے
کوئی نظام وضع کرے۔
ایسے نظام کا سر چشمہ وحی ہے۔

وحی کا عطا کردہ نظام کیا ہے؟

اسے

☆ نظامِ ربوبیت ☆

(از - پرویز)

میں ملاحظہ کیجئے۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھ روپے
قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ۔ چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۲ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM

جلد نمبر ۸ شمارہ ۲۰ | کراچی: ہفتہ ۔ ۲۳ ۔ جولائی ۱۹۵۵ء | قیمت چار آنہ سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

سابقہ قسط میں بتایا جاچکا ہے کہ قرآن نے تمام مسلمانوں کو ''امت واحدہ'' (ایک قوم۔ ایک ملت۔ ایک امت) قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امت ایمان کی بنیادوں پر متشکل ہوتی ہے جسے دور حاضرہ کی اصطلاح میں آئیڈیالوجی کہتے ہیں۔ جب کسی قوم کی بنیاد آئیڈیالوجی پر ہو تو اس میں رنگ۔ نسل۔ زبان۔ وطن وغیرہ کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ دنیا کے کسی کونے کا انسان جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرتا ہو۔ اس قوم کا فرد بن جاتا ہے اور خود اپنے گھر کا آدمی جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرے۔ اس برادری سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبش کا بلال۔ روم کا صہیب اور ایران کا سلمان (رض) تو اس کی امت کے افراد تھے لیکن خود مکہ کا ابوجہل اس برادری سے خارج تھا۔ اسی بنیادی وحدت کے پیش نظر۔ قرآن نے اس برادری کے افراد کو یا ایہا الذین آمنوا کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی وہ تمام افراد جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس آئیڈیالوجی کی تفصیل تو طول طویل ہے لیکن مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد رسالت محمدیہ پر ایمان ہے۔ ہم محمد رسول اللہ (ص) پر ایمان لانے سے اس امت کے فرد بنتے ہیں۔ اور خدا کا جو پیغام حضور نے نوع انسانی تک پہنچایا ہے۔ اس کے ساتھ متمسک رہنے سے یہ امت باقی رہتی ہے۔

شمع فلمی بک اسٹال
نزد سنیما بندر روڈ کراچی

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. [illegible]
2. [illegible]
3. [illegible]
4. [illegible]
5. [illegible]
6. [illegible]
7. [illegible]
8. [illegible]

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

[illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ شعاع امید ★ قرآن و سنت ★ چوٹی کی کانفرنس ★ خان عبدالغفار خان ★ سکہ موجودہ
★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت ★ معتزلہ ★ باب المراسلات ★ نقد و نظر
★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی جائزہ ★ بزم طلوع اسلام ★ وشید وزارت ★ نہرو کی وضاحت

As. -/4/-

آپ مطالبہ تو کرتے ہیں

که پاکستان کا دستور اسلامی ہونا چاہیئے۔ اور اب جبکہ نئی مجلس دستور ساز منتخب ہوکر آئین سازی کا کام شروع کرنے والی ہے۔ عام طور پر کہا جانے لگا ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ لیکن

اسلامی دستور ہے کیا؟
اور وہ کہاں مل سکتا ہے؟

طلوع اسلام نے اپنی بصیرت کے مطابق قرآن کی روشنی میں

قرانی دستور پاکستان

کا مسودہ پیش کیا ہے۔

اس ۲۲۴ صفحات کی کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حکومت اور مولوی صاحبان کے پیش کردہ مسودے کیوں غیر قرآنی ہیں۔ اسطرح یہ کتاب آئین کے متعلق مباحث کا ایک جامع اور بیش بہا مجموعہ بن گئی ہے۔ اس کا مطالعہ آئین اور اسلام دونوں کے طالب علموں کیلئے ناگزیر ہے۔

صفحات ۲۲۴

قیمت دو روپے آٹھ آنے

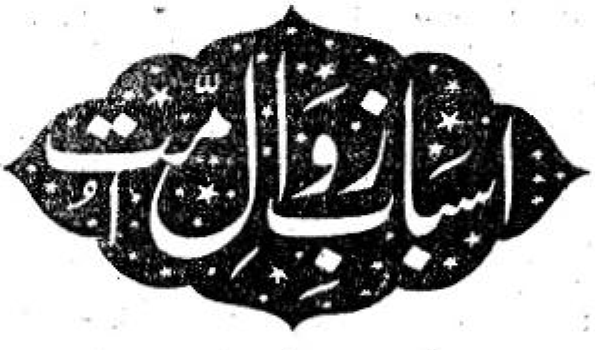

قیمت ۱/۸/- روپیہ

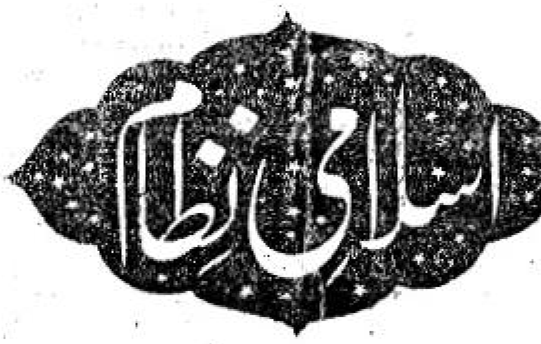

قیمت ۲/-/- روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی ۲

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸	کراچی ۲۳ر جولائی ۱۹۵۵ء	نمبر ۲۵

شعاعِ امید

نوتشکیل مجلس دستور ساز کے پہلے ہی اجلاس میں جس تشتتِ فکر و نظر کا مظاہرہ ہوا وہ ہر قلبِ بیدار کو اضطراب آگیں بنا رہا تھا۔ اور رہ رہ کر یہ سوال زبان پر آرہا تھا کہ

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

لیکن وہ جو اقبال ہی نے کہا ہے کہ ستاروں کی تنک تابی دلیلِ صبح روشن بن جاتی ہے۔ اس مجلس کے برخاست ہونے کے بعد ایک ایسی خبر موصول ہوئی ہے کہ اگر وہ حقیقت پر مبنی ہے (اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو) تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ یہی ایک چیز اراکین مجلس کی ان کوتاہیوں کا اور تنگ نظریوں کا کفارہ بن سکتی ہے جو ان سے مجلس کے مختصر سے اجلاس کے دوران سرزد ہوئیں۔ اطلاع یہ ہے کہ مسلم لیگ، عوامی لیگ، اور متحدہ محاذ کی تینوں جماعتوں کے سربرآوردہ حضرات نے اس امر پر تحریری اتفاق کر لیا ہے کہ

(۱) مغربی اور مشرقی پاکستان کے صوبوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دے کر مرکز میں صرف تین امور دفاع، امور خارجہ اور مالیات رکھے جائیں۔ اور

(۲) مغربی پاکستان کی ایک وحدت بنا دی جائے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ ہم سے متفق ہوں گے کہ اگر یہ اطلاع صداقت پر مبنی ہے۔ تو یہ بہت بڑا مرحلہ ہے جو طے ہو گیا۔

مسلمانوں کا باہمی اتحاد بلکہ ائتلاف کے متعلق طلوع اسلام کا جو مسلک ہے۔ وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں۔ قرآن نوعِ انسانی کو ایک عالمگیر برادری قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کی عملی تشکیل کے لئے وہ ایک ایسی بین الاقوامی امت کا وجود ناگزیر سمجھتا ہے جو نوعِ انسانی کے اس اتحاد پر ایمان رکھتی ہو اور اس کی بنیاد اسی ضابطۂ حیات پر قرار دیتی ہو۔ جو خدا کی طرف سے قرآن کی شکل میں انسانوں کو ملا۔ اس امت کا نام امتِ مسلمہ ہے۔ قرآن نے اسے امتِ واحدہ قرار دیا ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی افتراق اور انتشار، کوئی اختلاف اور امتیاز نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی وحدتِ ملت کے بنیادی تصور کی رو سے طلوع اسلام نے شروع ہی میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ تمام پاکستان کا اندازِ حکومت وحدانی (UNITARY) ہونا چاہیئے۔ اس وقت ہمارا خیال تھا کہ ان دعاوی کی رو سے جن کی بنیادوں پر ہم نے پاکستان حاصل کیا تھا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے مسلمان اسلامک آئیڈیالوجی (ISLAMIC IDEOLOGY) کی بنا پر در حقیقت ایک قوم بن چکے ہیں۔ لیکن بعد کے واقعات نے ایسے تلخ حقائق کا انکشاف کیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارا یہ خیال غلط تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان علاقوں کے باشندوں کو ایک ملت کے افراد بنانے کے لئے جن عملی تدابیر کی ضرورت تھی وہ بروئے کار نہیں لائی گئی تھی۔ اس لئے ان میں بُعد بھی تھا اور بدقسمتی سے بداعتمادی بھی۔ چونکہ طلوع اسلام سطحی جذبات کی رو میں نہیں بہتا بلکہ ٹھوس حقائق کا سامنا کرتا ہے۔ اس لئے اس نے اس معاملہ میں بھی حقیقت کا اعتراف کیا۔ اور اس کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے دونوں علاقوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے۔ اور مرکز میں صرف انہی دو چار امور کو رکھا جائے۔ جو ان دونوں کے اشتراکِ مقصد کے لئے ناگزیر ہوں۔ طلوع اسلام ایک عرصہ سے اپنی اس تجویز پر زور دیتا چلا آرہا تھا۔ اگر مذکورہ صدر اطلاع صحیح ہے۔ تو اس سے آئین سازی کا بنیادی مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

جہاں تک مغربی پاکستان کی وحدت کا تعلق ہے، قارئین کو یاد ہوگا کہ یہاں کے مختلف صوبوں کو ملانے کی آواز سب سے پہلے طلوع اسلام ہی کی طرف سے بلند ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انگریز کے زمانے کے نظم و نسق کی مصلحتیں اس علاقے میں صوبائی حد بندیاں نہ کرتیں تو یہ پورے کا پورا علاقہ ایک ملک، اور یہاں کے بسنے والے ایک ہی قوم متصور ہوتے، کسی کو یہ خیال تک بھی نہ گذرتا کہ یہ الگ الگ ٹکڑے ہیں۔ اور ان میں بسنے والے الگ الگ گروہ۔ وحدتِ مغرب کی تجویز ایسی خوش آئند اور مسعود و مبارک تھی کہ اس سے کسی کو بھی اختلاف نہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ہمارے ہاں ایسی ذہنیتوں کے حامل موجود ہیں جو اپنے "تنگ نظرانہ مفاد" کو مملکت کی ہمہ گیر اور کلی مصلحتوں پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے اس قسم کی اختلافی آوازوں کا بلند ہونا ناگزیر تھا۔ یہ آوازیں قریب قریب ختم ہو چکی تھیں لیکن صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید کی ڈرامائی قلابازی اور خان عبدالغفار خاں کی دیرینہ پاکستان دشمنی اور ہندو نوازی نے اس چنگاری کو بھڑکانے کی کوشش شروع کر دی ہیں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ اگر مذکورہ صدر تینوں پارٹیوں کے ذمہ دار حضرات نے وحدتِ مغرب پر تحریری اتفاق کر لیا ہے تو ان حضرات کی مذموم کوششیں بار آور نہیں ہو سکیں گی۔

بہرحال ہمارے نزدیک یہ دونوں مسائل (وحدتِ مغرب اور مغربی اور مشرقی پاکستان کے علاقوں کی زیادہ سے زیادہ خود مختاری) ایسے اہم سوالات ہیں، جن کا تعلق مملکت پاکستان کی پستی اور بلندی ہی سے نہیں بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو اس کی زندگی اور موت سے ہے۔ جو حضرات ان کے حل میں کچھ بھی کوشش کریں گے وہ مملکت پاکستان کے حقیقی بہی خواہ اور ہماری آنے والی نسلوں کے ہمدرد اور محسن قرار پائیں گے اور جو اس کے خلاف کوشش کریں گے۔ آنے والے مورخ انھیں اس زمرے میں شامل کریں گے جس میں شمولیت کسی انسان کے لئے بھی فخر اور مسرت کا باعث نہیں ہوا کرتی۔

ذرا سوچ کر فیصلہ کیجئے!

جیسا کہ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں تنزل کی حالت میں قوموں کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ زندگی کا کوئی معاملہ پیش ہو وہ اسے غور و فکر سے حل کرنے کی بجائے سطحی جذبات کے سپرد کر دیتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے مسائل حل ہونے کے بجائے اور زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ آپ اس ضمن میں اس ایک مثال کو لیجئے جس کی رو سے طلوع اسلام کو تمام ملک میں اس قدر بدنام کیا جا رہا ہے کہ جو اس کے ذرا بھی قریب آجائے۔ اس کی دنیا اور عاقبت دونوں خراب ہو جائیں گی۔ طلوع اسلام کا وہ کون سا جرم ہے جس کی پاداش میں اسے اس طرح گردن زدنی قرار دیا جا رہا ہے۔ اس کے متعلق آج تک کسی نے علم و برہان کی رو سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ بس ایک اصطلاح ہے "منکر حدیث" جس سے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کے متعلق جو کچھ طلوع اسلام کہتا ہے اس میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو خود ان لوگوں کے ہاں نہ پائی جاتی ہو جو اپنے آپ کو حامیٔ سنت اور طلوع اسلام کو منکر حدیث اور (معاذ اللہ) منکرِ شانِ رسالت قرار دینے میں سب سے پیش پیش ہیں۔ اس باب

میں ہمارا سب سے بڑا جرم یہ قرار دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ تجویز کیا تھا کہ پاکستان کے آئین کے متعلق یہ طے ہونا چاہیئے کہ اس کا مدار کتاب اللہ پر ہوگا۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ اس کا مطلب کیا تھا۔ ہم ارباب بست وکشاد سے کہہ یہ رہے تھے کہ آپ ایک ایسے ملک کے لئے اسلامی آئین مرتب کرنے کا کام لے کر اٹھے ہیں جس میں (مسلمانوں میں) مختلف عقائد اور مختلف مسالک کے لوگ بستے ہیں۔ ان تمام مختلف الخیال لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کسے کہتے ہیں۔ ان سب کے نزدیک کتاب اللہ وہی قرآن کریم ہے جو مسلمانوں کے تمام گھروں میں موجود ہے۔ لیکن "سنت رسول اللہ" کیا ہے؟ اس کے متعلق کوئی دو فرقے بھی متفق الخیال نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ آئین پاکستان کا مدار "کتاب وسنت" پر ہوگا تو اس کے بعد فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ "سنت" کہاں سے ملے گی۔ یعنی وہ کونسی کتاب ہے جس کے متعلق کہا جائیگا کہ جو کچھ اس کے اندر درج ہے وہ "سنت رسول اللہ" ہے اور پاکستان کا آئین اس کے مطابق ہوگا۔ ہم نے کہا تھا کہ جب تک آپ پہلے اس سوال کا جواب متعین نہ کرلیں، یہ نہ کہیے کہ پاکستان کا آئین "کتاب وسنت" کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا کردیا تو یہاں کا ہر فرقہ یہ کہے گا کہ "سنت" وہ ہے جسے ہم سنت کہیں۔ اور اس طرح یہ آئین بنیادی طور پر ہی اختلافات کا اکھاڑہ بن جائے گا۔ اور آپ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکیں گے

اس کے جواب میں کہا گیا کہ ملک کے ۳۱ علماء نے (جو مختلف فرقوں سے متعلق ہیں) یہ ریزولیشن پاس کردیا ہے کہ ملک کا آئین کتاب وسنت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اس میں اختلاف کی کہاں گنجائش ہے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ ان اکتیس علماء میں سے ہر ایک کے نزدیک سنت وہی ہے جسے اس کا فرقہ سنت سمجھتا ہے اس لئے جب معاملہ عملی تشکیل کا آئے گا، تو اس وقت آپ دیکھیے گا کہ "سنت" کے مفہوم کے متعلق کس قدر اختلافات سامنے آتے ہیں واضح رہے کہ ہمارا کہنا یہ نہیں کہ یہ اختلافات اس باب میں ہوں گے کہ فلاں سنت کی صحیح تعبیر یا تفسیر کیا ہے۔ اختلاف اس میں ہوگا کہ "سنت" کہتے کسے ہیں اور فلاں چیز "سنت" ہے یا نہیں ہے۔ اس کا جواب سوائے استہزاء اور طعن وتشنیع کے کچھ نہ دیا گیا۔

لیکن خدا کی شان دیکھیے کہ اس وقت سے بہت پہلے ان اختلافات کا سلسلہ ابھر کر سامنے آگیا کہ ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ طلوع اسلام سچ کہتا تھا (جیسا کہ ہم نے لکھا ہے) طلوع اسلام کو ایک "فتنہ" قرار دینے اور اپنے آپ کو حدیث اور سنت کا سب سے بڑا حامی جتلانے میں جماعت اسلامی سب سے پیش پیش تھی۔ اب اسی جماعت کے امیر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے خلاف حدیث وسنت کی متبع جماعتوں اور افراد کی طرف سے یہ مہم جاری ہے کہ حدیث اور سنت کے متعلق ان کا مسلک خود متبعین سنت کے مطابق نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا احمد علی صاحب، لوائے پاکستان، جمعیت اہلحدیث اور الاعتصام میں آجکل جو بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مودودی صاحب سنت کا جو مفہوم پیش کرتے ہیں وہ ان حضرات کے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں۔ بلکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ مودودی صاحب نے ائمہ کرام کی سخت توہین کی ہے۔ اور مودودی صاحب اس پر مصر ہیں کہ سنت کا جو مفہوم وہ پیش کر رہے ہیں وہ بالکل صحیح اور اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔

آپ سوچیے کہ اگر آئین پاکستان میں یہ شق رکھ دی جائے کہ اس کا مدار "کتاب وسنت" پر ہوگا؟ اور اس کے بعد یہ سوال پیدا ہو کہ سنت کسے کہتے ہیں تو مودودی صاحب اور ان کے مخالفین میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہی کچھ اس وقت نہیں ہوگا؟

اس کے جواب میں کہا یہ جاتا ہے کہ خود قرآن کریم کی تفسیر میں بھی تو اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس بات پر بھی آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ سوال تفسیر میں اختلاف کا نہیں سوال یہ ہے کہ کتاب اللہ کے متن (TEXT) میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ قرآن کی کسی آیت کے متعلق یہ تو کوئی نہیں کہیگا کہ یہ کلام اللہ نہیں ہے۔ لیکن سنت کے متعلق خود متن (TEXT) میں اختلاف ہے، اس وقت جمعیت اہل حدیث اور مودودی صاحب میں مابہ النزاع مسئلہ یہی ہے کہ جمعیت کے نزدیک بخاری شریف کی تمام احادیث بالکل صحیح ہیں اور سنت رسول اللہ انہی پر مشتمل ہے۔ یعنی جو کچھ بخاری شریف میں بیان کیا گیا ہے وہ سنت رسول اللہ ہے۔ لیکن مودودی صاحب کہتے ہیں کہ بخاری شریف کی سب حدیثیں صحیح نہیں ہیں انھیں حق حاصل ہے کہ وہ ان احادیث کو پرکھیں اور جنھیں صحیح نہ سمجھیں انھیں رد کردیں۔ یہ نزاع سنت کی اس کتاب کے متعلق ہے جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھا جاتا ہے اور احادیث کے تمام مجموعوں میں جس کا مرتبہ سب سے بلند قرار دیا جاتا ہے۔ اس مجموعہ میں بھی مودودی صاحب کے نزدیک ایسی احادیث ہیں جنھیں رسول اللہ کی احادیث نہیں مانا جاسکتا۔

ان حالات کے پیش نظر آپ سوچیے کہ جب پاکستان کے آئین کی بابت یہ فیصلہ کرلیا جائے گا کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہوگا۔ تو اس کے بعد اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ فلاں بات سنت ہے یا نہیں؟ مودودی صاحب یا جمعیۃ اہلحدیث؟

یہ تھی وہ عملی مشکل جس کے پیش نظر طلوع اسلام نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ آئین میں صرف قرآن کریم کا ذکر کیجئے۔ جس کے متعلق تمام فرقے متفق ہیں کہ قرآن اسے کہتے ہیں۔ یہ ہے اس کا وہ جرم جس کی بناء پر اسے نہ معلوم کیا کیا قرار دیا گیا اور دیا جارہا ہے۔ اس طلوع اسلام کو جس کی ساری عمر اس حقیقت کبریٰ کے اعلان وتبلیغ میں گذر گئی کہ اس آسمان کے نیچے رسالت محمدیہ پر ایمان کے بغیر نجات وسعادت کی کوئی راہ نہیں۔

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!

خان عبدالغفار خاں کے داخلہ سرحد سے متعلق کسی کی رائے کچھ ہی کیوں نہ ہو، جس طریق سے ان پر سے پابندی ہٹائی گئی ہے وہ کسی ایسے شخص کے لئے باعث اطمینان نہیں ہوسکتا جو قاعدے اور قانون کو کچھ بھی اہمیت دیتا ہو۔ (واضح رہے کہ ہم اس وقت اس امر سے بحث نہیں کر رہے ہیں کہ پابندی ہٹانی چاہیئے تھی یا نہیں ہم صرف اس طریق سے بحث کر رہے ہیں جس کے مطابق اس پابندی کے ہٹنے کا تماشا سامنے آیا) ۱۲ر جولائی کو مجلس دستور ساز میں ارکان کے حقوق ومراعات پر بحث ہو رہی تھی کہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید خاں اٹھے اور انھوں نے زیر بحث مسئلہ پر گفتگو کرنے کی بجائے یہ بیان کرنا شروع کردیا کہ ان کے صوبے میں گزشتہ دو سال میں کسی ایک فرد کو بھی سیاسی وجوہات کی بناء پر جیل میں نہیں ٹھونسا گیا۔ البتہ صرف ایک استثنائی معاملہ خان عبدالغفار خاں کا ہے جن کی حرکات پر پابندی عائد ہے لیکن وہ پابندی صوبائی حکومت کی طرف سے نہیں بلکہ مرکز کی طرف سے ہے۔ جہاں تک ان کا تعلق ہے انھیں خان صاحب کے داخلہ سرحد پر کوئی اعتراض نہیں۔ اخباری اطلاع کے مطابق انھوں نے پاکستان کے وزیر داخلہ کو چیلنج سا دے کر اس پر مجبور کردیا کہ وہ بولیں اور تسلیم کریں کہ اس کی ساری ذمہ داری تنہا مرکز پر عاید ہوتی ہے۔ اس پر وزیر قانون مسٹر سہروردی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ یہ قرین دانش نہیں کہ ایک وزیر دوسرے وزیر کو ایسے مسئلہ سے متعلق بولنے پر مجبور کرے جو ایوان کے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن اس انتباہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ جنرل اسکندر مرزا اٹھے اور انھوں نے ڈرامائی انداز سے اعلان کیا کہ انھیں صوبائی وزیر اعلیٰ سے پہلی بار یہ سن کر خوشی ہوئی کہ انھیں خان عبدالغفار خاں کے داخلہ سرحد پر کوئی اعتراض نہیں لہٰذا یہ پابندی ختم کی جاتی ہے۔ اجلاس کے بعد وزیر داخلہ نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ مرکز نے پابندی صوبائی حکومت کے اصرار پر عاید کی تھی

خان عبدالغفار خاں پر پابندی مرکز نے از خود لگائی تھی یا صوبائی حکومت کی سفارش پر ایسا کیا گیا تھا۔ یہ علیحدہ سوال ہے لیکن یہ ایسا نازک معاملہ تھا جسے دو متعلقہ وزیروں کو یوں برسر عام زیر بحث نہیں لانا چاہیئے تھا۔ اگر سردار رشید کو مرکز کے فیصلے پر ایسا ہی اعتراض تھا تو انھیں مناسب دفتری طریق سے مرکز پر واضح کرنا چاہیئے تھا کہ اس کا فیصلہ غلط ہے۔ یا اب وہ سمجھتے ہیں کہ اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمیں افسوس ہے کہ انھوں نے ایک غیر متعلق موضوع کو مجلس دستور ساز میں چھیڑ کر ذمہ داری اور احتیاط کی کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی۔ اگر بغرض استدلال یہ تسلیم کیا جائے کہ انھوں نے مرکز کو لکھا تھا کہ وہ اس پابندی کو ختم کردے۔ لیکن مرکز نے اس پر توجہ نہیں دی تو بھی ان کو حکومتی مشینری کا ایک پرزہ ہونے کی حیثیت سے ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے تھی جو دفتری نظم ونسق کے مسلمہ قواعد کی صریح خلاف جاتی تھی۔ انھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ان کے متعلق یہ افواہیں مشہور ہو رہی تھیں کہ وہ درپردہ خان غفار خاں سے ساز باز کر رہے ہیں اور اپنے سابقہ موقف کو بدل کر وحدت مغربی کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے ہیں۔ یہ ڈرامہ کھیلنے کے بعد گو انھوں نے اول الذکر افواہ کی صحت سے انکار کردیا۔ لیکن آخر الذکر سے متعلق سکوت اختیار کر کے انھوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی گنجائش پیدا کردی کہ وہ خان صاحب موصوف سے رشتہ جوڑ کر ایک یونٹ کے مخالف بن چکے ہیں۔ جہاں تک ان کی اپنی

زندگا کر ایک یونٹ کے مخالف بن جانے کا تعلق ہے۔ وہ ایک علیحدہ بحث ہے۔

اگر صوبائی وزیر اعلیٰ نے نیم پختہ سیاستداں کے کردار کا مظاہرہ کیا تو وزیر داخلہ نے بھی تدبیر امور کی کوئی مستحسن شان قائم نہیں کی۔ ایسا نظر آتا ہے کہ انھوں نے اشتعال میں آکر وقتی طور پر ہی میں وہ فیصلہ کر لیا جس کے وہ دل سے خواہاں نہیں تھے۔ مانا کہ سردار رشید کا عمل غیر ذمہ دارانہ تھا۔ یہ بھی تسلیم کہ انھوں نے مرکز کو غلط پوزیشن میں ڈال دیا۔ لیکن مرکز کے وزیر داخلہ کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ جذبات میں بہ کر ایسے اقدام کا اعلان کرتے جس کے نتائج سے متعلق بجا طور پر تشویش ہو سکتی ہے۔ خان غفار خاں کے بیانات سے متعلق جنرل اسکندر مرزا نے جب چند ہی روز قبل یہ اعلان کیا تھا کہ ان کے بیانات کو کابل ریڈیو اپنے پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرتا ہے تو قوم نے بجا طور پر ان کی تائید کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ کشمیر اور افغانستان کے بارے میں انھوں نے جو غیر ذمہ دارانہ بیانات دیئے تھے۔ ان کے پیش نظر بعض حلقوں میں ان کی گرفتاری تک کی افواہ پھیل گئی تھی۔ لیکن چونکہ وزیر اعلیٰ سرحد نے ایک نازیبا حرکت کر دی اس لئے وزیر داخلہ نے بھی "آؤ دیکھا نہ تاؤ" جھٹ سے خان صاحب پر سے پابندی ہٹا دی۔ اگر وہ سردار رشید کے بیان کے بعد اس پابندی کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں دیکھتے تھے۔ تو انھیں چاہیئے تھا کہ ذرا توقف کر کے معاملہ کو کابینہ میں پیش کرتے اور شرکائے حکومت سے استصواب کرنے کے بعد کسی فیصلہ پر پہونچ کر مروجہ قواعد سے اس کا اعلان کرتے۔ گو پہل سردار رشید نے کی اور ان کی حرکت کو مرکز سے "بغاوت" پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن انھوں نے مصرع طرح دے ہی دیا تھا تو اس پر اس انداز کی گرہ لگانا مرکزی وزیر کے شایان شان نہیں تھا

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دونوں وزیروں نے حکومت کے وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اگر جذبات کو امور سلطنت میں فروغ حاصل ہو گیا تو اس مملکت کا اللہ ہی مالک ہے

جوہری کانفرنس

انسان اس وقت زندگی اور موت کی جس کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کی حقیقی علت ایک ہی ہے یعنی نیشنلزم یا وطنیت۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ قومی حکومتوں نے قبائلی اور شہری ریاستوں کے سابقہ تنگ دائروں کو نیست و نابود کر دیا اور انسانی اجتماع میں قدرے وسعت پیدا کر دی۔ لیکن ان نئے دائروں نے انسان کے ایک گروہ کو دوسرے گروہوں کا اس حد تک مخالف بنا دیا کہ وہ ان مصنوعی اور غیر انسانی گھیروں کے بقا کی خاطر مرنے اور مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس صدی کی پہلی جنگ عالمگیر کی تباہیاں اسی کا نتیجہ تھیں۔ اس بربادی خیز نے ذہن انسانی میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ کیونکہ وطنیت کے مضرات بری طرح سامنے آگئے تھے۔ لیکن جب انسانیت سے اس زہر کا نکلنا تو در کنار الٹا اس میں ایک اور عنصر کا اضافہ ہو گیا۔ جنگ سے پہلے رائج الوقت نظام کم و بیش مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام تھا مگر انقلاب روس نے اس کے مقابلہ میں اشتراکیت کا نیا نظام لا کھڑا کیا اس سے بظاہر کیمونزم اور سرمایہ داری کی تصوراتی نزاع کا آغاز ہو گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس کا جذبہ محرکہ وطنیت ہی رہ گیا اب انسان کی مصیبت نیشنلزم اور آئیڈیالوجی دونوں سے عبارت ہے۔ اور اسی سے انسان تباہی کے ایسے غار تک آ پہنچا ہے کہ وہ اس میں گر گیا تو کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

دوسری عالمگیر جنگ اور واقعات مابعد نے انسان کے سامنے زندگی اور موت کا جو سوال پیدا کر دیا ہے۔ اس سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ نیشنلزم کو خیرباد کہا جائے۔ ظاہر ہے کہ افراد و قوم کی نگاہ جوں جوں جغرافیائی حدود سے بالاتر ہوتی جائے گی ان میں جمیع انسانی سیرت پیدا ہوتی جائے گی جب تک ایسا نہیں ہو جاتا تیسری بین الاقوامی جنگ کا خطرہ ٹل نہیں سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان وطنیت کو ترک کرنے کے لئے تیار ہے؟ بظاہر اس کا جواب نفی میں ملیگا لیکن بہ نظر غائر دیکھا جائے تو حوادث وانگار کا رخ .... اسی سمت نظر آتا ہے۔ انسان آج ایک ایسی نازک منزل میں داخل ہو چکا ہے جہاں، اقبال کے الفاظ میں، حیات اپنی سمت وجدانی طور پر از خود متعین کر لیتی ہے۔ اس نے .... جنگ کے ایسے آلات و اسلحہ تیار کر لئے ہیں کہ جن کی تباہی کی محیر العقول ممکنات دیکھ کر وہ سہم گیا ہے؟ ایک طرف وہ اسی سہم میں مزید آلات کی تیاری میں مصروف ہے کہ مبادا کوئی دوسری قوم اس پر سبقت نہ لے جائے۔ دوسری طرف وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ آخر ان آلات سے جو جنگ لڑی جائے گی۔ اس میں سے کون بچ کر نکل سکے گا! یہ دوسری سوچ حیات کا وجدانی سنبھالا ہے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ یہ بیڑا غرق ہوتے ہوتے اچھل کر مہلک موجوں کی زد سے نکل آئے کہ بقول اقبال

گہے باشد کہ کار ناخدائی می کند طوفاں!
کہ از طغیان موجے کشتیم بر ساحل افتاد است

۱۸ جولائی کو جینوا میں جوہری کانفرنس شروع ہو گئی ہے اس کانفرنس سے کسی معجزے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے کیونکہ علت مرض جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، وہ چند دنوں کی چند روزہ ملاقاتوں سے کلیۃً رفع نہیں ہو سکتی۔ لیکن قرائن کو امید افزا ضرور کہا جا سکتا ہے۔ کانفرنس کے انعقاد سے تین روز پیشتر صدر آئزن ہاور نے ان خیالات کا اظہار کیا کہ ایٹمی اسلحہ نے انسان کے سامنے زندگی اور موت کا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن ایسے حالات نظر آتے ہیں کہ دنیا بین الاقوامی تعلقات کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ جینوا کانفرنس اس نئے دور کی تمہید ہے۔ اس سے امن عالم کی بحالی کے لئے بڑا عمدہ موقع میسر آ جاتا ہے۔ اسی روز روسی وزیر اعظم مارشل بلگانن نے کہا کہ مشرق و مغرب کی نزاع کا حل جنگ نہیں، لہٰذا تمام معاملات کو صبر و سکون سے سوچنا سمجھنا چاہیئے۔ یہ توقع تو نہیں کی جا سکتی کہ جینوا میں تمام بین الاقوامی تنازعات کا حل مل جائے گا۔ لیکن ان کے حل کرنے کا امکانات ضرور نظر آ جائے گا۔

انسان کے مصائب کا حل سوشلزم میں ہو یا سرمایہ داری میں اس کا فیصلہ جنگ سے نہیں بلکہ صحت مندانہ معاشی مقابلہ سے کرنا چاہیئے۔ انھوں نے اقوام مغرب کو یقین دلایا کہ روس کسی دیگر ملک پر حملہ کا ارادہ نہیں رکھتا اور حل کی بحالی کے لئے امکانی کوشش کرے گا۔ بالکل اسی دن برطانوی وزیر اعظم سر انتھنی ایڈن نے کہا کہ ہمارے سامنے سوال ایٹمی اسلحہ کی تحدید کا نہیں بلکہ سرے سے جنگ کے استعمال کا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان بیانات میں سیاسی مصالح کو بھی بہت دخل ہے اور ان کا مفہوم وہی نہیں ہو سکتا جو الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تباہی کے عظیم الشان آلات نے جو خود ان کے مخترعین اور موجدین کو اس گہری سوچ میں ڈال کر کہ کیا وہ خود اس ہلاکت سے بچ سکیں گے جو ان آلات سے پھیل جائے گی! قوموں بلکہ افراد کے قدرتی جذبہ تحفظ خویش کو ابھارنا شروع کر دیا ہے اور کوئی عجب نہیں کہ جنگ کے بے پناہ آلات انسان کو جنگ سے خائف بنا کر اس سے باز رہنے کا ذریعہ بن جائیں کیا ایسا ہو سکیگا! اس کا جواب جینوا کی جوہری کانفرنس کی روئداد میں ملے گا۔ اگر دنیا کے جوہری کے رہنماؤں نے پوری طرح محسوس کر لیا کہ ان کے فیصلوں پر انسانیت کے فنا و بقا کا دار و مدار ہے تو ان کے لئے ایسا موڑ مڑنا قطعاً دشوار نہیں ہو گا جو انسانیت کو اس شاہراہ پر ڈال دے جو جنگ سے محفوظ ہے اور اس کو منزل مقصود کی طرف لے جاتی ہے۔ لیکن اس کا یقینی امکان صرف اس نصب العین حیات کے اپنا لینے میں ہے جسے خدا کی کتاب نے نوع انسانی کے سامنے پیش کیا ہے یعنی تمام نوع انسانی ایک عالمگیر برادری۔ ان کے لئے ایک ضابطۂ حیات۔ اس ضابطہ حیات کا مقصود تمام افراد انسانیہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما۔ جس کی بنیاد قانون مکافات عمل اور زندگی کے تسلسل پر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور آئیڈیالوجی نہیں جس سے انسان کی مشکلات کا حل مل سکے گا۔

ہندو سکھ نزاع

سکھوں کو ہندوؤں نے اس حد تک شیشے میں اتار لیا تھا کہ وہ انہی کی جنگیں لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے چنانچہ تقسیم ہند سے پیشتر سکھ نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اس طرح ہندو کا بازو ئے شمشیر زن بن گیا کہ "ہندو مسلم فسادات" "سکھ مسلم فسادات" کی شکل اختیار کر گئے۔ اس وقت ہر چند مسلمان نے سکھ کو دعوت دی کہ وہ معاملہ کے پہلوؤں پر از خود غور کر لے اور پھر اپنے مفاد کے مطابق جو فیصلہ اس کی سمجھ میں آئے وہ کرے۔ مگر اس کی ساری جد و جہد اور تگ و دو کا نقطۂ ماسکہ مسلمان دشمنی اور مخالفت پاکستان بن گیا تھا تقسیم کے فوراً بعد اس نے انتہائی بے دردی اور غایت درجے کی شقاوت سے مشرقی پنجاب اور نواحی علاقوں میں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ اس وقت وہ اپنے دل میں شاید یہ سمجھ رہا تھا

کہ اس کے بدلے میں ہندو اس کی بڑی آؤ بھگت کرے گا اور سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔ لیکن جونہی مسلمان کا معاملہ ہوا اور سکھ نے تلوار نیام میں کی۔ اس نے کچھ اور ہی سماں دیکھا ہندو سکھوں میں پھوٹ ڈلوانے اور انھیں آپس میں لڑا کر کمزور کرنے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ سکھ کو پہلے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ لیکن جب قدرے ہوش آیا اور اس کے خلاف اس نے احتجاج کیا۔ تو اس کے اوپر طعنوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی کہ ہندوستان کا وفادار شہری نہیں اور مسلم لیگ کی سیاست کا تتبع کر رہا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ سکھ پاکستانیوں کے گانے پر لیا کر رہے ہیں اور تو اور جب کرکٹ میچ کے سلسلہ میں سکھ پاکستان آئے اور ان کا خیر مقدم کیا گیا تو مشرقی پنجاب کے گورنر نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان نے سکھوں سے فیاضانہ سلوک کر کے ہندوؤں سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے سکھوں کے متعلق ہندوؤں کے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نیز پیپسو میں سکھوں نے جو غیر کانگرسی وزارت مرتب کی تھی۔ اسے بھی قانون اور امن عامہ کے نام پر توڑ دیا گیا۔ اس کے بعد جو نئی وزارت بنائی گئی وہ کانگرس کی قیادت میں تھی۔

ہندوؤں کی بدسلوکی سے بجا طور پر سکھوں میں تشویش پیدا ہو گئی۔ اور ان کے دل میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے پنجابی صوبے کے قیام کا خیال پیدا ہوا۔ ہندوستان کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ کیونکہ جگہ جگہ سے لسانی بنا پر صوبوں کی از سر نو تقسیم کے مطالبے ہوتے چلے آتے تھے۔ بلکہ خود کانگرس صوبوں کی تقسیم نو کے وعدے کر چکی تھی۔ مگر سکھوں سے مختلف سلوک روا رکھا گیا۔ جب آندھرا کے قیام پر ملک میں صوبوں کی لسانی تقسیم نو کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو حکومت ہند نے ایک کمیشن مقرر کر دیا جو حالات و شواہد کا مطالعہ کر کے رپورٹ مرتب کرے۔ اس کمیشن کے سامنے سکھوں کا مطالبہ پیش ہونے کا وقت آیا تو ہندو نے بڑی چالاکی سے "مہا پنجاب" کی تحریک شروع کر دی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ موجودہ مشرقی پنجاب کے صوبے کی حدود میں اور توسیع کی جائے۔ تاکہ سکھوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں اور کم ہو جائے۔ سکھوں نے اس تحریک کا مقابلہ کرنا چاہا تو حکومت نے ان پر پابندی لگا دی کہ وہ پنجابی صوبے کے حق میں نعرے بھی نہیں لگا سکتے۔ لسانی تقسیم نو کی عام فضا میں سکھ پنجابی زبان کے علیحدہ صوبے کا مطالبہ کرنے میں بالکل حق بجانب تھے۔ لیکن انھیں اس کے حق میں نعرے تک لگانے سے روک دیا گیا۔ اس پر سکھوں نے مورچہ لگا دیا۔ مشرقی پنجاب کی حکومت نے ابتداً تو اسے چنداں اہمیت نہ دی اور سکھوں کو یہ کہہ کر مرعوب کرنا چاہا کہ ان کے لئے جیلوں میں بڑی جگہ خالی ہے۔ لیکن سکھ اس دھمکی میں نہ آئے اور انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ سرکار کا جیل بھر دیں گے مگر نعرے لگانے سے باز نہیں آئیں گے۔ حکومت نے مورچے کو ناکام بنانے کے لیے منحرف سکھوں کو آگے کر کے ایک جوابی مورچہ لگوانا چاہا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ پھر جبر و تشدد کا دور شروع ہوا۔ پولیس نے فائرنگ بھی کی اور سکھوں کے کہنے کے مطابق دربار صاحب امرتسر پر قبضہ کر کے اس کی توہین بھی کی۔ مزید برآں سکھوں کے چاروں کے چاروں روزنامے منسوخ کر دیئے گئے۔ اس سختی کا سکھوں پر تو کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹی حکومت کی پریشانیاں بڑھ گئیں کیونکہ دو ماہ میں کم و بیش نو ہزار سکھ گرفتار ہو چکے تھے۔ اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر تنگ آ کر مشرقی پنجاب کی سچر حکومت نے سکھوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس نے پنڈت نہرو کے دورہ یورپ سے واپسی کو بہانہ بنایا اور اس خوشی میں سکھوں کے نعروں پر سے پابندی ہٹا دی۔ یہ بہانہ بڑا مضحکہ انگیز ہے اس سے انگریز کے عہد حکومت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے اکابر کے آمد کی خوشی میں یا خاص قومی تہواروں پر بعض قیدیوں کی سزائیں معاف کر دیا کرتا تھا۔ سودیشی سچر حکومت نے اس کی بھونڈی نقل اتاری۔ حکومت نے نعروں پر سے پابندی ہٹائی۔ تو سکھوں نے مورچہ ختم کر دیا کیونکہ وجہ نزاع یہی پابندی تھی۔ حکومت کے اعلان کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ جو سکھ اس سلسلہ میں گرفتار ہوئے ہیں انھیں رہا کر دیا جائے۔ لیکن نہیں؛ وزیر اعلیٰ بھیم سین سچر نے اعلان کیا کہ نعروں پر پابندی اٹھائے جانے کا قیدیوں کی رہائی سے کوئی تعلق نہیں پابندی اٹھانے اور پابندی کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو رہا نہ کرنے کی تُک سمجھ میں نہیں آتی جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حکومت نے سکھوں کی تحریک کے زور کو کم کرنے کے لئے یہ چال چلی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں نے مہا پنجاب کی تحریک یک لخت تیز تر کر دی۔ اس سے جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس سے عجب نہیں کہ سکھ اپنا مورچہ پھر سے شروع کر دیں اور سکھوں اور ہندوؤں میں تصادم ہو جائے۔

یہ معاملہ بہرحال سکھوں اور ہندوؤں کے مابین ہے اور ہمیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن ہندو جو سلوک سکھ سے کر رہا ہے اس سے اس کے دعوئے جمہوریت کی قلعی کھل جاتی ہے جس کا ڈھنڈورا وہ دنیا بھر میں پیٹتا رہتا ہے کہ اس کے ہاں تمام فرقوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ جب اس کا سکھوں سے یہ سلوک ہے جن کے ساتھ ہندوؤں کے رشتے ناطے بھی ہوتے ہیں تو آپ خیال کر لیجئے کہ وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ ہندو کا سلوک کس قسم کا ہو رہا ہوگا۔ وہ مسلمان جسے وہ سمجھتا ہی "ملیچھ" ہے اور یہ بھی سوچ لیجئے کہ جب وہ سکھوں کے الگ صوبے تک کو برداشت نہیں کر سکتا تو کیا وہ مسلمانوں کی بنی بنائی مملکت "کشمیر" یونہی آپ کے حوالے کر دے گا؟

رشید وزارت کی برطرفی

سردار عبدالرشید کی وزارت کی برطرفی پر کسی محب وطن پاکستانی کی آنکھ پرنم نہیں ہوگی اور خیر خواہ وطن کے قلب سے مستقلاً ارباب نظم و نسق، مرکز اور گورنر سرحد کی عزیمت کار اور جرأت اقدام کے لئے بے ساختہ داد نکلے گی۔ یہ وہ ناقابل رشک وزارت تھی جس کا انجام انتہائی عبرتناک ہوا جتنا اس کا آغاز قابل مذمت تھا۔

سردار عبدالرشید کے پچھلے اعمالنامے کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو گذشتہ چند دنوں میں انھوں نے اپنے آپ کو برطرفی کا پورا مستحق بنا لیا تھا۔ انھوں نے ۱۲ جولائی کو جو ڈرامہ مجلس دستور ساز میں کھیلا اس کی تلخ یاد برطرفی کے باوجود قومی حافظہ سے محو نہیں ہو سکے گی۔ انھوں نے نہ ملک کا مفاد دیکھا نہ صوبے کے مصالح کا خیال کیا۔ نہ اپنے عہد کا ہی کچھ پاس کیا اور بڑی ڈھٹائی سے علی الاعلان یہ اعلان کر دیا کہ انھیں خان عبدالغفار خاں کے داخلہ سرحد پر کوئی اعتراض نہیں حالانکہ وزیر داخلہ پاکستان کے بیان کے مطابق یہ پابندی حکومت سرحد کے اصرار پر لگائی گئی تھی۔ یہ اعلان محل اور نوعیت کے اعتبار سے مرکز سے بغاوت کے مترادف تھا جو کسی طور قابل عفو نہیں ہو سکتا تھا۔ اور یہ کسی انتظامی مصلحت کے تحت نہیں کیا گیا تھا۔ یہ کرشمہ تھا اس ساز باز کا جو بطرف وزیر اعلیٰ درپردہ ناخواندہ عناصر سے کر رہے تھے۔ ہوا کا رخ دیکھ کر آپ نے وحدت مغربی کی تائید کا اعلان کیا تھا اور آپ ہی نے وہ قرارداد پیش کی تھی جب سرحدی اسمبلی نے پاس کر کے منصوبہ وحدت کو صوبے اور ملک کے مفاد کے عین مطابق قرار دیا تھا۔ لیکن اسکے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ ایک یونٹ کے نقشے میں ان کے حصے میں کوئی مسند اقتدار نہیں آئی تو انھوں نے مخالفین وحدت سے سودا کر کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کی سعی نامشکور و مشئوم میں کوئی تامل نہ دیکھا، ہر چند انھوں نے بعد میں اس سے انکار کیا کہ وہ کسی سے ساز باز کر رہے تھے لیکن مجلس میں ڈرامہ کھیلنے کے بعد انھوں نے وحدت مغربی سے متعلق جو پراسرار خاموشی اختیار کی وہ ان کے خلاف شکوک و شبہات کو تقویت بخشتی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ انھوں نے خان عبدالغفار کی حمایت کی جو چند دن پیشتر وحدت مغربی کی اعلانیہ مخالفت کر چکے تھے۔ ایسی وزارت کو یقیناً ایک دن کے لئے بھی صوبے پر مسلط نہیں رہنا چاہئے تھا اور ہمیں خوشی ہے کہ گورنر سرحد نے ڈھیل نہیں دی اور فوری اقدام کر کے اسے ختم کر دیا۔ ہمیں اس کی بھی خوشی ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب کو صوبہ سرحد کا وزیر اعلیٰ مقرر نہیں کیا گیا۔ جب رشید وزارت کی برطرفی کا یقین سا ہو گیا تھا۔ تو بعض حلقوں کا اندازہ تھا کہ ان کی بجائے آپ ہی کو سرحد میں بھیجا جائیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس صوبے کیلئے خان صاحب ہی موزوں شخص تھے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی ضرورت سرحد سے کہیں زیادہ مغربی پاکستان کے مجوزہ صوبے کو ہے وہ سرد و گرم چشیدہ سیاست دان بھی ہیں اور ایسے مخلص قومی کارکن بھی جن کی ساری زندگی جد و جہد آزادی اور خدمت ملک و وطن میں گزری ہے۔ وہ عمر اور سیرت کے اعتبار سے بزرگ خاندان کی حیثیت رکھتے ہیں اور مغربی پاکستان کا جو ایک خاندان بنایا جانے والا ہے اس میں ایسے مشفق سربراہ کی ضرورت بڑی اشد ہے۔ اور پھر وہ لاہور میں بیٹھ کر پشاور کے مفاد کا بھی ویسا ہی خیال رکھ سکیں گے جیسے انھیں نئے صوبے کے دوسرے حصوں کا خیال ہوگا۔

جناب سردار بہادر خاں کو بڑے نازک وقت میں صوبے کی قیادت سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ وہ اس صورت حال کے تقاضوں سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کی امکانی سعی کریں گے۔ اس میں ان کے صوبے کا مفاد بھی مضمر ہے اور پاکستان کا بھی۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر دیکھیے)

تاریخی شواہد

(۲۴)

وہ آمادۂ پیکار تھے لیکن حضرت صالحؑ ایک ناصح مشفق کی طرح انھیں برابر سمجھاتے چلے جاتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے اپنی قبریں نہ کھودو۔ لیکن نشۂ حکومت میں ان نصائح کو سنتا کون ہے؟

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ (۲۷/۴۶-۴۷)

صالحؑ نے کہا کہ اے میری قوم! تم بھلائی (کامیابی وکامرانی) سے پہلے (اس کے بجائے) برائی (ہلاکت اور تباہی) کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو؟ تم لوگ اللہ کے قوانین کی حفاظت میں کیوں نہیں آجاتے۔ تاکہ تمہاری نشوونما کا سامان بہم پہنچ جائے (اور دونوں جہان کی کامیابیاں تمہارے قدم چومیں) وہ (کمبخت) کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں (ایمان لانے والوں) کو (اپنے لئے) منحوس سمجھتے ہیں (کہ تم نے خواہ مخواہ ہماری عیش وعشرت میں کھنڈت ڈال دی) اس پر صالحؑ نے (جواب میں) کہا کہ تمہاری یہ نحوست خدا کے قانون مکافات کی وجہ سے ہے۔ بلکہ تم وہ لوگ ہو جو (بہت جلد) عذاب الٰہی میں مبتلا کئے جاؤ گے۔

یہ نتائج وعواقب سے آگاہ کرتے۔ اور وہ (معاذ اللہ) ان کا مذاق اڑاتے تھے! وہ کہتے کہ (خاکم بدہن) تم پر کسی نے جادو کردیا ہے جو اس طرح کی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ (۲۶/۱۵۳)

(اور دیکھو) انھوں نے کہا کہ (اے صالحؑ) اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ تم پر جادو کردیا گیا ہے!

انھیں تعجب اس بات پر تھا کہ یہ ایک ہمارے جیسا انسان دعوٰئے رسالت میں سچا کیسے ہوسکتا ہے؟

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (۲۶/۱۵۴)

(اور دیکھو انھوں نے کہا کہ) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تم ہماری ہی طرح کے ایک انسان ہو (پھر تم رسول کیسے ہوگئے؟) پس اگر تم سچے ہو تو (اپنے اس دعوے پر) کوئی نشانی (معجزہ) لاؤ۔

یعنی اسی سازِ کہن کی صدائے بازگشت جسے ہم اُمم سابقہ کے احوال وکیفیات میں دیکھ چکے ہیں۔ یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ میں جس نظام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسے عقل وفکر کے معیار پر پرکھ کر دیکھو کہ اس میں بھلائیاں ہی بھلائیاں نظر آتی ہیں یا نہیں۔ اور وہ اس کے جواب میں کہتے کہ ہم بھلا اپنے جیسے انسان کو خدا کا رسول کیسے مان لیں۔ اگر تم خدا کے رسول ہو تو ہمیں کوئی محیر العقول بات کرکے دکھاؤ۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ (۵۴/۲۴)

تو انھوں نے کہا: کیا ہم ایسے آدمی کا اتباع کریں گے جو ہم ہی میں سے ہے۔ اور اکیلا ہے۔ پھر تو ہم ایک (بڑی) گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہوں گے۔

بشر کے ساتھ واحد کے ٹکڑے پر بھی غور کیجئے۔ چونکہ وہ نشۂ قوت میں بدمست تھے اس لئے یہ کہتے تھے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا جس کے ساتھ بہت بڑی جماعت ہوتی تو اس جماعت کی قوت سے ڈر کر ہم اس کی بات مان بھی لیتے لیکن اب ہم اس کی بات کیوں مانیں۔ جب کہ یہ بالکل اکیلا ہے۔ اور پھر جیسا شریر النفس لوگوں کی افتاد ہے۔ وہ اصول سے ہٹ کر ذاتیات پر اتر آتے ہیں اور حق وصداقت کا جواب گالیوں سے دیتے ہیں۔ قوم ثمود نے بھی یہی کیا۔ کہنے لگے۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (۵۴/۲۵)

(اور دیکھو، انھوں نے کہا) کیا ہم سب لوگوں کے درمیان سے (خدا کو یہی ایک ملا تھا کہ) اس پر وحی نازل کی گئی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بڑا ہی جھوٹا اور بہت ہی شیخی باز ہے۔

ادھر سے یہ دریدہ دہنی اور ادھر جواب فقط اتنا کہ

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (۵۴/۲۶)

کل (یعنی مکافات عمل کے دن) وہ بہت جلد جان لیں گے کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا؟

یہ ارباب قوت وثروت کا رویہ تھا۔ ان کے ساتھ مذہبی پیشوا آگے بڑھے اور انھوں نے یہ کہہ کر عوام کے جذبات کو مشتعل کرنا چاہا کہ یہ شخص تمہیں تمہارے بزرگوں کے مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ (۱۱/۶۲)

لوگوں نے کہا: "اے صالحؑ! پہلے تو تو، ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں (مگر یہ ایک دم تجھے کیا ہوگیا) کیا (اب) تو ہمیں اس سے بھی روکتا ہے کہ ہم ان چیزوں یا انسانوں کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کریں۔ جن کی عبودیت (محکومیت واطاعت) ہمارے باپ دادا اختیار کرتے چلے آئے ہیں (یہ کیسی بات ہے) ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی ہی نہیں"!

اس کے جواب میں حضرت صالحؑ نے کیا ارشاد فرمایا؟ وہی جو کورانہ تقلید کے مسلک کا صحیح جواب ہوسکتا ہے!

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ (۱۱/۶۳)

صالحؑ نے کہا: "اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت (نبوت) مجھے عطا فرمائی ہو، تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا۔ اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ تم (اپنی تقلید کے مطابق دعوت دے کر) مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ تباہی کی طرف لے جانا چاہتے ہو"۔

یعنی تم اپنے مسلک کی صحت کے ثبوت میں فقط یہ دلیل رکھتے ہو کہ یہ تمہارے آباؤ اجداد سے متوارث چلا آرہا ہے۔ اور میرے پاس میرے اللہ کی عطا فرمودہ وہ قندیل فروزاں ہے جس کی روشنی میں حق وباطل الگ الگ دکھائی دیتے ہیں، سمجھ کہیئے کہ میں ایسی شمع نورانی کو چھوڑ کر اندھوں کی لاٹھی کے پیچھے کس طرح چل پڑوں!

ا یہاں ایک نکتہ اور بھی قابلِ غور ہے۔ یا اقوام اپنے انبیائے کرامؑ کے متعلق بعد حسرت ویاس یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ تم سے تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں یہ تمہیں کیا ہوگیا! اس سے واضح ہے کہ حضرات انبیائے کرامؑ اپنے دعوائے نبوت سے پیشتر بھی اپنی اقوام میں ممتاز شخصیت کے مالک ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ امتیاز وہ درخشندگی ان کے کیریکٹر اور قابلیت کی بنا پر تھی۔ اسی لئے پیغامات الٰہیہ کے حاملین شروع ہی سے بلند سیرت وکردار کے مالک ہوتے تھے۔

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی
(تمہید۔ مسلسل)

اب ہم مثنوی اسرارِ خودی کی تمہید کے اس آخری حصہ تک پہونچ رہے ہیں جس میں اقبال نے خود اس مثنوی کے مقصود اور اسلوب بیان کے متعلق چند اشعار میں وضاحت کی ہے پہلا شعر ہے

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست　　بت پرستی، بت گری مقصود نیست

قارئین اقبال کے لئے یہ معمہ اکثر حیرت انگیز بن جاتا ہے کہ اقبال ساری عمر شعر کہتا رہا۔ لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو شاعر کہلانے سے سخت اجتناب کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ یہاں تک بھی کہہ گیا کہ

نہ آید خیر زاں مرغے ز دست　　کہ بر ما تہمتِ شعر و سخن بست

اور اس فریاد کے ساتھ کہ

من اے میرِ امم داد از تو خواہم　　مرا یاراں غزل خوانے شمردند

سوال یہ ہے کہ شعر کہنا اور شاعر کہلانے سے اس قدر اجتناب بر تناچہ معنی دارد؟ یہیں سے یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ قرآن نے بھی شاعروں کی جو اس قدر مذمت کی ہے تو اس کا مفہوم کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ انسانی خیالات کے اظہار کے دو طریقے ہیں۔ ایک نثر، دوسرا نظم۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ایک بات نثر میں کہی جائے اور بعینہٖ وہی بات الفاظ میں ترتیب پیدا کرکے نظم میں کہی جائے۔ تو اس میں ایسی کون سی بات ہو جائے گی کہ اول الذکر اسلوب بیان کی تو تعریف کی جائے اور ثانی الذکر انداز بیان کو قابل مذمت قرار دیا جائے؟ لہٰذا قرآن نے جہاں شاعری کی مذمت کی ہے تو اس سے اسلوب بیان کی مذمت مقصود نہیں بلکہ اس ذہنیت کی مذمت مقصود ہے جسے وہ "شاعرانہ ذہنیت" قرار دیتا ہے۔

آپ کے سامنے زندگی کا ایک متعین نصب العین ہے۔ آپ کا ہر قدم اسی نصب العین کی طرف اٹھتا ہے۔ اور آپ اسی کی طرف ہر ایک کو دعوت دیتے ہیں۔ پھر آپ کی یہ دعوت علم و بصیرت دلائل و براہین اور عقل و فکر پر مبنی ہوتی ہے۔ جس میں آپ حقائق کا سامنا کرتے ہیں۔ اپنے جذبات کو ہمیشہ حقائق کے تابع رکھتے ہیں۔ اور آپ کے قول اور عمل میں ہم آہنگی ہوتی ہے۔ قرآن اسے پیغمبرانہ اسلوب اور جماعتِ مومنین کی خصوصیت قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس دوسری روش زندگی یہ ہے کہ نہ آپ کے سامنے زندگی کا کوئی متعین مقصد ہے نہ واضح نصب العین۔ آپ کے جذبات آپ کو جدھر لے جانا چاہیں آپ ادھر چل دیتے ہیں۔ کبھی تصورات کی ان وادیوں میں اور کبھی تخیلات کے ان میدانوں میں، ہمیشہ حقائق سے جی چراتے، اور لطائف سے دل بہلاتے، اور اپنے آپ کو فریب دیتے ہوئے۔ پھر جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ محض جذبات پرستی اور مضامین آفرینی ہوتا ہے جسے آپ کی عملی زندگی سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ قرآن اسے شاعرانہ ذہنیت قرار دیتا ہے۔ انہی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ (۲۶/۲۲۵) کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں آئم کی طرح سرگرداں پھرتے ہیں؟ ہیام اونٹوں کی ایک بیماری ہوتی ہے جس میں انھیں جھوٹی پیاس اس قدر ستاتی ہے کہ وہ جنگلوں اور میدانوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور کسی چشمہ پر بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ یہی حالت شاعرانہ ذہنیت رکھنے والوں کی ہوتی ہے۔ جذبات پرستی اور حصولِ شہرت کی جھوٹی پیاس انھیں مختلف وادیوں میں لئے لئے پھرتی ہے اور کسی مقام پر بھی انکی پیاس نہیں بجھتی۔ ان کی ساری عمر اسی دشت پیمائی اور صحرا نوردی میں گذر جاتی ہے۔ پھر ان کے قول و فعل کے تضاد کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ (۲۶/۲۲۶) وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جنہیں خود کر کے نہیں دکھاتے۔ یہ تو ہے شاعرانہ ذہنیت رکھنے والے۔ باقی رہے ان کے متبعین سو ان کے متعلق ارشاد ہے وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ (۲۶/۲۲۴) ان کے پیچھے وہی لوگ لگتے ہیں جو خود راہ گم کردہ ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ٹڈی دل کی ہوتی ہے۔ تعداد کے لحاظ سے تو بے حد و شمار لیکن مقصد محض تخریب۔ نیز کوئی منزلِ مقصود نہ متعین راستے۔ ان کی زندگی بھی ذہنی آوارگی اور قلبی انتشار میں گذر جاتی ہے۔ نہ اور کی گون نہ آپ جوگے۔

یہ ہے وہ شاعرانہ روش زندگی جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ کسی پیغامبر کے شایانِ شان نہیں ہو سکتی وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ہم نے اس پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی نہ ہی یہ بات اس کے شایانِ شان تھی اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ (۳۶/۶۹) یہ تاریخ کی ٹھوس حقیقتیں اور ایک واضح ضابطۂ حیات لے کر آیا ہے لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا (۳۶/۷۰) تاکہ جس شخص کے اندر زندگی کی کوئی رمق بھی باقی ہے یہ اسے غلط روش کی ہلاکت سامانیوں سے آگاہ کر دے۔ یہ ہے فرق شاعرانہ ذہنیت اور پیغمبرانہ روشِ حیات میں۔ اقبال چونکہ اپنے آپ کو پیامبر کہتا ہے اس لئے وہ شاعر کہلانے سے سخت اجتناب کرتا ہے۔ اور شاعری کو اپنے اوپر بہتان عظیم تصور کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے پیغام کو زبان شعر ہی میں دوسروں تک پہنچاتا ہے

یہ سوال بھی اکثر زیر بحث رہتا ہے کہ اقبال نے اپنی پیغام رسانی کے لیے جو شعر کو ذریعہ بنایا تو یہ اس کے مقصد کے لئے مفید ہوا یا مضر۔ اس میں شبہ نہیں کہ مشرق کی جذباتی اقوام (بالخصوص مسلمانوں) میں شاعری کو بڑی مقبولیت حاصل ہے اور جو بات زبان شعر میں ادا کی جائے وہ بہت جلد اثر کرتی ہے اور پھر شاعری بھی اقبال کے انداز و پایہ کی! اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ شعر کو ذریعہ اظہار بنانا مفید رہا۔ لیکن اس کے برعکس یہ بھی حقیقت ہے کہ

(۱) ہمارے ہاں نثر کے مقابلہ میں شعر کو زیادہ (SERIOUSLY) نہیں لیا جاتا۔ محض ایک تفریحی چیز سمجھا جاتا ہے۔

(۲) شعر کا اثر جذبات پر ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں وہ تیزی سے اثر کر سکتا ہے وہاں اس کا اثر زائل بھی تیزی سے ہو جاتا ہے۔

(۳) شاعر کو اس بات کی رعایت (LICENSE) حاصل ہوتی ہے کہ وہ متضاد باتیں کہتا چلا جائے۔ برعکس اس کے نثر میں اگر ساری کتاب میں دو باتیں بھی باہمد گر متضاد ہوں تو وہ صاحب کتاب کو مطرود (CONDEMN) کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت علامہ اپنے پیغام کو نثر میں لکھتے تو وہ کہیں زیادہ مفید ہوتا۔ آپ نے (اپنے ابتدائی تحقیقاتی مقالہ کے بعد) اپنے خطبات کو نثر میں لکھا۔ ارباب نظر جانتے ہیں کہ جو بات اس کتاب میں ہے۔ آپ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ خود حضرت علامہ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اس کی اہمیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے وہ مطالعۂ قرآن اور فقہ اسلامی کے متعلق نثر ہی میں کتابیں لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے (جو افسوس ہے کہ پورا نہ ہو سکا) ان کے اشعار میں (اس قدر احتیاط کے باوجود) بہت سی متضاد باتیں آگئی ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ شعر پر جذبات غالب ہوتے ہیں۔ اور مضامین آفرینی کا خیال تضادات کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے حضرت علامہ کی پیغام رسانی کا مقصد مجروح ہو گیا ہے۔ اور ان کی فکر، مربوط اور ہم آہنگ انداز سے سامنے نہیں آسکی۔ لیکن اس کے باوجود وہ جو کچھ زبانِ شعر میں کہہ گئے ہیں۔ وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکا۔

اقبال اور قرآن

از پرویز

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں تقاریر کا مجموعہ

اقبال کو سمجھنے کے لئے

اس سے بہتر کتاب آپ کو بمشکل مل سکے گی

ضخامت اڑھائی سو صفحات سے زیادہ

قیمت ۱۔ دو روپے

معتزلہ

(تلخیص علامہ احمد امین المصری مرحوم)

(۱)

عرب کے لوگ سادہ زندگی کے عادی تھے۔ ان کے علوم و فنون محض زبان، ادب، شعر، ضرب الامثال تک ہی محدود تھے۔ انھیں منطق و فلسفہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اسلام جبتک جزیرۂ عرب تک محدود رہا مسلمانوں کو فلسفیانہ موشگافیوں سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اسلام لانے کے بعد قرآن کریم ان کا ضابطۂ حیات اور رسول اللہ صلعم کی زندگی ان کے لئے مشعل ہدایت تھی۔

مسلمان اور فلسفہ

لیکن جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور ہر مذہب خیال اور مکتب فکر کے لوگ مسلمان ہونے لگے تو ان میں علمی بحثوں کا بھی سلسلہ شروع ہوگیا کیونکہ دوسری قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہورہے تھے وہ صدیوں سے فلسفیانہ موشگافیوں کے عادی چلے آرہے تھے۔ انھوں نے ان مسائل کو اسلام میں بھی پھیلایا جو ان کے ہاں چلے آتے تھے۔ تقدیر، خیر اور شر وغیرہ مسائل ان کے اثر سے مسلمانوں میں بھی پیدا ہونے شروع ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی یہودی، نصرانی اور زردشتی علماء نے جو یونانی فلسفہ اور منطق سے مسلح تھے مسلمانوں سے بحث و مناظرہ کا آغاز کردیا۔ اس قسم کے بحث و مناظرہ کی مجلسیں زیادہ تر عراق میں منعقد ہوا کرتی تھیں کیونکہ عراق مختلف مذاہب کا گہوارہ تھا۔ وہاں یہودی، نصرانی، مجوسی، زردشتی، صابی، دہری غرضیکہ ہر مسلک کے لوگ بکثرت آباد تھے۔ شروع شروع میں مسلمانوں کو ان غیر مسلم علماء سے علمی مباحثوں میں اپنا پلہ ہلکا معلوم ہوا تو انھوں نے بھی فلسفہ اور منطق کی طرف توجہ مبذول کرنی شروع کردی اور کچھ عرصہ میں مسلمان بھی عقلیت کے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر میدان میں آگئے اور فلسفیانہ اور منطقیانہ اعتراضات کا جواب فلسفہ اور منطق ہی کی زبان میں دینے لگے۔ ان لوگوں نے ان مسائل میں بھی عقلی حیثیت سے گفتگو شروع کردی جن میں محدثین اور علماء گفتگو کلام کرنے کو ممنوع سمجھتا تھا۔ مثلاً تقدیر، خیر و شر، حسن و قبح، خدا کی صفات، اختیار و ارادہ وغیرہ مباحث پر سیر حاصل گفتگوئیں کیں اور ان مسائل سے متعلق قرآنی آیات کی ایسی تشریحات کیں جو منطق اور فلسفہ کی عام موشگافیوں کے مطابقت رکھتی تھیں۔ یہ وہ راستہ تھا جو ان لوگوں نے محدثین اور علماء کے راستے سے الگ ہوکر اپنے لئے بنایا تھا۔ وہ اب تک محدثین و علماء اسلام ان مسائل پر گفتگو کرنے کے عادی ہی نہ تھے وہ اپنے آپ کو صرف منقولات تک محدود رکھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر محدثین کی طرف سے ان لوگوں کو معتزلہ کا خطاب دیدیا گیا کیونکہ اعتزال کے معنی دراصل عام راستہ سے ہٹ جانے ہی کے ہیں۔

معتزلہ کی وجہ تسمیہ

مسلک اعتزال کے بانیوں میں سے واصل بن عطا اور عمرو بن عبید بہت مشہور ہیں۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ واصل بن عطاء چونکہ بصرہ میں امام حسن بصری کے حلقۂ درس سے الگ ہوگیا تھا اور اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن رہتا ہے نہ کافر بلکہ وہ دونوں کے بین بین ہوتا ہے۔ اور اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے امام حسن بصری سے الگ بصرہ کی مسجد ہی میں اپنا حلقۂ درس قائم کرلیا تھا اسلئے امام حسن بصری نے اسکو اِعْتَزَلَ عَنَّا (وہ ہم سے الگ ہوگیا) کے لفظ سے یاد کیا تھا۔ اس بناء پر یہ فرقہ معتزلہ کے نام سے موسوم ہوگیا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بیان صحیح نہیں جسکی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ

(۱) محض ایک عقیدہ کے اعلان یا مسجد میں ایک الگ حلقۂ درس قائم کرلینے سے کوئی مستقل فرقہ وجود میں آسکتا ہے نیز

(۲) جو لوگ اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں ان کے بیانات میں کافی اختلاف ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے حلقۂ درس سے الگ ہوجانے والے کا نام عمرو بن عبید بتایا اور دوسرے لوگوں نے واصل ابن عطاء کہا ہے پھر جس حلقہ سے الگ ہوئے تھے اسکو بھی کچھ لوگوں نے حسن بصری کا حلقۂ درس بتایا ہے اور دوسرے لوگوں نے قتادہ کا حلقۂ درس بیان کیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ عجیب تر بات یہ ہے کہ واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید کے متعلق اکثر بیانات اس قسم کے ملتے ہیں۔ "اِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ بِالْاِعْتِزَالِ" وہ اعتزال کی باتیں کیا کرتا تھا۔ اور "وَھُوَ مِنْ اَھْلِ الْاِعْتِزَالِ" وہ طبقۂ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتزال اور معتزلہ کا وجود عمرو بن عبید اور واصل ابن عطاء سے پہلے موجود تھا جبھی تو لوگ ان کا اعتزال کی طرف منسوب کیا کرتے تھے نیز اعتزال کا لفظ اس عہد میں اسقدر معروف تھا کہ کسی کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی سمجھا جاتا تھا کہ وہ "اعتزال" کی باتیں کرتا ہے یا وہ طبقۂ معتزلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکی تائید طبری کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ کے ایک عامل قیس بن سعد متعینہ مصر کے عہد میں خود مصر میں معتزلہ موجود تھے جنکو وہ راست پر نہیں سمجھتا تھا لیکن اس نے ان سے کوئی تعرض کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی راہ راست پر آجائیں گے۔ طبری کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ کا وجود حضرت علیؓ کے عہد میں موجود تھا۔ علاوہ ازیں ابوالفداء اور ابن الاثیر نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کرنے سے انکار کردیا تھا اسلئے ان کا نام معتزلہ پڑگیا تھا۔ ان تینوں مؤرخوں کے بیانات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ معتزلہ اور اعتزال کا تعلق امام حسن بصری کے حلقۂ درس کی اس کہانی سے قطعاً نہیں ہے جو عام مؤرخین بیان کرتے چلے آئے ہیں بلکہ اس کا تعلق کسی دوسری چیز سے ہے جو امام حسن بصری سے پہلے ہی وقوع پذیر ہوچکی تھی۔

ہماری رائے

ہمارا خیال یہ ہے کہ "اعتزال" اور "معتزلہ" کے الفاظ صدر اسلام میں خاص معنوں میں مستعمل تھے۔ جب کوئی شخص دو جماعتوں کو برسرپیکار دیکھتا اور نہ ان دونوں جماعتوں سے خود کو الگ تھلگ رکھتا تھا نہ ایک فریق کی تعریف کرتا اور نہ دوسرے فریق کی برائی یا ان دونوں برسرپیکار جماعتوں کو غلط راستہ پر سمجھتا تو ایسے آدمی کو "اعتزال" سے موصوف کردیا جاتا تھا۔

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ہونیوالی جنگ جمل اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ہونیوالی جنگ صفین میں جن لوگوں نے یکسوئی اختیار کی اور کسی طرف سے بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے ان کو تاریخ میں معتزلہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔

صدر اوّل میں مسلمانوں میں جو سیاسی فرقے پیدا ہوئے مثلاً حامیان حضرت عثمانؓ اور شیعان حضرت علیؓ، خوارج، حامیان بنو امیہ اور حامیان بنو عباس وغیرہ، ان میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے اپنے آپ کو ہر ایک گروہ سے الگ رکھا اور کسی پارٹی میں شامل نہیں ہوئے۔ انھوں نے آزادی کے ساتھ مخالف پارٹی پر تنقیدیں کیں اور ان کی غلطیاں ان پر واضح کیں اور پارٹی بندی سے الگ تھلگ رہے۔ ایسے لوگ معتزلہ کہلائے لیکن ابتدائی دور میں یہ گروہ کسی فرقہ یا جماعت کی حیثیت سے متعارف نہیں تھا ابو عبید علاف اور نظام نے اسکو علمی حیثیت سے مدون کیا اور اسے ایک جماعتی حیثیت سے منظم کیا۔ لہٰذا یہ کہنا تو صحیح ہوسکتا ہے کہ ابو عبید نے اسے ایک جماعت کی حیثیت سے عوام میں متعارف کرایا تھا لیکن یہ کہنا غالباً صحیح نہیں کہ ابو عبید ہی اس فرقہ کا بانی تھا اور معتزلہ کا لقب اس واقعہ سے اسے حاصل ہوا جو اس کے حسن بصری کے حلقۂ درس سے الگ ہوجانے سے تعلق رکھتا ہے۔

معتزلہ کا انداز تحقیق

معتزلہ سے پہلے اسلامی تاریخ میں کسی ایسی جماعت کا سراغ نہیں ملتا جو ما وراء الطبیعیاتی مسائل کے متعلق عقلی و نقلی دلائل و براہین کی روشنی میں بحث و مناظرہ کرتی ہو۔ معتزلہ کو اس بارہ میں اولیت کا فخر حاصل ہے کہ انھوں نے ان مسائل کو چھیڑا اور ان پر سیر حاصل بحثیں کیں۔ انھوں نے خدا کی ذات و صفات کے بارہ میں دقیق بحث کی جس کے متعلق زبان ہلانا بھی بدعت سیئہ سمجھا جاتا تھا۔ عرب کے لوگ چونکہ فطرۃً ان فلسفیانہ موشگافیوں اور دقیقہ سنجیوں سے بہت دور تھے اس لئے نہ وہ ان مسائل پر آپ نقطۂ نگاہ سے کبھی غور کرتے تھے اور نہ ہی ان پر فلسفیانہ انداز سے بحثیں کرنے کو پسند کرتے تھے۔ اس طرح عقل کو بالکل معطل کرکے رکھدیا گیا تھا۔ کسی بات پر خواہ وہ کتنی ہی خلاف عقل کیوں نہ ہو کسی قسم کی رائے کا اظہار کرنا ان کے نزدیک اپنی جہالت کا ثبوت

بہم پہنچاتا تھا۔ لیکن اسلام جب عرب کی حدود سے باہر نکلا اور ایران اور روم تک پھیلتا چلا گیا تو (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) اسلام میں داخل ہونیوالی ان نئی قوموں کے اذہان میں سوالات انگڑائیاں لینے لگے جن کے وہ صدیوں کے عادی چلے آ رہے تھے۔ عربوں کی سادگی اور سادہ ذہنی ان لغزشات کا جواب نہیں بن سکتی تھی جو آئے دن قوموں کو پیش آ رہے تھے۔ علاوہ ازیں ان نو داخل اقوام کے ذریعہ بہت سے غیر اسلامی تصورات اور غیر قرآنی روایات اسلام میں داخل ہوتی جا رہی تھیں جنھیں عرب اپنی سادگی اور سادہ دلی سے برابر اپناتے چلے جا رہے تھے اور اس طرح اسلام اپنی خالص ہیئت سے نکلکر مختلف مذاہب کی افکار و آراء کا ایک دلچسپ مگر خطرناک مجموعہ بنتا جا رہا تھا۔

معتزلہ نے ان آنیوالے خطرات کو بھانپا اور جو روش چلی آ رہی تھی اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ قرآن کے بعد عقل و بصیرت ہر چیز پر حاکم ہے عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اس سے تفکر و تدبر کیا جائے ہر صاحب عقل کیلئے لازم ہے کہ وہ حقائق کے انکشاف میں لگا رہے اور ماوراء الطبیعیات اور ماوراء مادہ متعلق مسائل کو حل کرتا رہے۔ اپنے اس اصول کے ماتحت انھوں نے اپنے زمانہ کی مروجہ تفاسیر و احادیث پر نظر ڈالی اور اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق آیات و احادیث کے ایسے مطالب بیان کئے جن سے اس دور کے علماء قطعاً نا آشنا تھے انھوں نے قرآن کی متشابہ آیات کی تفسیریں بیان کیں جو اس دور کی عام روش کے یکسر خلاف تھا۔ انھوں نے اس عام روش سے ہٹ کر متشابہ آیات پر تدبر و تفکر شروع کیا تو ان کو زیادہ تر احادیث اور محدثین سے واسطہ پڑا۔ انھوں نے شدید جرأت سے کام لیکر ان احادیث کی صحت سے انکار کر دیا جو قرآن اور عقل کے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ ان کے اس طرز عمل سے محدثین کا گروہ ان کا سخت مخالف ہو گیا۔ یہ اختلاف وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا جس نے آگے چل کر بڑی ناگوار صورت اختیار کر لی۔

معتزلہ کے بنیادی عقائد

عقائد کے بارہ میں خود معتزلہ کے درمیان بہت سے امور مختلف فیہ تھے۔ لیکن اصل مبادی میں یہ سب کے سب متفق ہیں یہ مبادی پانچ اصول ہیں۔ توحید، عدل، وعدہ وعید، المنزلۃ بین المنزلتین (دین میں)، امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

توحید

توحید یوں تو ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے مگر معتزلہ اسکی خاص تفسیر کرتے ہیں وہ ذات آلہی کو صفات سے منزہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قدرت ارادہ، سمع اور حیات وغیرہ صفات آلہی جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں وہ خدا سے الگ بذاتہ یعنی مستقلاً قائم نہیں ہیں کیونکہ اگر ان صفات کو بذات خود قائم مان لیا جائے تو تعدد لازم آئے گا ان کے نزدیک یہ صفات عین ذات آلہی ہیں۔ وہ خدا کی ذات کو صفات سے منزہ قرار دینے کے سلسلہ میں ایسی آیتوں سے استدلال کرتے تھے جن کے ظاہری الفاظ سے تنزیہ ثابت ہوتا تھا۔ اس زمانہ کے عام علماء تنزیہہ کے قائل تو تھے مگر وہ اس کے متعلق بحث و تدقیق میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ وہ اجمالی طور پر تنزیہہ کا عقیدہ رکھتے تھے مگر بحث و مناظرہ سے حتی الامکان دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ایسی آیات کا کوئی ایسا مطلب متعین کرنے سے گریز کرتے تھے جن سے تجسیم کو ثابت کیا جا سکتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اس کے سمیع و بصیر ہونے پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ہمیں اس سے آگے جانا نہیں چاہئے۔ ہمیں ان تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس طرح سمیع و بصیر اس کے سمیع و بصیر کے کیا معنی ہیں۔ ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم صفات آلہیہ کی کیفیات کی معرفت حاصل کریں۔ ہم پر اتنا ہی واجب ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم ان تفصیلات اور بحث و مناظرہ میں پڑ گئے تو جو کچھ اس سلسلہ میں ہم بیان کریں گے وہ ہمارا اپنا قول ہوگا خدا کا قول نہیں ہوگا۔ اسلئے ہمارے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم خدا کی ذات کو اپنی تاویلوں اور بحثوں کا نشانہ بنا ڈالیں۔ اسلم طریقہ یہی ہے کہ ہم ان مباحث سے دور رہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ طریق کار خود سادہ دل مسلمانوں کے لئے تو کافی ہو سکتا تھا لیکن فلسفیانہ انداز سے ان مسائل پر غور کرنے کے عادی نو مسلموں یا غیر مسلموں کو اس سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا تھا

ان علماء کے مقابلہ میں معتزلہ بہت جری تھے۔ وہ استویٰ علی العرش وغیرہ قسم کی آیات کی تشریح و توضیح کیا کرتے تھے۔ وہ اس قسم کی آیات کا ایک خاص محل متعین کرتے تھے جو ان کے عقیدۂ تنزیہ سے مطابقت رکھتا تھا۔ وہ مسلمانوں میں بھی اپنے ان خیالات و عقائد کی تبلیغ کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ تنزیہہ کے بارہ میں عام مسلمان ان سے متحد الخیال ہو جائیں وہ ایمان مجمل کے قائل نہیں تھے۔ متشابہ آیات کے بارہ میں مکمل طور پر زبان بند رکھنے کو وہ صحیح نہیں سمجھتے تھے کیونکہ عقل کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ نامعلوم باتوں کا کھوج لگائے اور ان کو حل کرے۔

وہ کہتے تھے کہ کوئی شخص خدا کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ قرآن کریم صراحت کے ساتھ اس کا انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ یعنی آنکھیں اس کے جلوہ کی تاب نہیں لا سکتیں۔ معتزلہ کے اس عقیدہ کی وجہ سے ان میں اور محدثین میں مناظرہ کا دروازہ کھل گیا۔ محدثین خدا کی رؤیت کے بارے میں حدیثیں پیش کرتے تھے جسے معتزلہ یہ کہکر رد کر دیتے تھے کہ قرآن کے مقابلہ میں حدیث کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

عدل

توحید کے بعد ان کا دوسرا عقیدہ عدل تھا تمام مسلمان اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل مطلق ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مگر معتزلہ عدل کے سلسلہ میں چند خاص تشریحیں کیا کرتے تھے کہ (۱) اللہ نے مخلوق کو ایک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ (۲) اللہ اپنی مخلوق کے لئے نہ شر کا ارادہ کرتا ہے اور نہ حکم دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اشیائے کے اچھے یا برے ہونے کو اہل سنت کی طرح شرعی نہیں بلکہ ذاتی قرار دیتے تھے۔ (۳) انسان اپنے اچھے یا برے اعمال کا خالق خود ہے۔ انسانی ارادہ افعال کی تخلیق میں آزاد ہے۔

معتزلہ سے پہلے جبریوں کے یہ عقائد عام طور پر پھیلے ہوئے تھے کہ انسان مجبور محض ہے۔ اس کا اختیار و ارادہ آزاد نہیں۔ اسے اپنے افعال پر کسی قسم کی قدرت نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے تنکے کی طرح ہے جس سے ہوا ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہے یا ایسی سوکھی لکڑی کی طرح ہے جو دریا کی موج جدھر چاہتی ہے بہائے لئے پھرتی ہے۔ اللہ انسانی ہاتھوں سے کام لیتا ہے معتزلہ نے اسکے برعکس یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان اپنا اختیار و ارادہ میں قطعاً آزاد ہے اور وہ اس پر قادر ہے کہ جو نسا طریق چاہے اختیار کرے۔

وعد و وعید

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس عمل کیلئے جو وعدہ یا وعید بیان کی گئی ہے اس کا نافذ ہونا ضروری ہے۔ نہ خدا تموج میں آکر بندوں کے گناہوں کو یونہی معاف کر دیتا ہے اور نہ غصہ میں آکر بندوں کی قربان برداریوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ہر عمل کا ایک نتیجہ مقرر ہے جو لامحالہ صادر ہو کر رہیگا۔

المنزلۃ بین المنزلتین

ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان صرف دل سے تصدیق کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ادائے واجبات بھی اس میں داخل ہے ہر عمل خواہ فرض ہو یا نفل ایمان کا جزو ہے۔ جسقدر عمل بڑھتا ہے اسی قدر ایمان بھی بڑھتا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے مگر فرائض و واجبات ادا نہ کرے تو وہ مؤمن نہیں ہے جو شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ نہ مؤمن ہے نہ کافر ہے بلکہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ اسے فاسق کہا جا سکتا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

پانچواں اور آخری عقیدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جو معتزلہ کے ہاں فرض کے رتبہ پر ہے مگر فرض عین نہیں ہے جیسا کہ خوارج کے ہاں تھا جو اس کے لئے ہمیشہ شمشیر بکف رہا کرتے تھے۔ معتزلہ بھی خوارج کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے خروج کرنے اور تلوار اٹھانے کے قائل تھے مگر تلوار اٹھانا ہوقت جائز سمجھتے تھے جب حالات ان کے موافق ہوں اور سارے سامان جمع ہو جائیں۔

یہ پانچوں اصول چونکہ ان کے معاصر علماء کے عقائد و خیالات کے خلاف تھے اس لئے ہر طرف سے ان پر اعتراضات کی بارشیں ہونے لگیں۔ ان کے مخالفین منقولات کا سہارا لیتے تھے اور یہ معقولات کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ علمی اور عقلی اعتبار سے یہ اپنے مخالفین سے بہت برتر تھے۔ یونانی علوم اور دیگر مذاہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت دقیق اور وسیع تھیں قرآن پر بھی ان کی بہت اچھی نگاہ تھی۔ عقل کو احادیث پر حاکم سمجھتے تھے جو حدیث عقل و درایت کے خلاف ہوتی تھی اسے موضوع کہہ دیا کرتے تھے۔

مختصراً یوں سمجھئے کہ یہ مسلمانوں میں وہ لوگ تھے جو قرآن کی روشنی میں عقل سلیم سے کام لینے کے قائل تھے انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتے تھے اور ہر عمل کا ایک فطری نتیجہ تسلیم کرتے تھے اور ایمان بلا عمل کا کوئی وزن شمار نہیں کرتے تھے۔ اور ایمان کی قیمت عمل کے مطابق متعین کرتے گناہوں سے مجتنب رہنا انکے عقیدہ کا جزو لازم تھا۔

عقیدہ کا جزو لازم تھا۔

معتزلہ کی علمی خدمات

معتزلہ نے اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ عباسی دور حکومت میں مسلمانوں اور اسلام پر ایرانی اثرات بہت بڑھتے جا رہے تھے۔ ایرانیوں کی آمد کے ساتھ ساتھ ان کے بہت سے باطل عقائد بھی عوام میں پھیلتے جا رہے تھے۔ ایرانیوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ یہ زیادہ تر فلسفہ منطق اور طب یونانی کی کتابیں عربی زبان میں منتقل کرنے میں مشغول تھے چونکہ ان کا عوام سے قریبی رابطہ تھا اسلئے وہ عوام میں اپنے خیالات و عقائد بھی پھیلاتے رہتے تھے۔ ان میں بکثرت ایسے لوگ بھی تھے جو درحقیقت یہودی، نصرانی، یا مجوسی تھے مگر بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور مسلمان بنکر مسلمانوں میں در پردہ یہودیت نصرانیت اور مجوسیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ کچھ لوگ در پردہ اس قسم کی سازشوں میں مصروف تھے اور کچھ کھلم کھلا اپنے مذاہب کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف تھے اس مقصد کیلئے انھوں نے مناظروں اور بحث و مباحثوں کی طرح ڈال دی تھی۔ یہ لوگ منطق و فلسفہ کے ہتھیاروں سے بخوبی مسلح تھے۔ انھوں نے بڑھ چڑھ کر اسلام پر اعتراضات شروع کئے محدثین اور فقہاء میں یہ اہلیت نہیں تھی کہ وہ مجوسی اور یہودی و نصرانی علماء کے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ کیونکہ یہ سب کے سب منقولات و نصوص ہی تک محدود تھے۔ ان کے علوم کا مدار وہ روایتیں تھیں جو وہ ایک دوسرے سے سنتے آئے تھے۔ اور ایک دوسرے کو سناتے جا رہے تھے۔ اب جو مقابلہ غیر مسلموں سے پڑا جو نہ قرآن کو مانتے تھے نہ احادیث کو۔ وہ خود اللہ تعالیٰ کے وجود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لئے عقلی دلائل طلب کرتے تھے۔ ضرورت اسکی تھی کہ ان لوگوں کا خود انہی کے ہتھیاروں سے مقابلہ کیا جائے نیز یہ بھی ضروری تھا کہ خود ان معترضین کے عقائد اور ان کے مذاہب سے پوری واقفیت حاصل کی جائے۔ اور منطق و فلسفہ میں اتنی مہارت پیدا کی جائے کہ ان حریفوں کا منھ توڑ جواب دیا جا سکے جو ان علوم میں پہلے سے طاق تھے۔ مگر محدثین و فقہاء اس میدان کے مرد نہیں تھے۔ یہود و نصاریٰ، مجوسی اور دہریوں کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے معتزلہ ہی میدان میں آئے جو اپنے حریفوں کے مقابلہ میں ہر طرح سے فائق تھے۔ انھوں نے اپنے زور بیان اور عقلی دلائل و براہین سے چند ہی دنوں میں مخالفین اسلام کی زبانیں بند کر دیں اور مختلف موضوعات پر گرانقدر کتابیں تصنیف کر کے تمام عالم اسلامی میں پھیلا دیں۔ ان کے داعی ملک کے اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور مخالفین اسلام کا ناطقہ بند کر دیا۔ اگر معتزلہ اس وقت اسلام کی طرف سے مدافعت نہ کرتے تو ان مخالف عناصر کی سازشوں سے اسلام کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچتا جس کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

معتزلہ ہی نے مسلمانوں میں آزادئ رائے اور فکر کا رجحان پیدا کیا۔ دیگر اقوام کے علوم و فنون کو اپنایا اور ان سے استفادہ کا حق ادا کیا۔ خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں ملک کی عام مذہبی حالت یہ ہو گئی تھی کہ خواص تو خواص عام مسلمان بھی اپنے افکار و آراء کے اظہار میں آزاد تھے۔ مذہبی مسائل کے فیصلے عام طور پر عقل سے ہونے لگے تھے۔ اہل شرع جو پہلے حدیث کی روشنی میں احکام نافذ کیا کرتے تھے انھوں نے بھی حدیث سے کنارہ کشی اختیار کر کے بالعموم قرآن کریم کے بعد عقل ہی کو معیار حق و باطل قرار دے لیا تھا۔ ان کے سامنے جو مقدمے آتے تھے ان کے فیصلے وہ یا تو عقل کے مطابق کرتے تھے۔ یا پھر مصالح عامہ کے پیش نظر دینی معاملات کے متعلق احکام سناتے تھے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا جس کے بارے میں نص قرآنی یا متفق علیہ حدیث موجود ہوتی تو وہ البتہ قرآن اور متفق علیہ حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ عراق عرب میں امام اعظم ابو حنیفہ کا مکتب فقہ اسی اصول کا حامی تھا۔ اس حریت فکر اور آزادئ رائے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مؤرخوں میں بھی وہ جرأت اور آزادی پیدا ہو گئی جو پہلے ان میں مفقود تھی۔ انھوں نے بڑی جرأت سے کام لیکر اور عام روش سے ہٹ کر بڑی بڑی شخصیتوں پر آزادانہ اور جرأت مندانہ تنقیدیں شروع کر دیں۔ انھوں نے (اور تو اور) صحابہ اور تابعین تک کے اقوال و افعال کو بھی جانچا اور پرکھنا شروع کیا۔ اور عقل و بصیرت کے مطابق واقعات کے منطقی نتائج نکالنا شروع کر دیئے۔ اس دوران میں یونانی، ہندی، اور ایرانی فلسفوں کا زور ہوا تو سارا ملک اس طرف متوجہ ہو گیا لیکن اس سلسلہ میں یہ توازن برقرار رہا کہ جو مسئلہ قرآن اور متفق علیہ احادیث کے صریح مخالف نہ ہوتا تھا اسے قبول کر لیتے تھے ورنہ رد کر دیتے تھے۔

عقل کی آزادی اس قدر بڑھی کہ عوام تک نے جنات کو خدا کی ایک مستقل مخلوق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ جن بھی چیز تھے جو دکھائی نہیں دیتے تھے اس لئے جو چیز دکھائی ہی نہیں دیتی وہ ایک مادی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے۔ بھوت پریت اور غول بیابانی وغیرہ کے وجود سے بھی عام لوگ منکر تھے۔ ان چیزوں سے ڈرنا تو درکنار وہ جن، بھوت، پریت، دیو، پری اور غول بیابانی کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ لوگ ڈر اور خوف کے عادی ہی نہیں تھو وہ کہا کرتے تھے کہ ڈر اور خوف کوئی چیز ہی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں ڈرتے تھے اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ظالم حاکم تو ہے نہیں کہ اس سے ڈرا جائے بلکہ وہ ایک ایسی ذات ہے جس نے اپنے اوپر عدل کے قوانین کو لازم کر لیا ہے۔ اس لئے جس طرح عدل اسکی سیرت ہے اسی طرح عدل ہماری سیرت ہے اور اس کا قانون ہمارا قانون ہے۔ چونکہ معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان اختیار و ارادہ کا مالک ہے اور خیر و شر قادر ہے اس لئے اسے اسکی اچھائیوں اور برائیوں کے مطابق جزاء اور سزا ملے گی۔ وہ کہتے تھے کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ برائی معاف بھی ہو سکتی ہے تو پھر وہ اچھائی کی طرف رخ ہی نہیں کرے گا۔ اگر ہر شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہے تو بدی اور شر بہت حد تک کم ہو جائیں۔

معتزلہ نے صرف اپنے مخصوص عقائد کی ترویج و اشاعت ہی کی کوشش نہیں کی بلکہ علوم و فنون کے ہر شعبہ میں انھوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ زبان و لغت کی تدوین میں انھوں نے کافی حصہ لیا۔ زبان و لغت کے بڑے بڑے امام مثلاً نظام، جاحظ، بشر ابن المعتمر، ثمامہ اور احمد بن ابی داؤد، ابو عبیدہ، راغب، ابن فارس وغیرہ جیسے یگانہ روزگار ائمہ لغت و ادب کی مثالیں پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ یہ تمام کے تمام معتزلہ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ زور بیان اور طلاقت لسانی اور خطابت میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ جاحظ اور نظام وغیرہ کی کتابیں اور ان کے فقرے آج تک زبان و ادب کے جواہر ریزے شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ معتزلہ ہی تھے جو علم البلاغت کے موجد و مخترع تسلیم کئے جاتے ہیں۔ فقہ کی تدوین میں بھی ان کا کافی حصہ تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ فقہ کی تدوین پر متوجہ ہونے سے پہلے متکلمین کے ایک بڑے ستون تسلیم کئے جاتے تھے۔ تفسیر قرآن میں بھی ان کی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں جا بجا کہیں امام ابو مسلم اصفہانی کے اقوال نقل کر دیتے ہیں تو وہاں ایک عجیب قسم کی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ یونانی فلسفہ کو اپنا کر انھوں نے اسلامی عقائد میں اسے جس خوبی سے سمویا اور علم کلام کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد رکھی وہ اسکی زندہ شہادت ہے۔

معتزلہ کا عروج

بنو امیہ کے زمانہ میں معتزلہ کا حلقہ زیادہ نہیں پھیلا مگر ان کی جماعت قائم ہو چکی تھی۔ عباسی عہد میں ابو جعفر منصور کے دور حکومت میں عمرو بن عبید معتزلی کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ ہارون رشید کے عہد میں ان کا کوئی خاص زور نہیں تھا کیونکہ وہ بحث و مباحثہ سے بہت دور بھاگتا تھا اس نے منادی کرا دی تھی کہ عام لوگ اس قسم کے مباحثوں میں حصہ نہ لیا کریں۔

عمرو بن عبید نہایت دور اندیش اور مدبر تھے ان کی شروع ہی سے یہ رائے تھی کہ مسئلہ اعتزال کو عوامی مسئلہ بنانا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو اسے سرکاری سرپرستی سے دور ہی رکھا جائے۔ چنانچہ عباسی خلیفہ منصور نے جب عمرو بن عبید سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے معتزلیوں کے نام بتائیں جنہیں اہم سرکاری عہدوں پر فائز کیا جا سکے تو انھوں نے منصور کی یہ پیش کش قبول نہیں کی تھی۔ البتہ وہ منصور کو اہم ملکی معاملات میں مشورہ ضرور دیتے رہتے تھے اور خیر خواہانہ نصائح بھی کرتے رہتے تھے۔ لیکن احمد ابن ابی داؤد اور ثمامہ کی کوششوں سے مامون الرشید نے باقاعدہ طور پر اس مسلک کو قبول کر لیا اور مسلک اعتزال کو سرکاری سرپرستی میں لے لیا۔ اسی وقتی طور پر مسلک اعتزال کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی۔ الناس علی دین ملوکہم کے مطابق ہر طرف مسلک اعتزال کا چرچا ہونے لگا ان کا مسلک چونکہ عقل و بصیرت پر مبنی تھا اسلئے وہ خود بھی لوگوں کو اپیل کرتا تھا اسکے ساتھ ہی سرکاری مشینری بھی اسکی تائید میں حرکت کرنے لگی تو وہ پورے عالم اسلام پر چھا گیا۔ عدالتوں میں فیصلے اسی مسلک کے مطابق ہونے لگے جو لوگ اس مسلک کے خلاف زبان ہلاتے تھے ان پر حکومت وقت کی طرف سے باقاعدہ تعزیریں لگائی جاتی تھیں اور سزائیں دی جاتی تھیں اسلئے جو لوگ بدل و جان اس مسلک کے مؤید نہیں تھے وہ بھی زبان سے اسکی تائید کرنے پر مجبور تھے۔

بڑے بڑے فقہاء اور محدثین میں یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ رویت باری جیسے مسئلہ کے متعلق علی الاعلان حدیثیں بیان کر سکیں۔

باب المراسلات

غلام اور لونڈیاں

گجرات سے ایک صاحب کا حسب ذیل گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔

میں نے ادارہ طلوع اسلام کراچی کے شائع کردہ تین اہم مسائل میں غلام اور لونڈیاں والے مضمون کو دو تین بار توجہ سے پڑھا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ عین مطابق منشائے انسانیت ہے جس سے کوئی بھی پابند اخلاق انسان اختلاف نہیں کر سکتا۔ اول تو ایک انسان کا دوسرے انسان کو اپنا غلام یا لونڈی بنانا خلاف قانون فطرت انسانی ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ ان غلاموں اور لونڈیوں سے انسانیت سوز سلوک روا رکھنا پرلے درجہ کی شقاوت اور انتہائی ظلم ہے بخصوصیت سے لونڈیوں (زر خرید یا اسیران جنگ) سے بلا نکاح جنسی تعلقات قائم رکھنا سراسر حیوانیت ہے اور دین اسلام کے پیروؤں کے علاوہ بھی دنیا کی کوئی مہذب قوم شاید ہی اسکو برداشت کر سکے۔ مضمون بالا میں خوب خوب دلائل آیات قرآنی سے اس موقف کو ثابت کیا گیا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بزمانہ نزول قرآن غلام اور لونڈیاں ضرور موجود تھے۔ کیونکہ بار بار ان کی پوزیشن سے متعلق ذکر آتا ہے۔ غلاموں سے اچھا سلوک کرنے اور انھیں آزاد کرنے کی ترغیب جا بجا موجود ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی ایک آیت ایسی زیر نظر آئی ہے کہ جس نے بظاہر ساری خوش فہمی پر اوس ڈالدی ہے۔ معلوم نہیں کہ جناب پرویز صاحب کی نگاہ دور رس سے کیوں اوجھل رہی ہے۔ یا صاحب موصوف نے دانستہ اسکو اپنے مضمون کے خلاف پاکر نظر انداز کر دیا۔ مجھے تو اس آیت کے ظاہری معنوں نے حیرت میں ڈالدیا ہے بلکہ مولویوں کا لونڈیوں سے بلا نکاح استفادہ کرنیکا عقیدہ ہی شاید اس آیت کی بنا پر ہونیکا شبہ گذرتا ہے۔ وھو ہذا۔

سورۂ مومنون آیت نمبر ۵، ۶ "اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا اپنے ہاتھ کے مال (لونڈی) سے کہ اس میں ان پر ملامت نہیں" پھر جس نے سوا ان عورتوں کے کچھ اور چاہا تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

میں آجتک یہی سمجھتا رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ رعایت لونڈیوں کے بارہ میں قرآن نے یہی دی ہے کہ۔ آزاد عورت کے علاوہ ایک مسلمان لونڈی سے بھی نکاح کر کے اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ لیکن لونڈی سے اگر نکاح ہو جائے۔ تو وہ بیوی ہو جائے گی لونڈی رہیگی ہی نہیں۔ آیت مذکورہ بالا میں بیویوں کے علاوہ لونڈی کا بالصراحت ذکر آ جانے سے دو قسم کی عورتوں سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اول بیوی اور دوم لونڈی۔ ان کے سوا باقی سب سے پرہیز لازم ہے میں خود تو اس فعل کو سخت مذموم سمجھتا ہوں اور میرا دل بھی نہیں مانتا کہ قرآن مجید ایسی بے حیائی کو روا رکھتا ہے۔ لیکن آیت کی عبارت کچھ ایسی واقعہ ہوئی ہے کہ اس سے انکار کرنے کی بھی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ براہ مہربانی اگر خلاف مصلحت نہ ہو تو آیت مذکورہ پر اپنے موقر رسالہ میں روشنی ڈالکر مشکور فرما دیں۔

طلوع اسلام

ہم نے "تین اہم مسائل" میں لونڈیوں کے سلسلہ میں قرآن کی ان تمام آیات کو نقل نہیں کیا جن میں "ما ملکت ایمانکم" یا "ما ملکت ایمانہم" کے الفاظ آئے ہیں۔ ہم نے صرف یہ اصولی بات لکھی تھی کہ قرآن کریم میں غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق جس قدر احکام ہیں وہ انہی کے بابت ہیں جو اس وقت اس معاشرہ میں لونڈی اور غلاموں کی حیثیت سے موجود تھے۔ قرآن میں جہاں جہاں ان کا ذکر ہے ان الفاظ میں ہے کہ ما ملکت ایمانکم جو (بطور غلام اور لونڈی) تمہاری ملکیت میں آ چکے ہیں۔ کہیں یہ نہیں کہا کہ "جنھیں تم ان کے بعد لونڈی اور غلام بناؤ"۔ (تین اہم مسائل ص۱۰۲)

محترم مستفسر نے سورۂ مومنون کی جو آیت لکھی ہے اس میں بھی "او ما ملکت ایمانہم" کے معنی یہی ہیں کہ جو لونڈیاں اس وقت مسلمانوں کے گھروں میں موجود تھیں۔ لہٰذا یہ حکم وہیں تک تھا اس کے بعد قرآن نے لونڈیوں کے دروازہ کو بند کر دیا اور جب اس معاشرہ کی لونڈیاں رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں تو ان سے متعلق احکام بھی ساقط العمل ہو گئے۔ مندرجہ صدر اصول کی روشنی میں اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھن یا دشواری پیش نہیں آنی چاہیئے۔ اس زمانہ میں جو لونڈیاں موجود تھیں قرآن نے ان سے تمتع جنسی کے رواج کو علی حالہ رہنے دیا تھا۔

ہم ضمناً اپنے محترم مستفسر کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ اگر وہ یہ الفاظ (صاحب موصوف نے دانستہ اسکو اپنے مضمون کے خلاف پاکر نظر انداز کر دیا) نہ لکھتے تو ان کا استفسار پھر بھی مکمل ہو جاتا۔ اور وہ اس بدظنی سے بچ جاتے جسے قرآن نے اثم قرار دیا ہے۔ طلوع اسلام اسے بدترین جرم سمجھتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کو اسلئے سامنے نہ لایا جائے کہ وہ اس کے کسی پیش کردہ مسلک کے خلاف جاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے چونکہ مذکورہ صدر کتاب میں قرآن کی متعلقہ آیات نقل نہیں کی گئی تھیں اس لئے اس آیت کے نظر سے اوجھل ہو جانے یا اسے نظر انداز کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا واضح رہے کہ قرآن میں بیویوں کے علاوہ ما ملکت ایمانکم کا ذکر سورۂ مومنون ہی میں نہیں آیا بلکہ دیگر مقامات پر بھی آیا ہے۔ اور ان تمام مقامات میں اس کا مفہوم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کے تراجم

ساہیوال سے ایک صاحب کا حسب مکتوب موصول ہوا ہے۔

تعدد ازدواج کے متعلق طلوع اسلام اور مدیر صدق جدید کے الگ الگ نظریئے نے بہا عجیب سی فضا پیدا کر رکھی ہے۔ ہر چند کہ قرآن کریم میں سورۃ النساء کی آیت مبارکہ ۳ کے معانی جو محترم پرویز صاحب نے کئے ہیں ایک ضابطہ حیات میں شادی کے متعلق ایک قانونی شق بالکل صاف اور واضح قابل فہم اور قابل عمل ہے مگر صدق جدید ہمارے ہی ہاں کا تصویر ہے جبکہ تاج کمپنی لاہور نے قرآن مجید مترجم عکسی رنگین کے جو متعدد نسخے بڑی محنت اور احتیاط سے طبع کئے ہیں۔ اور ان میں شاہ رفیع الدین مرحوم محدث دہلوی کا مستند مقبول عام اور مشہور و معروف ترجمہ تحت اللفظ کیا گیا ہے اور حاشیہ پر تفسیر شاہ عبدالقادر صاحب کی کی گئی ہے۔ آیت مذکور کا لفظی ترجمہ اور موضح القرآن یوں کرتے ہیں۔

ترجمہ۔ اور اگر ڈرو تم یہ کہ نہ انصاف کرو گے بیچ یتیم عورتوں کے پس نکاح کرو جو خوش لگے تم کو سوائے ان کے عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پس اگر ڈرو تم یہ کہ نہ عدل کرو تم پس ایک ہے یا جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے یہ بہت نزدیک ہے اس سے کہ نہ بے انصافی کرو تم)

موضح القرآن ۲

یعنی اگر جانو کہ یتیم لڑکی کو ہم نکاح کریں گے۔ تو اس کا حق نہ ادا کریں گے کیونکہ اس کا حق مانگنے والا نہیں تو عورتیں بہت ہیں کچھ کمی نہیں۔ ایک مرد کو دو بھی اور تین بھی اور چار بھی روا ہیں۔ اس سے زیادہ جمع کرنی روا نہیں کیونکہ اتنے میں بھی انصاف کرنا مشکل ہے زیادہ میں کب ہو سکیگا۔ سو اس قدر بھی جب کرو کہ جانو انصاف سے رہو گے نہیں تو ایک ہی بس ہے یا اپنی لونڈی کفایت ہے۔ جس کو کئی عورتیں ہوں تو واجب ہے کھانے پہننے میں اور دینے لینے میں برابر رکھے۔ اور رات رہنے میں باری برابر باندھے اگر نہ کریگا تو قیامت میں اس کا آدھا جسم گھسٹتا چلے ۳۔ اور تاکید فرمایا کہ عورت مومن کا مہر پورا خوشی سے ادا کرو اگر وہ خوشی سے کچھ چھوڑ دے تو روا ہے۔ ۱۲۔ فدوم

اور قرآن کریم کے ایک دوسرے نسخے میں جس کی طباعت اور ترجمہ مولانا فتح محمد خانصاحب جالندھری مرحوم نے کیا ہے۔ آیت مبارکہ کا لفظی ترجمہ اور موضح القرآن یوں لکھتے ہیں۔

ترجمہ۔ اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو۔ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔

ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں۔ تو اسے ذوق شوق سے کھا لو۔

چونکہ ہندوستان۔ پاکستان میں قرآن کریم کے یہ نسخے یا اس قسم کے دوسرے مترجم نسخے موجود ہیں۔ یہی تلاوت کئے جاتے ہیں۔ سمجھے اور سمجھائے جاتے ہیں۔ تو آپ ہی خود فرمائیے کہ عوام جو عربی زبان نہیں جانتے وہ اس "ضابطہ حیات" میں ایک شادی کے متعلق کیا باقی اصول و احکام کو سمجھ کر کتنا صحیح یا غلط خود عمل کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو فتوے اور نصیحت دے سکتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ جیسے عربی سے ناواقف عوام قرآن کی صحیح تعلیم سے محروم ہیں اسطرح اگر دریابادی صاحب یا ایک "مزاج شناس رسول" غلط معانی لیکر لکھنے لگ جائیں تو ان کا کیا قصور ہے۔ ہاں ظلم یہ ہے کہ ان کی تقلید ہوتی ہے اور جو کچھ وہ کہدیں وہ صحیح سمجھ لیا جاتا ہے اور اس طرح دوسری قومیں کیا مسلمان خود صحیح اسلام سے دور کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔

اس کے نتیجے پر میں یہ عرض کرونگا۔ کہ بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانان عالم کو قرآن کی سچی تعلیم دینے کے لئے محترم جناب پرویز صاحب (جن کے لئے رب العزت کی بارگاہ میں لرزتے ہوئے ہونٹوں سے آرزو ہے کہ وہ انھیں اس کی توفیق ارزانی کرے) کہ اپنی پہلی فرصت میں مترجم قرآن کریم کی طباعت کرائیں۔ کہ میں بھی اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کے دئیے ہوئے ضابطہ حیات کو سمجھ سکوں اور وراثت میں یہی ایک تبرک جائیداد اپنی اولاد کو دے سکوں۔

عید الضحیٰ نزدیک آرہی ہے۔ اور جیسا کہ اوپر شادی کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہمارے علمائے کرام نے ناقابل فہم و عمل بنا رکھا ہے۔ اس طرح گلی گلی اور قریہ قریہ میں اپنی اپنی نجات کے لئے جانور ذبح کر کے قربانی کرنا اور پلصراط سے سلامتی سے گذر جانے کا ذریعہ تیار رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورۃ الحج کی آیہ مبارکہ ۳۶ اور ۳۷ بمعہ موجودہ دور کے علمی سطح کے مطابق ترجمہ طلوع اسلام میں ایک دوبارہ لکھیں تاکہ عام مسلمان اس صحیح حکم کو سمجھ کر عمل کر سکیں۔ لاہور سے پچھلے سالوں میں اس مضمون پر ایک پمفلٹ نکلا تھا اسکی دوبارہ طباعت فرما کر طلوع اسلام کی نمبروں کو قیمت پر ارسال کریں۔ تاکہ

اوّل۔ اللہ تعالیٰ کا صحیح حکم سامنے آجائے۔ اور

دوئم۔ بیرونی امداد پر زندہ رہنے والا مسلمان ملک اس فالتو خرچ سے بچ سکے جہاں تو کی دو چار کا پیاں ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

طلوع اسلام اس میں شبہ نہیں کہ یہ چیز ہر صاحب فکر کے لئے موجب حیرت بن جاتی ہے کہ قرآن کے موجودہ ترجموں میں جہاں کسی کے ہاں کوئی غلطی ہوتی ہے ہر ایک ترجمہ میں وہی غلطی کیوں ہوتی ہے؟۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں نہ قرآن کے کسی ترجمہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی اسکی کوئی تفسیر لکھی گئی تھی۔ سب سے پہلی اور جامع تفسیر امام ابن جریر طبری نے تیسری صدی ہجری میں لکھی۔ اس تفسیر میں انھوں نے التزام یہ کیا کہ جو کچھ لکھا اسکی تائید میں کوئی نہ کوئی روایت ضرور لکھدی۔ لہٰذا ان کی تفسیر ان کی اپنی تفسیر نہ رہی بلکہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کبار کی تفسیر سمجھی گئی۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب روایات سازی کا بازار گرم تھا اور ہر موضوع پر وضعی روایات آسانی سے دستیاب ہو جاتی تھیں۔ امام طبری نے تفسیر کے علاوہ سب سے پہلی جامع تاریخ بھی لکھی۔ (یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ امام طبری دراصل شیعہ تھے لیکن انھوں نے یہ تفسیر اور تاریخ دونوں سنیوں کے امام کی حیثیت سے لکھیں) چنانچہ ان کی تفسیر ام التفاسیر اور ان کی تاریخ ام التواریخ کہلاتی ہے

ان کے بعد جو تفسیریں بھی لکھی گئیں وہ بالعموم امام طبری ہی کی تفسیر کے تتبع میں لکھی گئیں۔ اس لئے کہ ان کی تفسیر کی تائید میں روایات لکھی گئی تھیں۔ لہٰذا ان کے خلاف تفسیر لکھنے کے معنے یہ تھے کہ آپ رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف جا رہے ہیں۔ جہاں جہاں کسی نے ان سے اختلاف کیا وہ اسی بنا پر کیا کہ ان کی فلاں روایت کمزور ہے اور اس کے مقابلہ میں یہ روایت قوی ہے۔

بنا بریں بجز ان مستثنیات کے جن میں کسی نے اختلاف کیا ہو ہمارے ہاں قرآن کا وہی مفہوم صحیح سمجھا گیا ہے جسے امام طبری نے سمجھا دیا ہے۔ تفسیروں کے بعد جب ترجموں کی باری آئی تو ان میں بھی اسی مفہوم کو پیش نظر رکھا گیا جو تفسیر میں بیان ہوا تھا۔ لہٰذا ہمارے ترجمے قرآنی الفاظ کے ترجمے نہیں بلکہ قرآن کے اس مفہوم کے مظاہر ہیں جو ہماری تفسیروں میں بیان ہوا ہے چونکہ یہ تفسیریں مطبوعہ بخارا، شام اور ہندوستان۔ عرب و عجم ہر جگہ درس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کا ترجمہ خواہ وہ فارسی میں ہو یا ترکی میں۔ اردو میں ہو یا خود عربی میں ہر جگہ کم و بیش ایک جیسا ہوتا ہے۔ اب جو غلطی ایک میں پائی جائے گی وہ دوسروں میں بھی پائی جائے گی۔ مثال کے طور پر سورۃ نسا کی زیر نظر آیت کو لیجئے۔ آیت ہے۔ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم ..... اس کا ترجمہ آپ کو یہ ملے گا کہ

اور اگر ڈرو تم یہ کہ نہ انصاف کرو گے بیچ یتیم عورتوں کے پس نکاح کرو جو خوش لگے تم کو سوائے ان کے عورتوں سے۔

آپ دیکھیں گے کہ یہ الفاظ کہ تم ان کے سوائے اور عورتوں سے نکاح کرو قرآن میں نہیں ہیں۔ اور اسی ٹکڑے نے (کہ تم ان کے سوا اور عورتوں سے نکاح کرو) سارے مفہوم کو بدل دیا ہے۔ یعنی قرآن نے کہا تھا کہ انہی عورتوں میں سے جو بلا شوہر کے رہ گئی ہوں) اپنی حسب منشا ایک سے زیادہ شادیاں کر لو۔ اور ترجمہ نے یہ کہا کہ ان عورتوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے شادیاں کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یہ الفاظ قرآن میں نہیں تو ترجمہ میں کیسے آگئے؟ ترجموں میں یہ الفاظ تفسیر سے آئے۔ اور تفسیر میں ایک روایت کی سند سے آئے۔ چنانچہ بخاری میں ایک روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ لوگ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے ان کی حق تلفی کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ حکم آیا کہ تم ان لڑکیوں سے نکاح نہ کرو۔ اور عورتیں بہت ہیں ان سے دو دو تین تین چار چار تک نکاح کر لیا کرو۔ یہ روایت تفسیر میں آئی اور اس تفسیری مفہوم کے ماتحت ترجمے ہوئے۔ اب جو شخص اس ترجمہ پر اعتراض کرے تو اسے کہدیا جاتا ہے کہ یہ تو خود رسول اللہ صلعم کا بیان فرمودہ مفہوم ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم نے اپنی حدیثوں کا کوئی مجموعہ امت کو نہیں دیا تھا۔ اور تفسیریں اس زمانہ میں لکھی گئی تھیں جب خود محدثین کی تحقیق کے مطابق وضعی حدیثوں کا بازار گرم تھا۔ بہرحال یہ سبب ہے کہ ہمارے ترجمے قرآن کے الفاظ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک جب رسول اللہ صلعم نے اپنی تفسیری احادیث کا کوئی مستند مجموعہ امت کو نہیں دیا تو قرآن کے سمجھنے کا صحیح اور محفوظ طریقہ یہی ہے کہ خارجی اثرات کو الگ رکھکر قرآن کو خود قرآن ہی سے سمجھا جائے۔ یعنی عربی زبان کی رو سے اور قرآن نے تصریف آیات سے اپنا جو مفہوم خود واضح کر دیا ہے اسکی رو سے۔

محترم پرویز صاحب انہی اصولوں کے مطابق قرآنی الفاظ کی لغت اور قرآن کا مفہوم مرتب کر رہے ہیں۔ تصریف آیات پہ ان کی نگاہ کتنی دور تک جاتی ہے اس کا اندازہ معارف القرآن کی جلدوں سے لگ سکتا ہے۔ لغت اور مفہوم کا کام بہت بڑا کام ہے لیکن وہ اس کا بیشتر حصہ مکمل کر چکے ہیں اور اب تھوڑا سا حصہ باقی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی یہ محنت اور کاوش قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی ممد و مددگار ہوگی۔ اس کی طباعت کے متعلق البتہ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا اس کے متعلق وقت آنے پر پتہ چلیگا۔

قربانی قربانی کے متعلق اس سے پہلے طلوع اسلام میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور جس پمفلٹ کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بھی طلوع اسلام ہی کے ایک مضمون پر مشتمل ہے۔ بات بالکل واضح ہے۔ قرآن نے جہاں بھی جانور ذبح کرنے کا ذکر کیا ہے اسکی تقریب حج اور اس کا مقام کعبہ بتایا ہے۔ لہٰذا عام لوگوں کے لئے اپنے اپنے شہروں اور بستیوں میں عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرنے کا حکم قرآن میں نہیں آیا۔ ہم صرف اتنی سی بات کہتے ہیں۔

۳۔ امریکی امداد کراچی سے ایک صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ سابقہ اشاعت میں امریکی

امداد کے متعلق طلوع اسلام نے جو کچھ لکھا ہے اس سے میں بالکل متفق ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس امداد کی شکل غلط ہے۔ وہ ہمیں مختلف چیزوں کی امداد دیتے ہیں اور ان چیزوں کا حشر یہ ہوتا ہے کہ یہاں کے نالائق اور بددیانت ہاتھوں میں پڑ کر ان کا بیشتر حصہ خرد برد ہو جاتا ہے اور بہت کم چیز اصل ٹھکانے پر پہنچتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ہم ان کا احسان بھی لیتے ہیں اور ہمارا بنتا بھی کچھ نہیں ہمارے ہاں جس چیز کی بنیادی کمی ہے وہ ملک کے منتظمین (Administrators) کی کمی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم امریکہ سے کہیں کہ وہ ہمیں ایسے منتظمین دے کہ جو مملکت کے نظم و نسق کو نہایت عمدگی سے چلا سکیں۔ وہ منتظمین نہ صرف ہمارے نظم و نسق ہی کو چلائیں بلکہ ہمارے ہونہار نوجوانوں کو اس کی ٹریننگ بھی دیں۔ اس سے ایک تو ہم اس طبقہ سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے جن کا پیشہ ہی سیاست ہے اور دوسرے ہمارے ملک کی گاڑی صحیح پٹڑی پر پڑ جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ امریکہ والے اپنے مفاد کو ضرور پیش نظر رکھیں گے لیکن وہ تو موجودہ امداد کے سلسلہ میں اپنے مفاد کو سامنے رکھ رہے ہیں۔

طلوع اسلام طلوع اسلام اس تجویز پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ملک کے نالائق اور بددیانت ارباب بست و کشاد نے قوم کو اس نتیجہ تک پہنچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ہمارے ہاں صحیح نظم و نسق کا اہل کوئی بھی نہیں ہے۔ اہل کوئی ہو یا نہ ہو واقعات تو اسی کی تصدیق کر رہے ہیں کہ یہاں رجال رشید کی بڑی ہی کمی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے متوسط طبقہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو تھوڑی سی ٹریننگ سے امور جہانبانی کے نہایت عمدہ اہل ہو سکتے ہیں ہماری مشکل یہ ہے کہ اوپر کا طبقہ انہیں آگے بڑھنے کے لئے موقع ہی نہیں دیتا۔ لہٰذا سوچنا یہ چاہئے کہ اس "کرگسی" طبقہ کے چنگل سے نجات کیسے مل سکتی ہے!۔

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت — ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی (۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیے۔ (۵) ہر آرڈر کے علاوہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ کراچی

دریاں اور کھیس

ہر قسم ہر سائز مناسب قیمت پر ساکھ سے تیار لیجئے یا آرڈر دے کر اپنی پسند کی بنوا لیجئے۔

پنجاب دری اسٹور رادھا (؟) گولڈن ... مارکیٹ کراچی۔

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش ——— قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات ——— قیمت ——— آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

سلیم کے نام از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات قیمت ——— چار روپے

اسباب زوال امت از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔ ایک سو اڑتالیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سسکتی ہوئی تاریخ۔ ۲۰۷ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہے؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۴ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یک جا نہیں ملیں گی دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۲۱۴ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

نظام ربوبیت از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔ قیمت قسم اول ——— چھ روپے قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

اقبال اور قرآن از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ گرد پوش کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

جاوید پریس بیکلوڈ روڈ کراچی

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات اور زمانہ جاہلیت میں ان کی حیات عقلیہ کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ ان کے حالات و کوائف نے ان کی اخلاقی اور اجتماعی کیفیات پر کس طرح اثر انداز تھے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ کو بیان کرنے کے بعد آج کی فرصت میں اس کے مظاہر میں سے ایک مظہر یعنی لغت اور زبان کے باب میں یہ بیان کیا جائیگا کہ ہم اس سے کس طرح ان کی حیاتِ عقلیہ کا پتہ لگا سکتے ہیں اور اس راستہ میں کیا کیا دشواریاں ہیں۔

(دوم) عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان قبائل میں — کم و بیش — زبان اور لہجہ میں باہمی اختلافات بھی ہوتے تھے بعض قبیلے ایک لفظ کو استعمال کرتے تھے اور دوسرا قبیلہ اسکو استعمال نہیں کرتا تھا یا اسکی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرتا تھا۔ روایات میں موجود ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ جب قبیلۂ دوس سے فتح خیبر کے سال آئے اور رسول اللہ صلعم سے ملاقات کی — ایک مرتبہ رسول صلعم کے دست مبارک سے چھری گر پڑی تھی — تو آپ نے ابوہریرہؓ سے فرمایا مجھے چھری پکڑا دو" (نَاوِلْنِي السِّكِّيْنَ) تو ابوہریرہ دائیں بائیں دیکھنے لگے اور سمجھ نہیں سکے کہ سِکِّیْن کے لفظ سے آپ کا مقصد کیا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے دوبارہ سہ بارہ وہی بات دہرائی تو ابوہریرہؓ نے چھری کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا کہ آپ چھری (مُدْيَة) مانگ رہے ہیں؟ تو لوگوں نے انھیں بتایا کہ "ہاں" ابوہریرہ نے تعجب سے کہا کہ کیا تم لوگ اسے سِکِّیْن کہتے ہو؟ اور اس کے بعد ابوہریرہ کہنے لگے کہ بخدا میں نے تو اس سے پہلے کبھی یہ لفظ سنا ہی نہیں۔ زبان و لغت کے ان اختلافات کی انفرادیت و یگانگت اسلام سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی اور یہ عمل اسلام کے بعد بھی مسلسل جاری رہا۔ بسا اوقات ایک قبیلہ ایک لفظ کو استعمال کرتا تھا جسے دوسرا قبیلہ استعمال نہیں کرتا تھا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ کسی قبیلے کے بعض طبعی اور اجتماعی کوائف و حالات ان کوائف و احوال سے مختلف ہوتے تھے جو کسی دوسرے قبیلے کے ہوتے تھے۔ مثلاً کوئی قبیلہ ساحل پر آباد تھا تو دوسرا قبیلہ پہاڑیوں پر آباد تھا، تیسرا قبیلہ میدانی نرم زمین پر آباد ہوتا تھا وغیرہ ذلک۔ لہٰذا کسی شاعر کے شعر میں اگر ہمیں کوئی ایک لفظ ملتا بھی ہے تب بھی ہم اس سے سارے عربوں کی حیات عقلیہ پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

(سوم) بہت سے عربی الفاظ اسلامی عہد میں پیدا ہوئے ہیں۔ ابن جنی نے خصائص میں بیان کیا ہے کہ "ایک عربی آدمی کی فصاحت جب قوی ہوتی اور طبیعت بلند ہوتی ہے تو وہ ایک لفظ سے نئے نئے لفظ بناتا چلا جاتا اور نئے نئے الفاظ گڑھنا شروع کر دیتا ہے جو اس سے پہلے لوگ استعمال نہیں کرتے تھے چنانچہ رؤبہ اور اس کے والد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں ایسے ایسے الفاظ گڑھ لیتے تھے جو نہ انھوں نے کبھی کسی سے سنے ہوں اور نہ ان سے پہلے لوگوں نے استعمال کئے ہوں" اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ بہت سے الفاظ کے معنی اسلام کے بعد تبدیل ہو گئے۔ مثلاً ایک لفظ کے معنی زمانہ جاہلیت میں عام ہوا کرتے تھے مگر اسلام کے بعد وہ کسی ایک مفہوم کے لئے خاص ہو گئے، چنانچہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، بیع، مزارعت وغیرہ الفاظ اسی قسم کے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک لفظ کا مدلول زمانہ جاہلیت میں کچھ اور ہوتا تھا اور اسلام کے بعد کچھ اور ہو گیا۔ کیونکہ تمدن و حضارت میں بسنے والوں کی عقلیں ایک اسٹیج سے دوسرے اسٹیج کی طرف برابر منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان انتقالات سے قدرتی طور پر الفاظ کے مفہوم بھی بدلتے رہتے ہیں، مثلاً کرسی، مائدہ، خوان، مطبخ، کانون، ملعقہ کا مفہوم جو ایک بدوی آدمی کے ذہن میں ہو سکتا ہے وہ اس سے قطعاً مختلف ہوگا جو ایک متمدن آدمی کے ذہن میں ہوگا۔ ایک بدوی آدمی کے ذہن میں کرسی کا مفہوم ایک نہایت ہی سادہ سی شکل پر ہوگا جب کرسی کا لفظ بولا جائے لیکن ایک متمدن آدمی کے ذہن میں کرسیوں کی وہ مختلف شکلیں آ جانا لازمی ہیں جن کا ایک بدوی آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ذرا ایک قدم اور آگے بڑھائیے اور سوچئے کہ آج کے عہد میں تو تمدن، صحافت، جریدہ، مطبعہ کے الفاظ سے ہمارے ذہنوں میں کیا کیا شکلیں پیدا ہوتی ہیں اور انہی الفاظ سے ایک بدوی آدمی کیا کچھ سمجھتا ہوگا۔ بدوی کو تو چھوڑئیے عباسی عہد میں ایک متمدن آدمی ان الفاظ کو کیا سمجھتا ہوگا۔ یقیناً ان الفاظ کا وہ مدلول جو آج ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے اس مدلول سے قطعاً مختلف ہوگا جو عباسی عہد کے ایک متمدن عرب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہوگا اور اس مدلول سے تو کہیں زیادہ مختلف ہوگا جو ایک بدوی آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا ہوگا۔

اول تو یہ پتہ لگانا ہی نہایت دشوار ہے کہ جاہلی عربوں کا اسلام سے پہلے ذخیرۂ الفاظ کیا تھا؟ اور اگر یہ معلوم بھی ہو جائے تو یہ معلوم کرنے کا کونسا راستہ ہے کہ ان الفاظ کا مفہوم پوری باریکی کے ساتھ ان کے نزدیک کیا ہوا کرتا تھا؟ یہ ایک ایسی جستجو ہے جس میں کامیاب ہونا بڑا ہی مشکل ہے۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن کریم اس مشکل کو پوری طرح پر حل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں نے اسکے نازل ہونے کے عہد میں اسے سمجھا۔ قرآن کی نصوص اس قسم کی ہیں کہ ان میں شک کی گنجائش بھی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قرآن کریم کے ذریعہ سے ہم زمانہ جاہلیت کی زبان کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ مگر یہ دعویٰ کئی جہت سے قابل غور ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ قرآنی نصوص میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ معاندین کے جو اقوال قرآن کریم نقل کرتا ہے یا ان کی حیات اجتماعیہ و اقتصادیہ کی جو کچھ وہ صورت کشی کرتا ہے۔ ان سے جاہلیت کی حیاتِ عقلیہ کے متعلق ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے لیکن یہ مشکل اپنی جگہ پر پھر بھی باقی رہتی ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ، اسکی تعبیرات اور اس کے معانی مکمل طور پر جاہلی عربوں کی زبان کا نمونہ پیش نہیں کرتے قرآن کریم نے ایسے الفاظ کو بھی استعمال کیا ہے جنھیں جاہلی عرب استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس نے بعض الفاظ کو مخصوص معنوں میں استعمال کیا ہے جنھیں جاہلی عرب ان مخصوص معنوں ہی میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس نے ان استعارات و مجازات سے بھی کام لیا ہے جو اس دائرے سے خارج تھے جنھیں جاہلی عرب استعمال کیا کرتے تھے۔ قرآن کے اسلوب میں ایک خاص قسم کی گہرائی ہے جو جاہلی عربوں کے اسلوب سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے کچھ خاص مضامین و معانی ہیں۔

سیوطی نے "المزہر" میں لکھا ہے کہ "ابن خالویہ کا بیان ہے کہ جاہلیت کا لفظ وہ اسم ہے جو اسلامی عہد میں اس زمانہ کے لئے پیدا ہوا جو رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے تھا۔ ایسے ہی منافق ایک اسلامی اسم ہے جس سے زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگ واقف نہیں تھے۔ ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت کے کلام اور اشعار میں فاسق کا لفظ قطعاً کبھی نہیں سنا گیا .... الخ" ان تصریحات کے بعد ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کا ذخیرۂ الفاظ، اور قرآن کے مضامین اور امثال زبان کی جہت سے عربوں کی حیات عقلیہ کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

تاہم ان تمام دشواریوں کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے جو اشعار اور ضرب الامثال صحیح سند سے سلامتی کے ساتھ ہم تک پہنچ گئے ہیں، وہ — کسی نہ کسی حد تک — جاہل عربوں کی حیات عقلیہ پر کچھ رہنمائی ضرور کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ رہنمائی ایسی ہی ہوگی جیسے کسی کے کرتہ کی ایک آستین ہمیں مل جائے اور اس آستین کو دیکھکر ہم یہ اندازہ لگائیں کہ خود وہ کرتہ کتنا لمبا اور کتنا چوڑا ہوگا۔ نیز یہ بھی کہ اس سلسلہ میں مادی چیزوں اور معنوی چیزوں کا پتہ لگانے میں بہت ہی مختلف قسم کی دشواریاں پیش آئیں گی۔

اس کے بعد جو الفاظ بچ جاتے ہیں ان سے بھی صاف نظر آتا ہے کہ اسلام سے پہلے عربی زبان کے الفاظ کا مجموعہ کس قدر وافر (Rich) تھا خصوصیت کے ساتھ وہ الفاظ جو کسی نہ کسی حد تک ان کی معیشت سے تعلق رکھتے تھے۔ استاد نُوْلدِکہ نے اس چیز کو کتنے عمدہ الفاظ میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قدیم عربی زبان کے الفاظ کے ذخیرہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو حیرت میں رہ جاتے ہیں ایک طرف تو ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زندگی نہایت سادہ زندگی تھی اسکے تمام احوال و کوائف میں انتہائی سادگی تھی ان کے ملک کے مناظر ایک ہی نوعیت کے تھے اور ان میں ایک کا دوسرے سے ملتے جلتے تھے جنھیں دیکھکر آدمی اکتا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ بظاہر یہی ہونا چاہئے تھا کہ عربوں کا فکری دائرہ نہایت ہی تنگ ہوتا لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اس تنگ ترین دائرے کے اندر بھی انھوں نے معمولی معمولی تبدیلیوں کے لئے بھی —————— اگرچہ یہ تبدیلیاں کم ہی ہوتی تھیں —————— متفرق الفاظ وضع کر لئے تھے۔

حقائق و عبر

سُرمۂ منتوی البصر

اقبال نے کہا تھا کہ
ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ملک کے چھن جانے میں وہ کون سے سرمہ کی خصوصیت ہے جس سے ملت کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ اقتدار چھن جانے میں واقعی قصد کھلنے کی سی تاثیر ہوتی ہے۔ جس سے بڑے بڑے اندھوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اس کی تازہ مثال فضل الرحمٰن صاحب ہیں۔ جن کا شمار بجا طور پر پاکستان کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک حالیہ بیان میں فرمایا ہے کہ جب میں قلمدان وزارت سنبھالے ہوئے تھا تو مجھے اس کا قطعاً احساس نہ تھا کہ سیفٹی ایکٹس کس قدر خرابی کا موجب ہیں۔ لیکن وزارت کی کرسی چھننے کے بعد میں نے دیکھ لیا کہ یہ قوانین بڑی خرابیوں کا موجب ہیں۔

(ڈانؔ کراچی یکم جولائی ۱۹۵۵ء)

آپ نے دیکھ لیا کہ اقتدار چھن جانے سے نگاہوں پر سے کتنے بڑے بڑے دبیز پردے اٹھ جاتے ہیں؟ بعض کے متعلق تو سنا ہے کہ انھیں دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں اور بعض کو ایک کے دو دو دکھائی دینے لگتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فضل الرحمٰن صاحب کو یہ روشنی کچھ پسند نہیں آئی کیونکہ وہ مجلس دستور ساز کے مری کے اجلاس میں جس طرح خواہ مخواہ نمایاں ہونے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس سے نظر آتا ہے کہ وزارت کی ہوس انھیں نچلا نہیں بیٹھنے دیتی۔ دیکھیں وہ دن کب آتا ہے کہ یہ موجودہ روشنی کی فضا کو چھوڑ کر پھر اس ظلمت کدہ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ جہاں ملک میں ہر طرف حیرت ہی حیرت نظر آیا کرتی ہے۔

مجبوریاں

پچھلے دنوں پنجاب کابینہ میں دو اور وزیر شامل کرلئے گئے ہیں۔ اس کے متعلق جب وزیر اعلیٰ (عبدالحمید دستی) سے پوچھا گیا کہ آپ نے تو شروع میں کہا تھا کہ کابینہ میں صرف ایک وزیر کا اضافہ کیا جائے گا۔ اور اب آپ نے دو وزراء کو شامل کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ آپ کو علم نہیں کہ میں اور میرے ساتھی دو اور وزیر مجلس آئین ساز میں بھیجے گئے ہیں۔ ہمارا سارا وقت تو وہاں صرف ہو جایا کرے گا۔ اس لئے حکومت کا کام چلانے کے لئے اور وزیر رکھنے پڑے۔

ان سے کوئی پوچھے کہ جب آپ کو علم تھا کہ مجلس دستور ساز کی رکنیت سے آپ کا وقت وہیں صرف ہو جائے گا تو آپ اس مجلس میں آئے ہی کیوں ہیں؟ آپ یا تو وزیر رہتے یا مجلس آئین ساز میں آتے۔ لیکن آپ بدستور مسند وزارت پر بھی متصرف ہیں اور مجلس آئین ساز میں بھی براجمان ہیں یہ الگ بات ہے کہ وزارت کا کام چلانے کے لئے الگ وزیر مقرر کرلئے گئے ہیں۔

یہ ہیں پاکستان کے وہ محب وطن جنھیں ملت کا درد کسی پہلو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ مشرقی بنگال کی متحدہ محاذ کی جماعت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ صوبائی وزراء مجلس آئین ساز میں ممبر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس سے انھیں وزارت کے فرائض سرانجام دینے کے لئے وقت نہیں ملے گا۔ یہ فیصلہ بہت مناسب و معقول تھا لیکن ہوا یہ کہ وہاں کے وزیر اعلیٰ ابوحسین سرکار صاحب مجلس دستور ساز کے اراکین کے ساتھ ہی مری تشریف لائے اور جتنے دن مجلس کا اجلاس ہوتا رہا مری ہی میں رہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ یا دیگر وزراء نے اس طرح صوبے سے باہر ہی رہنا تھا تو انھیں مجلس دستور ساز کا ممبر ہی کیوں نہ بنا دیا گیا جو کچھ دستی صاحب نے پنجاب میں کیا ہے۔ وہی کچھ ابوحسین سرکار صاحب بنگال میں کر لیتے۔

کشمکش

اخباروں میں یہ خبر چھپی ہے کہ سعودی عربیہ کی حکومت نے احکام نافذ کئے ہیں کہ اخبارات اور رسائل میں اشتہارات کے طور پر جو انسانی تصویریں شائع ہوں ان کا سر اڑا دیا جائے۔ یعنی تصویر صرف دھڑ کی ہوگی، سر کے ساتھ نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شریعت کی رو سے کسی جاندار کی تصویر کھینچنا ناجائز ہے اور جب تصویر سے سر اڑا دیا جائے تو وہ جاندار کی تصویر ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ سر کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا کچھ عرصے کا ذکر ہے کہ ہندوستان میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے بھی یہی فتوے دیا تھا کہ "ہاف ٹون" کی تصویر جائز ہے (ہاف ٹون سے ان کی مراد آدھے جسم کی تصویر تھی) اس کی دلیل بھی یہ تھی کہ جب انسان کا آدھا جسم کاٹ دیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے آدھے جسم کی تصویر جاندار کی تصویر نہیں کہلا سکتی۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس قسم کے احکام یا فتاوے کس ذہنیت کی غمازی کرتے ہیں؟ اس سے اس کشمکش کا پتہ چلتا ہے جس کی رو سے یہ حضرات چاہتے ہیں کہ تصویر شائع بھی ہو جائے اور شریعت کے احکام کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی جاندار کی تصویر کھینچنا ناجائز ہے تو آدھے دھڑ کی یا سر کے بغیر باقی دھڑ کی تصویر بھی کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی۔ آپ غور کیجئے کہ انسان خود ہی اپنے لئے زنجیریں تیار کر لیتا ہے اور پھر ان سے نکلنے کے حیلے تراشتا رہتا ہے۔ جہاں تک تصویر کشی کا تعلق ہے قرآن میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے بڑے نادرہ کار صناعوں سے تماثیل تیار کرایا کرتے تھے اور تماثیل کے اندر تصاویر اور مجسمے دونوں آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس عمل کو قرآن کریم ایک نبی کا عمل کہہ کر اس کا ذکر کرتا ہے اور اس کے خلاف کچھ نہیں کہتا۔ تو وہ عمل کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم قرآن کی اس تعلیم پر رہتے تو ہمیں نہ وہ نفسیاتی کشمکش پیش آتی، جس میں یہ حضرات گرفتار نظر آتے ہیں اور نہ ہی اس قسم کی حیلہ تراشیوں کی ضرورت پڑتی۔ جس چیز کو خدا نے جائز قرار دیا ہے اسے جائز ہی رہنا چاہیئے۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللہُ۔

نقد و نظر

بلاغ الحق

ہندوستان اور پاکستان میں وہ کونسا مسلمان ہے جسے قرآن کریم سے کچھ ذوق ہو اور وہ شمس العلماء حافظ سید محب الحق مرحوم کی ذات گرامی سے آشنا نہ ہو۔ سید صاحب وہ برگزیدہ ہستی تھے۔ جنھوں نے آج سے قریب ستر اسی برس پہلے ظلمت کدہ ہند میں قرآن کی آواز کو بلند کیا۔ انکی ساری عمر اسی جہاد میں گذری۔ حتیٰ کہ اپنی عمر کے آخری ایام میں بھی جب ان کے تمام قویٰ قریب قریب جواب دے چکے تھے۔ ان کے ہاں قرآن ہی کے چرچے رہا کرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی کتابوں کے علاوہ انھوں نے قرآن کے متعلق شرعۃ الحق، منہاج الحق، دعوۃ الحق اور بلاغ الحق چار مشہور کتابیں لکھی تھیں۔ افسوس ہے کہ یہ کتابیں آج نایاب ہو چکی ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ان میں سے بلاغ الحق کے تھوڑے سے نسخے ان کے فرزند رشید سید محمود صاحب کے پاس موجود ہیں۔ اس کتاب میں بھی انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق قرآن۔ حدیث، اسوہ حسنہ، اطاعت رسول، عقائد، عبادات، معاملات، جیسے اہم عنوانات سے بحث کی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس زمانہ میں یہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ اس سے ہمارا دور بہت آگے نکل چکا ہے اور اس دور کے تقاضے کچھ مختلف ہو گئے ہیں۔ بایں ہمہ السابقون الاولون کی جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ انھیں کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے سید صاحب کی جو کتاب بھی مل جائے اسے مغتنمات میں سے سمجھنا چاہیئے۔ ہم قرآن سے ذوق رکھنے والے حضرات کو مشورہ دیں گے کہ وہ بلاغ الحق ضرور منگائیں۔ یہ کتاب ۲۰×۳۰ سائز کے ۱۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو صاحب تین روپیہ بذریعہ منی آرڈر ذیل کے پتہ پر بھیجدیں گے۔ انھیں کتاب گھر بیٹھے مل جائے گی۔ پتہ یہ ہے

سید محمود صاحب انجینئر ۲/۴۔ ای لینڈر روڈ کراچی

2/4. ELENDAR ROAD. KARACHI

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۶۳۱۳ کراچی

عالم اسلامی

کرنل انور سادات جنہوں نے مصر کی جانب سے افغانستان کے قضیہ میں مصالحت کی کوشش کی تھی، اس سلسلہ میں واضح بیان دیئے ہیں۔ دو دنوں میں انھوں نے بتایا ہے کہ کس طرح افغانستان نے مساعی مصالحت کو ناکام بنایا۔ مثلاً ایک موقع پر شاہ افغانستان نے ایک تجویز پیش کی جو صریحاً ان کے اپنے مفاد میں تھی اور اس کے متعلق یقین تھا کہ پاکستان اسے تسلیم نہیں کریگا۔ لیکن پاکستان نے ازرہ مصالحت پسندی اسے بھی تسلیم کر لیا۔ لیکن اس کے بعد خود شاہ افغانستان نے رد کر دیا۔ یہ بتلانے کے بعد کہ پاکستان افغانستان کا بدخواہ نہیں بلکہ اسے مضبوط اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے انھوں نے افسوس سے یہ کہا کہ افغانستان روز اول سے ہی پاکستان کا مخالف چلا آرہا ہے۔ اسنے اقوام متحدہ میں ۱۹۴۷ء میں اس کی رکنیت کے خلاف ووٹ دیا حالانکہ اسے پاکستان بننے پر خوش ہونا چاہئے تھا۔ اسیطرح افغانستان میں کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کریگا کہ پاکستانی پرچم کی توہین کی گئی اور پاکستانی سفارت خانوں پر حملے کر کے انھیں نقصان پہنچایا گیا۔ لیکن اس کی تلافی کی صورت پیدا نہیں ہو سکی جہاں افغانی حکومت کی یہ حالت ہے وہاں باشندوں کی یہ صورت ہے کہ کشمیر میں وہ پاکستانیوں کے دوش بدوش لڑ چکے ہیں اور اگر پھر کبھی وقت آپڑے تو وہ پھر اسی طرح باہم مل کر لڑینگے۔ افغانی حکومت کی پالیسی کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ کرنل سادات اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ افغانیوں کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں کہ کیا دو مسلمان بھائیوں میں لڑائی ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد انھوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اسلامی محبت امن اور اخوت کا بھولا ہوا سبق پھر یاد کریں۔ اور تعلقات باہمی کی نئی مثال قائم کریں۔

قطع نظر افغانی قضیہ کے یہ خیالات تھے قابل قدر ہیں۔ یقیناً ہر مسلمان کے دل میں یہی خیالات موجزن ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف لڑ نہیں سکتا اور انھیں ایک ہو کر رہنا چاہئے لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی عملی تشکیل کیا صورت ہے؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ مسلمان ممالک متحد ہو جائیں اور ایسا مرکزی ادارہ قائم کریں جو ان کے مشترک امور کو نپٹائے۔ آپس میں بھی اور دوسروں کے مقابلے میں بھی۔ یہ غنیمت ہے کہ اس منزلِ اتحاد و وحدت کی جانب کچھ قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔ ان میں قابل ذکر اور قابل تحسین کراچی، بغداد اور انقرہ کے معاہدے ہیں جو عنقریب ایک مشترکہ معاہدہ کی شکل اختیار کرنیوالے ہیں اس معاہدے سے وہ بنیاد میسر آجاتی ہے جس پر وحدت عالم اسلامی کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ تینوں ممالک دل کے پورے خلوص کے ساتھ اس کے لئے کوشاں ہیں کہ دوسرے ممالک اسلامیہ بھی شریک ہو جائیں۔ حیرت ہے کہ ان مساعی کی زیادہ تر مخالفت مصر کی طرف سے ہوئی ہے۔ یہ مخالفت کرنل سادات کے تذکرہ اور خیالات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ مصر یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ ترکی عراق اور پاکستان ممالک اسلامیہ میں رخنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں یا وہ اپنے آپ کو یا دیگر ممالک مسلمہ کو دوسروں کے ہاتھ بیچ دینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ واقعی یوں نہیں سمجھتا تو ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے بھائی مسلمان سے متعلق خواہ مخواہ کیوں شکوک پیدا کئے جائیں؟ یہ شکوک آگے چل کر مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کے ذمہ دار بن سکتے ہیں۔

لہٰذا کیا یہ مناسب نہیں کہ بجائے مخالفت کرنے کے مسلمان ممالک آپس میں مل بیٹھیں اور باہمی تبادلۂ خیال سے مشترکہ لائحہ عمل بنالیں؟ اگر مصر یا کسی اور ملک کو مساعی اتحاد سے متعلق کچھ غلط فہمی ہے تو وہ ان مذاکرات میں رفع کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ترکی عراق اور پاکستان جس قسم کا علاقائی معاہدہ کر رہے ہیں اس پر مصر کو کوئی اصولی اعتراض نہیں۔ ابھی دنوں ۱۵ جولائی کو مصر کے وزیر خارجہ ڈاکٹر محمود فوزی نے نیویارک میں صاف طور پر کہا ہے کہ انھیں علاقائی معاہدوں پر اعتراض نہیں البتہ وہ کسی کے حلقہ بگوش نہیں بننا چاہتے اگر بات صرف اتنی ہے تو اور زیادہ ضرورت اس امر کی ہو جاتی ہے کہ مسلمان ممالک اکٹھے ہو جائیں تاکہ کوئی بڑی سے بڑی قوم بھی ان پر غلبہ حاصل نہ کر سکے۔ اگر مصر ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو اسے ان تین ممالک سے تعاون کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا جو عالم اسلامی کو متحد کرتے ہیں اور اگر وہ مخالفت ترک کر دے تو دوسرے اسلامی ممالک بھی رشتہ وحدت میں منسلک ہو جائیں گے۔

انڈونیشیا میں چیف آف اسٹاف کی تقرری کی وجہ سے جو وزارتی بحران پیدا ہو گیا ہے اس کے رفع ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ تقرر وزیر دفاع کسوماسمنتری کی وجہ سے بتایا جاتا تھا۔ وہ اشتراکی خیالات رکھتے ہیں اور ان کی تقرری کو اس لئے پسند نہیں کیا گیا کہ وہ اپنی مرضی کے آدمی آگے بڑھا رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے استعفا دے دیا ہے۔ اس سے یوں تو یہ گنجائش پیدا ہو جاتی ہے کہ حکومت اس تقرر کو منسوخ کر دے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ حکومت چاہتی ہے کہ فوج اس تقرر کو قبول کرے خواہ اس کی شکل یہی کیوں نہ ہو کہ وہ چارج لیکر فوراً استعفا دیدیں۔ فوج اس کے لئے تیار نہیں۔ کابینہ میں کم از کم دو پارٹیاں ایسی ہیں جو اس تقرر کے خلاف ہیں۔ انکی مخالفت کی یہ حالت ہے کہ وہ وزارت سے نکلنے پر تیار نظر آتی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر وزیر اعظم ساسترامی جوجو نے صدر سوئیکارنو سے کہدیا ہے کہ چونکہ انھیں اکثریت حاصل نہیں رہی اس لئے وہ مستعفی ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا استعفا منظور نہیں کیا گیا۔ اسی بحران کا نتیجہ ہے کہ صدر سوئیکارنو نے حج سے پیشتر پاکستان اور دیگر ممالک کے دوروں کا جو پروگرام بنایا تھا وہ ترک کر دیا ہے۔ انھیں اس سلسلہ میں ۱۷ جولائی کو پاکستان بھی آنا تھا۔ پاکستان کی طرح انڈونیشیا میں بھی سطحی مذہبیت بہانہ بنکر پیدا کئے چلی جا رہی ہے۔ مسلمان بیچارا کن بلاؤں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے؟

بین الاقوامی جائزہ

عالمی توجہات کا مرکز ان دنوں جنیوا ہے جہاں چار بڑوں کی کانفرنس شروع ہے۔ جانبین سے جس قسم کے خیالات وجذبات کا اظہار کیا گیا ہے ان پر اسی اشاعت میں ادارتی صفحات میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ جنیوا پہنچنے سے پیشتر امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے وزرائے خارجہ نے پیرس میں مل کر ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کیا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ روس کو پیش کرنے کے لئے تجاویز تیار کیں۔ ان تجاویز کو ظاہر تو نہیں کیا گیا لیکن قیاس یہ ہے کہ جرمنی کی وحدت کو اساسی اہمیت دی گئی ہے۔ اقوام مغرب اس پر تیار نظر آتی ہیں کہ روس آزاد انتخابات کے ذریعہ وحدت جرمنی پر رضامند ہو جائے تو اس سے کہا جائے کہ جرمنی کی فوج ۱۲ ڈویژن سے زیادہ نہیں ہوگی (یہ وہ تعداد ہے جو مغربی جرمنی ناٹو کی تحویل میں دیگا) نیز متحد جرمنی کو اختیار ہوگا کہ وہ مغرب کا ساتھ دے یا روس کا۔ روس کی اس سلسلہ میں تجویز یہ ہے کہ پورے یورپ کا ایک مشترکہ دفاعی معاہدہ کیا جائے۔ لیکن اقوام مغرب کو یہ منظور نہیں۔ کیونکہ اس طرح انھیں ناٹو جیسی تنظیم کو ختم کرنا پڑیگا اور اس کے لئے وہ تیار نہیں۔ جرمنی کی وحدت کا مسئلہ آسان نہیں۔ روس اس پر غالباً ایک ہی شرط پر راضی ہو سکیگا اور وہ یہ کہ جرمنی غیر جانبدار رہے۔ یہ شرط اقوام مغرب کو منظور نہیں ہو سکتی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ وزیر اعظم برطانیہ نے کوئی بین بین شکل نکالی ہے جس سے وحدت کے بعد جرمنی کے مشرقی حصے کو غیر جانبدار رکھا جا سکے۔

اسی طرح تحدید اسلحہ کا سوال ہے جس پر برسوں سے کوئی اتفاق نہیں ہو سکا۔ اقوام مغرب کا خیال ہے کہ اگر جرمنی کی وحدت کا فیصلہ ہو جائے تو تحدید اسلحہ کی ابتدا مغربی اور مشرقی یورپ سے کی جائے۔ پھر اس کے مطابق اس کا دائرہ وسیع کر دیا جائے۔ مشرق و مغرب کے مابین تجارت کا مسئلہ بھی کافی اہمیت اختیار کر گیا ہے گو یہ تجارت اب بھی ہوتی ہے لیکن مطلوبہ مقدار میں نہیں۔ اقوام مغرب نے بڑی حد تک اس تجارت سے ہاتھ روک رکھا ہے۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ روس بڑی اہم تجارتی تجاویز پیش کریگا۔

مشرق بعید کا اہم ترین مسئلہ چین کا ہے۔ اسے تسلیم کرنے کا سوال ضرور اٹھایا جائیگا اور روس اس پر اصرار کریگا۔ امریکہ ابھی تک چین کی اشتراکی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے تصفیہ کی توقع عبث ہے۔ چین کے ساتھ ویٹ نام کا معاملہ بھی خاصی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ جب سے گذشتہ جنیوا کانفرنس کی بدولت ویٹ نام دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے جنوبی غیر اشتراکی حصے میں بدامنی ہی رہی ہے۔

جو مسائل جنیوا کی چار بڑوں کی کانفرنس میں پیش ہونگے، خاصے کٹھن ہیں۔ ان سے متعلق یہ توقع تو نہیں کی جا سکتی کہ کچھ فیصلے ہو جائیں گے لیکن اگر عمومی فضا خیر سگالی کی رہی تو ان کی تفاصیل طے کرنے کے لئے راستہ ضرور صاف ہو جائیگا۔

ایک شرمناک آواز

(ص ۔۔ سے آگے)

ہفتہ وار صدق (لکھنؤ) کی یکم جولائی کی اشاعت میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے۔

"روزنامہ .... لاہور میں "سالی سے شادی قانونی نقطۂ نگاہ سے" کے عنوان سے ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں ان لوگوں کو جو بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن یعنی اپنی سالی سے شادی کرنا چاہیں نصیحت کی گئی ہے کہ مولویوں سے اس بارہ میں فتویٰ پوچھنے کے بجائے قانون داں حضرات سے فتویٰ لینا چاہئے۔ کیونکہ اگرچہ قرآن نے جمع بین الاختین کو حرام قرار دیا ہے تاہم بعض ہائی کورٹوں نے عدالتوں میں مروجہ شرع محمدی کے مطابق شادی کی تین قسمیں صحیح، باطل، اور فاسد قرار دی ہیں اور سالی سے شادی کو قسم باطل میں نہیں بلکہ فاسد میں شمار کیا ہے اور اس میں اور صحیح شادی میں صرف باضابطہ اور بے ضابطہ کا فرق رکھا ہے یعنی بیوی کی موجودگی میں اسکی بہن سے شادی بے ضابطہ تو ہے لیکن باطل نہیں اور ایسی شادی کرنیوالی عورت خاوند کی جائداد کی وارث نہیں ہو سکتی اور جب چاہے عدالت میں گئے بغیر طلاق حاصل کر سکتی ہے۔

اور یہ مضمون لکھنے والے لاہور کے ایک مسلمان بی۔ اے ال ال، بی ایڈوکیٹ ہیں۔"

(مدیر صدق کی ہمنوائی میں ہم بھی کہتے ہیں کہ) ہمیں معلوم نہیں کہ کونسے ہائی کورٹوں نے اس قسم کا فیصلہ دیا ہے اور مروجہ شرع محمدی میں کس نے بیوی کی موجودگی میں اپنی سالی سے شادی کرنے کو باطل نہیں بلکہ فاسد یعنی بے ضابطہ نکاح قرار دیا ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے اپنی سالی سے شادی کرنا تمام فقہاء کے نزدیک نکاح باطل ہے۔ اور کسی فقیہ نے اسے فاسد کی قسم میں شمار نہیں کیا۔ باطل اور فاسد ہمارے فقہ کی ایک عام اصطلاح ہے۔ باطل نکاح اور فاسد نکاح میں اس حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں نکاح حرام ہوتے ہیں اور ایسے نکاحوں میں فوراً تفریق کر دینی واجب ہے۔ نکاح فاسد اور نکاح باطل میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ نکاح باطل کے بعد نہ عورت پر عدت واجب ہوتی ہے اور نہ شوہر پر مہر۔ نیز ایسے نکاح کے بعد جو اولاد پیدا ہوتی ہے ان کا نسب بھی اپنے باپ سے ثابت نہیں ہوتا اور یہ اولاد ولدالزنا شمار ہوتی ہے۔ لیکن نکاح فاسد کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی، شوہر پر مہر واجب ہوگا اور اس نکاح سے جو اولاد ہوگی اس کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہو سکیگا۔ نکاح فاسد کی مثال میں فقہائے نے اس قسم کی صورتیں پیش کی ہیں کہ کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا یا کسی مقررہ مدت تک کے لئے نکاح کر لیا۔ ان صورتوں میں بھی فوراً تفریق کر دینا ضروری ہوگا۔ البتہ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ عورت پر عدت واجب ہوگی اور مرد پر مہر اور اس قسم کے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ صحیح النسب شمار کی جائیگی ہمیں سب سے زیادہ افسوس اس ذہنیت پر ہے کہ صاحب مضمون کو اس کا اعتراف ہے کہ قرآن کریم نے جمع بین الاختین کو حرام قرار دیا ہے اور یہ جانتے بوجھتے کہ قرآن کی رو سے یہ حرام ہے لوگوں کو مشورہ دینا کہ مولویوں سے فتویٰ لینے کے بجائے قانون داں حضرات سے اس کے متعلق مشورہ لیا جائے کیونکہ بعض عدالتوں نے غلطی سے اسے نکاح فاسد میں شمار کر لیا ہے تحاکم الی الطاغوت کی وہ شرمناک مثال ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں کسی ایسی چیز کے متعلق پسندیدگی کا جذبہ موجود ہے جسے قرآن نے حرام کر دیا ہے تو ایسا شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص یہ جانتے بوجھتے کہ ایک چیز قرآن نے بالصراحت حرام قرار دی ہے اس کے جواز کے لئے دوسری ٹیڑھی راہیں اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن نے کفر اور اسلام کا بنیادی فرق یہ بتایا ہے کہ کفار خدا کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھتے۔

ہم واضح الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر قرآن کے کسی حکم کے خلاف کسی بڑے سے بڑے مذہبی امام کا فتویٰ بھی ہو تو وہ اس قابل ہے کہ اسے رد کر دیا جائے چہ جائے کہ بعض انگریزی ہائیکورٹوں کا فیصلہ۔ مگر صورت مذکورہ میں تو امت میں سے کسی امام نے بھی ایسے نکاح کے جواز کی کوئی صورت بھی ہم نہیں پہنچائی۔ ایسی صورت میں ہائی کورٹ کے کسی فیصلہ کی آڑ لینا وہ شرمناک جسارت ہے جس کا کسی مسلمان کی طرف سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

صدق نے اس اخبار کا نام نہیں لکھا جس میں یہ مضمون شائع ہوا ہے نہ ہی صاحب مضمون کا نام دیا ہے۔ اگر یہ سطور ان صاحب کے نظروں سے گذریں تو ہم ان سے درخواست کریں گے کہ اگر وہ اس باب میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو ہم اسے رفع کرنے کے لئے حاضر ہیں۔

پنڈت نہرو کی وضاحت

سات سال کے طویل و تلخ تجربے کے علی الرغم اگر کسی پاکستانی کو پنڈت نہرو سے متعلق یہ حسن ظن تھا کہ وہ کشمیر کے بارے میں معقول و مفاہمت پسندانہ بات کریں گے تو پنڈت جی کے تازہ بیان سے انکی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ ہم نے صاف صاف لکھا تھا۔ اور یہ کچھ ہم نے کسی باطنی علم کی بنا پر نہیں پنڈت نہرو کے قول و فعل کی روشنی میں لکھا تھا۔ کہ پنڈت پنت نے استصواب سے گریز معاہدے کو ٹھکرایا ہے تو وہ اتفاقی بات نہیں بلکہ وہ ہندوستانی ذہنیت اور طریق کار کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا پنڈت نہرو سے اس کی وضاحت طلب کرنا آزمائے ہوئے کو آزمانے کے مترادف ہے۔ لیکن ہمارے بعض وزراء کی سادہ لوحی کا یہ عالم ہے کہ انھیں یہ یقین نہیں آتا تھا کہ ہندوستان سے ایسی آواز بلند ہو سکتی ہے۔ اور ہمارے ضرورت سے زیادہ خوش فہم وزیر اعظم نے پنڈت نہرو سے رجوع کرنا ہی مناسب خیال کیا۔ پنڈت جی نے سرکاری چٹھی کا جواب پبلک جلسہ میں دیا اور بعینہٖ وہی کچھ کہا جو ان کے ساتھی پنڈت پنت کہہ چکے تھے۔ لیکن اس میں انھوں نے ابلہ فریبی کی گنجائش ضرور رکھ لی کیونکہ انھوں نے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ وہ استصواب کے معاہدہ پر بدستور قائم ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے وزیر اعظم اس فریب میں آئیں گے یا نہیں، لیکن ہم ان کو صاف صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر انھوں نے پنڈت نہرو کے بیان کا یہ مفہوم لیا کہ وہ استصواب کے لئے تیار ہیں تو وہ سارے پاکستان میں اپنے آپ کو تنہا پائیں گے ہم ان سے ایک بار پھر التماس کرتے ہیں کہ وہ خدا کے لئے اس فریب میں نہ آئیں اور براہ راست مذاکرات کا ڈھونگ ختم کر کے مسئلہ کشمیر کو پھر سے اقوام متحدہ میں لے جائیں۔ کیونکہ پرامن حل کی یہی واحد صورت ہے۔ اگر معاملہ فریب خوردی کا نہیں بلکہ طبیعت کی کمزوری ہے جو حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں دلا رہی تو انہیں اس کا صاف صاف اعلان کرنا چاہئے تاکہ ملک اس کے لئے کوئی اور لائحہ عمل تجویز کرے

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصه لے سکتے هیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعه هے - ظاهر هے که اسکا لٹریچر جسقدر زیاده شائع هوگا اسی قدر قرانی فکر عام هوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا - اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی هے - یعنی اگر آپ ایک سو روپیه پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماهانه اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کرده کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکه آپ کی پیشگی رقم پوری نه هوجائے۔ اس طرح - - -

- آپ کی پیشگی رقم سے همیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سهولت مل جائیگی - اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی - اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نهیں هوئے تو اب شامل هوجائیے -

* پهلے ماهانه قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تهی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا هے - جو احباب دس روپے سے زیاده قسطیں دینا چاهیں وه دے سکتے هیں -

★ ★ ★

سلیم کے نام

اگر ملت کے نوجوان قرآن سے دور هورهے هیں تو اس کی وجه یه هے که ان کے سامنے قرآن پیش هی نهیں کیا گیا -

یه کوشش پرویز صاحب نے کی هے اور نوجوانوں کے نمائندے "سلیم" کے شکوک و شبهات کو بڑی کاوش کے ساتھ دور کیا هے -

صفحات ٣٠٨ قیمت چھ روپے

فردوس گم گشته

مسلمانوں کے هاتھ سے کونسی جنت چھنی اور وه آج کس جهنم میں مبتلا هیں ؟

اس کھوئی هوئی جنت کو دوباره حاصل کرنے کی کیا شکل هوسکتی هے ؟

پرویز صاحب کے دلکش مضامین اور تقاریر کا مجموعه جو ان سوالوں کا اچھوتا جواب هیں خالص ادبی نقطه نگاه سے بلندپایه کتاب -

صفحات ٣١٦ قیمت چھ روپے

یہ ٹھیک ہے

کہ آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں وہی آئین نافذ ہو جو

قرآن کے اصولوں کے مطابق

ہو۔

لیکن آئین کی تسوید سے وہ معاشرہ متشکل ہو کر سامنے نہیں آجائیگا

جس کا تصور

قرآن دیتا ہے۔

قرآنی معاشرہ کیا ہے؟ وہ معاش کا جو
انسان کے لئے لاینحل مسئلہ بن گیا ہے کیا حل دیتا ہے؟
وہ دنیا کے مروجہ نظاموں کے مقابلے میں کیوں قابل ترجیح ہے؟
وہ ہماری مشکلات کو کس طرح حل کردیگا؟

یہ کچھ جاننے کے لئے دیکھئے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

جو قرآن کے نظم معاشرت کو منضبط کرنے کی پہلی کوشش ہے۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھ روپے
قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ۔ چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM